ماہنامہ

حنا

جون 2020

عید نمبر

WWW.PAKISTANIPOINT.COM
WWW.PAKISTANIPOINT.COM
پاکستانی پوائنٹ

ہر گھر کیلئے

ماہنامہ

حنا

جلد 42 شمارہ: 4/5/6
اپریل، مئی، جون 2020
قیمت: 80 روپے

بانی: سردار محمودؒ
مدیر اعلیٰ: سردار طاہر محمود
مدیرہ: تسنیم طاہر
نائب مدیران: ارم طارق
تحریم محمود
مدیرہ خصوصی: فوزیہ شفیق
قانونی مشیر: سردار طارق محمود (ایڈووکیٹ)
آرٹ ایڈیٹر: کاشف گوریجہ
اشتہارات: خالدہ جیلانی
افراز علی نازش

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامیات

حمد — اقبال عظیم — 7
نعت — رئیس امروہوی — 7
پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں — ادارہ — 8

انشاء نامہ

اپنا اپنا چاند — ابن انشاء — 12

ناولٹ

اے عشق قضا نہ کرنا شفق افتخار

مکمل ناول

تم سے دور نہیں — ہماراؤ — 34
ہلال عید مسکرایا — فوزیہ سرور — 84

سلسلے وار ناول

اُمید صبح جمال — اُم مریم — 14
اسیر عشق — سدرۃ المنتہیٰ — 172

افسانے

اصل منزل — عائشہ رانا — 75
ایک تیری چاہت — ثنا کنول — 133
شرارت یاد آئے گی — انیلا طالب — 199
لائی عید نوید مسرت — فصیحہ آصف — 202
اک ذرا سی بھول — نائلہ بھٹی — 213

انتباہ: ماہنامہ حنا کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول یا سلسلہ کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جاسکتا ہے، اور نہ کسی ٹی وی چینل پر ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلے وار قسط کے طور پر کسی بھی شکل میں پیش کیا جاسکتا ہے، خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی کی جاسکتی ہے۔

سلسلے سلسلے

حاصل مطالعہ — تحریم محمود — 226
بیاض — تسنیم طاہر — 227
رنگ حنا — بلقیس بھٹی — 232
میری ڈائری سے — صائمہ محمود — 234
حنا کی محفل — عین غین — 230
حنا کا دسترخوان — افراح طارق — 236
کس قیامت کے یہ نامے — فوزیہ شفیق — 239

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماہنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس، monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

کچھ باتیں ہماری

قارئین کرام! گزشتہ تین ماہ کا مشترکہ شمارہ "بطور عید" نمبر پیش خدمت ہے۔

آپ نے کبھی سوچا کہ ایک رات ہم جس دنیا میں سونے کے بعد جب جاگے تو پوری دنیا بن بتائے بدل چکی تھی، ہماری آنکھ ایک الگ دنیا میں کھلی اور سب کچھ رک سا گیا اچانک، یورپ کی امیگریشن اب کسی کا خواب نہیں رہا، امریکہ سب سے طاقتور ملک نہیں رہا، پیرس اب رومانٹک نہیں رہا، چائینہ کی دیوار اب کوئی قلعہ نہیں کوئی مسٹری نہیں، حرمین شریفین کی رونقیں ماند پڑ گئیں اور تمام مساجد سونی ہو کر رہ گئیں، گرجا گھر اور دیگر عبادت گاہوں نے بھی اپنے اپنے دروازے بند کر دیئے، سب موت سے گھبرائے ہوئے تھے، سب کو ایک ساتھ ہی اندازہ ہوا کہ زمین پر انسان کی کوئی حیثیت نہیں رہی اور یہ صرف ایک اسکور بورڈ بن کر رہ گیا ہے اچانک ساری جنگیں بند ہو گئیں ہیں، دہشت گردی کے واقعات ختم ہو گئے، قتل و غارت رک گیا، قاتل اور مقتول دونوں آسمان کے انصاف کے سامنے اشتہاری بن کر رہ گئے، ایک وائرس کی وجہ سے ایک ایسے وائرس کی وجہ سے جسے آنکھ دیکھ بھی نہیں سکتی، ملنا جلنا، گلے ملنا، ہاتھ ملانا، یہ خطرناک ترین ہتھیاروں میں بدل گیا، لوگ اپنے پیاروں کے جنازوں میں شریک ہونے سے کترانے لگے، موت، ماتم تعزیت سب کچھ بدل گیا۔

انسان نے جتنی بھی ترقی کی ہے اس کے باوجود ایسا بھی بھلا کبھی تھا کہ ہزاروں لوگ مر رہے ہوں رابطے، تعزیت اور اظہار افسوس کرنے والا پاس نہ آئے، کیا ہی عجیب ہوا کہ اپنے پیارے عزیزوں اور دوستوں سے دور رہنا ہی محبت کا اظہار بن گیا، اچانک ہم نے محسوس کیا کہ خوبصورتی، طاقت، دولت اور ہتھیاروں کی کوئی حقیقی حیثیت نہیں رہی ہماری سب سے بڑی پریشانی یہ بن گئی کہ اگر یہ وائرس ہمارے اندر چلا گیا تو کیا ہمارے پاس وافر مقدار میں آکسیجن بھی موجود ہے کہ نہیں، وینٹی لیٹر کی اہمیت، توپوں سے ٹینکوں سے جہازوں اور آبدوزوں سے کہیں زیادہ بڑھ گئی، زندگی کی تمام سہولتیں رک گئیں، سب کچھ بند، نہ ایئر پورٹ پر مسافر ہیں اور نہ سکول کالج میں علم حاصل کرنے والے بازار ویران کھیل کے میدان سنسان، ایسے اچانک ہمیں احساس ہوا کہ مصروف ترین زندگی، ریسٹورنٹ، کیفے، شاپنگ، سیمینارز اور سماجی میل جول کے بغیر بھی زندگی چل سکتی ہے انسان گھروں میں بند ہو گئے اور دنیا ہمارے بغیر زیادہ صاف، خوبصورت اور سکون آور اور پاکیزہ لگنے لگی، ماحول بہتر ہو رہا ہے اوزون کا سوراخ بھرنے لگا ہے، وہ جن کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا تھا، ان کے پاس بھی بے پناہ وقت ہے پوری دنیا کو جواب سوچنے کا موقع ملا وہ شاید پہلے کبھی نہیں ملا تھا اب ہم زمین کی آواز بھی سن سکتے ہیں جو شاید کہہ رہی ہے، اس کو بھی سکون درکار ہے اس کو بھی چھٹی چاہیے اور اگر انسانوں کو سمجھ نہیں آئے گی تو اس کو چھٹی کرانا آتا ہے، انسان لافانی نہیں ہمیں قدرت نے یہ کئی بار یقین دہانی کرائی، کبھی طوفانوں، زلزلوں اور کبھی اپنی ہی پیدا کردہ جنگوں کے ذریعے، مگر ہم نے سنا ہی کب، پھر اسی دنیا کی چکا چوند میں کھو جاتے ہیں، اس نادیدہ وائرس کی وجہ سے دنیا اب ویسی نہیں رہے گی جیسے پہلے تھی ہم نہ بھی چاہیں تب بھی وہ لوگ جو پہلے یورپ کی طرف بھاگتے تھے ان کو اپنا ملک ہی محفوظ نظر آنے لگا ہے، اس وبا نے ہماری طرز [illegible]، عادات و اطوار رویہ اور معمولات کو یکدم بدل کر رکھ دیا ہے، ایک حقیر سے وائرس نے ساری دنیا کو الٹا کر رکھ دیا ہے حالانکہ دھرتی میر [illegible] تک نہیں ہوئی مگر اس معمولی وائرس نے ساری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا ہے، اس وبا نے سکھایا ہے کہ ہم فاسٹ فوڈ، لگژری گاڑیوں کے [illegible] چل سکتے ہیں، پہلی بار انسانوں کو احساس ہوا ہے کہ ہماری زندگی میں، ہمارے گھر والے، بہن بھائی، والدین، بیوی بچے سب سے زیادہ اہم ہیں ابھی تو قدرت نے ہماری سماجی رویے، وسائل کو بدلا ہے مگر جب یہ طوفان تھمے گا تو پوری دنیا کا نقشہ بدل چکا ہوگا، قطع نظر اس کے یہ وبا قدرتی ہے یا اس کے پیچھے کوئی انسانی ہاتھ ہے، غور کیا جائے تو یہ ایک پیغام ہے قدرت کا، سمجھنے والوں کے لئے اشارہ ہی کافی ہے۔

ادارہ حنا کی طرف سے آپ سب کو عید الفطر کی مبارک باد۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار طاہر محمود

حمد باری تعالیٰ

نام بھی تیرا عقیدت سے لیا جاتا ہوں
ہر قدم پر تجھے سجدے بھی کیے جاتا ہوں

کوئی دنیا میں مرا مونس و غمخوار نہیں
تیری رحمت کے سہارے پہ جیے جاتا ہوں

تیرے اوصاف میں اک وصف خطا پوشی ہے
اس بھروسے پہ خطائیں بھی کیے جاتا ہوں

آزمائش کا محل ہو کہ مسرت کا مقام
سجدہ شکر بہر حال کیے جاتا ہوں

زندگی نام ہے اللہ پہ مر مٹنے کا
یہ سبق سارے زمانے کو دیے جاتا ہوں

صبر کرنا ہے تری شان کریمی کو عزیز
میں یہی سوچ کر آنسو بھی پیے جاتا ہوں

ہر گھڑی اس کی رضا پیش نظر ہے اقبال
شکر ہے ایک سلیقے سے جیے جاتا ہوں

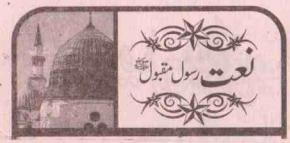

اقبال عظیم

نعت رسول مقبولﷺ

کس کا جمال ناز ہے جلوہ نما یہ سو بہ سو
گوشہ بگوشہ در بدر قریہ بہ قریہ کو بہ کو

اشک فشاں ہے کس لئے دیدہ منتظر مرا
دجلہ بہ دجلہ یم بہ یم چشمہ بہ چشمہ جو بہ جو

مری نگاہ شوق میں حسن ازل ہے بے حجاب
غنچہ بہ غنچہ گل بہ گل لالہ بہ لالہ بو بہ بو

جلوہ عارض نبیؐ رشک جمال یوسفی
سینہ بہ سینہ سر بہ سر چہرا ہو بہ ہو

زلف دراز مصطفےؐ گیسوئے لیل حق نما
طرہ بہ طرہ خم بہ خم حلقہ بہ حلقہ مو بہ مو

یہ میرا اضطراب شوق رشک جنون قیس ہے
جذبہ بہ جذبہ دل بہ دل شیوہ بہ شیوہ خو بہ خو

تیرا تصور جمال میرا شریک حال ہے
نالہ بہ نالہ غم بہ غم نعرہ بہ نعرہ ہو بہ ہو

رئیس امروہوی

پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں

ادارہ

عیدین میں اذان اور اقامت

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دونوں عیدوں کی نماز کئی بار بغیر اذان کے اور بغیر اقامت کے پڑھی۔ (صحیح مسلم)

عیدالفطر میں صدقہ

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نماز فطر کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اور سیدنا ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب کے ساتھ گیا تو ان سب بزرگوں کا قاعدہ تھا کہ نماز، خطبہ سے پہلے پڑھتے تھے اور اس کے بعد خطبہ پڑھتے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اترے یعنی خطبہ پڑھ کر گویا میں ان کی طرف دیکھ رہا ہوں، جب انہوں نے لوگوں کو ہاتھ سے اشارہ کر کے بٹھانا شروع کیا پھر ان کی صفیں چیرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عورتوں کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیت پڑھی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے فارغ ہوئے اور پھر فرمایا کہ تم نے ان سب کا اقرار کیا کہ اس میں سے ایک عورت نے کہا کہ۔

"ہاں اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!" راوی نے کہا کہ معلوم نہیں وہ کون تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔

"صدقہ کرو۔" پھر انہوں نے صدقہ دینا شروع کیا اور سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا کپڑا پھیلایا اور کہا کہ۔

"لاؤ میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔" اور وہ سب چھلے اور انگوٹھیاں اتار اتار کر سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کپڑے میں ڈالنے لگیں۔ (صحیح مسلم)

نماز عید میں کیا پڑھیں

عبیداللہ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا ابو واقد لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید الفطر اور فطر میں کیا پڑھتے تھے؟" انہوں نے کہا کہ۔

"آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں ق و القرآن المجید اور اقتربت ساعۃ وانشق القمر پڑھتے تھے۔" (صحیح مسلم)

عورتوں کی نماز عید

سیدہ ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم کیا کہ ہم عید الفطر میں اور عید الاضحیٰ میں اپنی کنواری، جوان لڑکیوں کو اور حیض والیاں کو اور پردہ والیوں کو لے جائیں، پس حیض والیاں نماز کی جگہ سے الگ رہیں اور اس کار نیک اور مسلمانوں کی دعا میں حاضر ہوں، میں نے عرض کیا کہ۔

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سے کس کے پاس چادر نہیں ہوتی۔"

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔

"اس کی بہن اسے اپنی چادر اوڑھا دے۔" (صحیح مسلم)

عید کے دن تفریح

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر آئے اور میرے پاس دو لڑکیاں بعاث کی لڑائی کے گیت گا رہی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچھونے پر لیٹ گئے اور اپنا منہ ان کی طرف سے پھیر لیا اور پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور مجھے جھڑکا کہ۔

"شیطان کی تان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس۔" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ۔

"ان کو چھوڑ دو۔" (یعنی گانے دو) پھر جب وہ غافل ہو گئے تو میں نے ان دونوں کے چٹکی لی کہ وہ نکل گئیں اور وہ عید کا دن تھا اور سوڈان ڈھالوں اور نیزوں سے کھیلتے تھے، سو مجھے یاد نہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خواہش کی تھی یا انہوں نے خود فرمایا کہ۔

"کیا تم اسے دیکھنا چاہتی ہو؟"

میں نے کہا کہ۔

"ہاں۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کر لیا اور میرا رخسار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخسار پر تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ۔

"اے اولاد ارفدہ! تم اپنے کھیل میں مشغول رہو۔"

یہاں تک کہ جب میں تھک گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔

"بس؟"

میں نے عرض کیا کہ۔

"ہاں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔

"جاؤ۔" (صحیح مسلم)

رمضان کے بعد شوال کے چھ روزے رکھنا

سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جو رمضان کے روزے رکھے اور اس کے ساتھ شوال کے چھ روزے رکھے تو اس کو ہمیشہ کے روزوں کا ثواب ہوگا۔" (پورے سال کے روزوں کا ثواب ہوگا) (صحیح مسلم)

عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت

ابن ازہر کے غلام ابوعبید سے روایت ہے کہ میں عید میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حاضر ہوا اور آپ آئے اور نماز پڑھی پھر فارغ ہوئے اور لوگوں پر خطبہ پڑھا اور کہا کہ۔

"یہ دونوں دن ایسے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان (دونوں دنوں) میں روزہ رکھنے سے منع کیا ہے اور آج کا یہ دن رمضان کے بعد تمہارے افطار کا ہے اور دوسرا دن ایسا ہے کہ تم اس میں اپنی قربانیوں کا گوشت کھاتے ہو۔" (مسلم)

عید فطر کے دن

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید الفطر کے دن جب تک کچھ کھجوریں نہ کھالیتے نماز کے لئے نہ جاتے۔"

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر یہی حدیث بیان کی اس میں یہ ہے کہ آپ طاق کھجوریں کھاتے۔ (بخاری شریف)

عید کی نماز کے لئے سویرے جانا

عبداللہ بن بسر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (ملک شام میں امام کے دیر سے نکلنے پر اعتراض کیا اور) کہا اس وقت تو ہم نماز سے فارغ ہو جاتے تھے یعنی جس وقت نفل پڑھنا درست ہوتا ہے۔ (بخاری شریف)

حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کا بیان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ نے آدم علیہ السلام کو ساٹھ ہاتھ لمبا بنایا۔" پھر فرمایا۔

"جاؤ ان فرشتوں کے گروہ کو سلام کرو سن وہ تجھ کو کیا جواب دیتے ہیں؟ وہی تیرا اور تیری اولاد کا سلام ہوگا؟" آدم علیہ السلام نے کہا۔

"السلام علیکم!" انہوں نے جواب السلام علیکم ورحمتہ اللہ کا لفظ انہوں نے بڑھایا۔

جو لوگ قیامت کے دن (بہشت) میں داخل ہوں گے وہ سب آدم علیہ السلام کی صورت (حسن اور قامت) پر ہوں گے، آدم علیہ السلام کے بعد پھر اب تک قد چھوٹے ہوتے رہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"پہلا گروہ آدمیوں کا جو بہشت میں جائے گا، وہ لوگ چودھویں رات کے چاند کی طرح (حسن اور چمک میں) ہوں گے، پھر جو ان کے بعد جائیں گے وہ بہت چمکتے ستارے کی طرح جو آسمان میں ہے یہ لوگ (بہشت میں) نہ پیشاب پاخانہ کریں گے، نہ تھوکیں گے، نہ ناک سے رینٹ نکالیں گے، ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی، ان کے پسینے سے مشک کی خوشبو پھوٹے گی، ان کی انگیٹھیوں میں عود (جلتا) رہے گا یعنی خوشبودار عود، ان کی بیویاں بڑی آنکھ والی حوریں ہوں گی سب ایک ہی شخص یعنی اپنے باپ آدم کی قدو قامت پر ساٹھ ہاتھ اونچے ہوں گے۔ (بخاری شریف)

یہودی کے سوال

عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یہود کے عالم) کو یہ خبر پہنچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے ہیں، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے کہنے لگے۔

"میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تین باتیں پوچھتا ہوں پیغمبر کے سوا کوئی اور ان کو نہیں جان سکتا۔"

"قیامت کی پہلی نشانی کیا ہے؟"

"اور بہشتی لوگ بہشت میں جا کر پہلے کیا کھائیں گے؟"

"اور بچہ اپنے باپ کے مشابہ کیوں ہوتا ہے؟ اسی طرح اپنے ننھیال کے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"ابھی ابھی جب تو نے (پوچھا) جبرئیل نے یہ باتیں مجھ کو بتلا دیں۔"

عبداللہ نے کہا۔

"یہ فرشتہ یہودیوں کا دشمن ہے ان کے زعم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب لے جائے گی۔"

"پہلا کھانا بہشتیوں کا مچھلی کے کلیجے پر جو ٹکڑا لٹکا رہتا ہے وہ ہوگا (نہایت لذیذ ہوتا ہے)"

"بچہ کے مشابہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب مرد عورت سے صحبت کرتا ہے اگر مرد کا پانی آگے بڑھ جاتا ہے (غالب آجاتا ہے) تو بچہ باپ کے مشابہ ہو جاتا ہے اگر عورت کا پانی آگے بڑھ جاتا ہے تو اس کے مشابہ ہو جاتا ہے۔"

عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر عرض کی۔

"میں گواہی دیتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔" پھر انہوں نے عرض کی۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہودی لوگ انتہا کے جھوٹے فریبی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے ان سے میرا حال پوچھیے، پوچھنے سے پہلے اگر ان کو معلوم ہو جائے کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں تو وہ مجھ کو جھوٹا لپاٹیا کہیں گے۔" (کبھی میری تعریف نہیں کریں گے)

یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک کوٹھڑی میں چلے گئے (چھپ گئے)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا۔

"عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم میں کیسا آدمی ہے؟"

انہوں نے کہا۔

"عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ عالم ہیں اور عالم کے بیٹے اور سب سے افضل اور سب سے افضل کے بیٹے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"دیکھو اگر عبداللہ مسلمان ہو جائیں (تو تم بھی مسلمان ہو جاؤ گے)

انہوں نے کہا۔

"اللہ نہ کرے) اللہ ان کو مسلمان ہونے سے بچائے رکھے۔

یہ سن کر عبداللہ کوٹھڑی سے نکلے اور کہنے لگے۔

"اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمد ارسول اللہ" اس وقت یہودی شرمندہ ہو کر کہنے لگے۔

"عبداللہ تو ہم سب میں برا آدمی ہے، سب سے برے شخص کا بیٹا ہے۔" لگے اس کو سخت ست کہنے۔ (بخاری شریف)

لباس کا بیان

اللہ تعالیٰ کا (سورۃ اعراف میں) فرمانا۔

"اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ دے کس نے وہ زیب و زینت کی چیزیں حرام کیں جو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے نکالیں۔" (یعنی عمدہ عمدہ لباس)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"کھاؤ پیو، پہنو، خیرات کرو لیکن اسراف نہ کرو (حد سے نہ بڑھ جاؤ) نہ تکبر (غرور) کرو۔"

اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

"جو تیرا جی چاہے (بشرطیکہ حلال ہو کھا اور جو تیرا جی ہے (مباح کپڑوں میں سے) پہن گو کتنا ہی بیش قیمت ہو) مگر جب تک دو باتوں سے بچا رہے اسراف اور تکبر سے۔" (بخاری شریف)

☆☆☆

اونا اونا چاند

ابن انشاء

اک چاند پرانا صدیوں کا جس چاند کے پیٹ میں تارا ہے
اک چاند زمیں کے لوگوں نے افلاک پہ آج ابھارا ہے
اس چاند کا چہرہ اجلا ہے ، اس چاند کا رتبہ عالی ہے
اس چاند میں بھی گن لاکھوں ہیں ، اس چاند کی بپ نرالی ہے
اس چاند کے لو بھی دیوانے ، اس چاند کے آلھے گاتے ہیں
اس چاند چراغ کے پروانے ، اس چاند کی عید مناتے ہیں
تم چاند نگر کے انشا جی ، کس چاند کے عاشق ہوتے ہو؟
کس چاند پہ جی کو کھوتے ہو ، کس چاند کو شب کو روتے ہو؟

☆☆☆

جب من کے گگن کے آنگن میں ، اندھیارا ہی اندھیارا تھا
ہم پیت نگر کے لوگوں نے اک روپ کا چاند ابھارا تھا
نا کنکر ہے ، نا پتھر ہے ، نا لوہا ہے ، نا پیتل ہے
نا چاند وہ پگھلی چاندی ہے ، نا چاند وہ سونا شیتل ہے

اک گوری تھی البیلی سی ، مدماتی چھیل چھبیلی سی
تھی جس کی چال نشیلی سی ، تھی جس کی بات رسیلی سی
وہ پیت لگا کر توڑ گئی ، ہاں کہنے کو منہ موڑ گئی
تن من کے تار جھنجھوڑ گئی ، سو یادیں جی میں چھوڑ گئی
اس من کی اندھیری راتوں میں ان یادوں کا اجیالا ہے
یہ چاند کہ اودا کالا ہے ، ہر شام نکلنے والا ہے

☆☆☆

یہ چاند لگائے سینے سے ، یہ چاند سمیٹے دامن میں
ہم جوت جگاتے پھرتے ہیں پربت، ساگر، بستی بن میں
ہر شعر یہ شور سا اٹھتا ہے ، ہر گیت پہ دیپ سا جلتا ہے
جب رات کو من کی محفل میں اس چاند کا چرچا چلتا ہے
وہ چاند کہ ڈوبیں گہنائیں ، وہ چاند کہ آخر جل جائیں
جس چاند سے ہم کو نسبت ہے ، اس چاند کے آگے کب آئیں
پر لوگو مورکھو دیوانو ، یہ بات بھی ہم سے کیوں پوچھو
جس چاند کی جس کو وحشت ہو ، جس چاند کا جس کو سودا ہو
بس بات ہے پیت نبھانے میں ، اک چاند پہ جان سے جاتے ہیں
جب ایک نہیں جب دو بھی نہیں ، جب لاکھ ہوں چاند زمانے میں

☆☆☆

امید صبح جمال

ام مریم

چھٹی قسط کا خلاصہ

والدہ کی عمامہ کی امی کے ہاتھوں ہونے والی بے عزتی سلمان کے علم میں آچکی ہے، اس کے ارادے خطرناک ہیں اور والدہ اس وجہ سے از حد پریشانی میں مبتلا ہیں۔

حمرہ کی امی علاج نہیں کروانا چاہتیں، بلکہ پہلی بار اپنی ذات کے متعلق چھپتے ماضی کو حمرہ پہ آشکار کرتے ہوئے اس سے شادی کی گزارش کرتی ہیں، حمرہ کسی طور شادی پہ آمادہ نہیں۔

آیت کے پپا اچانک انتقال کر جاتے ہیں، وفات سے قبل وہ آیت سے اپنے دل کی بہت باتیں کرتے ہوئے اس کی اور معیز کی خوشگوار زندگی کی خواہش بھی آیت کے سامنے ظاہر کرتے ہیں، معیز البتہ چچا کی موت کا ذمہ دار آیت کو سمجھتے ہوئے اس سے مکمل طور پہ بدگمان ہو چکا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

ساتویں قسط

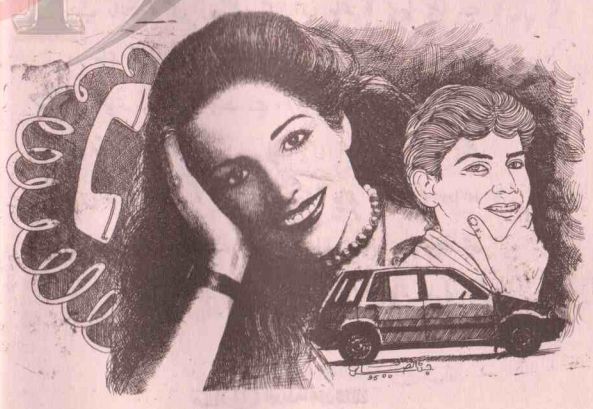

بدگمانی وشک کے اس اعلیٰ ترین مظاہرے پہ ایشل نے بہت شاکی نظروں سے بھائی کو دیکھا تھا۔

"اگر آپ اس کے کمرے سے ہو کے آچکے ہیں بھائی تو پھر آپ کو بخوبی یہ اندازہ ہوگا کہ وہ اس قابل نہیں ہے کہ اس قسم کی بریکنگ نیوز نشر کر سکے۔" اس کا لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی چبھتا ہوا اور طنزیہ ہو گیا تھا، معیز کو ناگواری نے گھیر لیا۔

"میرا خیال ہے تم اگر محترمہ کی حمایت و ہمدردی سے ہاتھ کھینچو گی تب ہی مجھے کوئی ڈھنگ کا جواب مل سکے گا۔" وہ بھی چیخ گیا تھا، ایشال پتا نہیں کیوں اتنی تلخ ہو رہی تھی، حالانکہ اس سے قبل کبھی اسے ایسی جرأت نہیں ہوئی تھی۔

"چچی جان نے آپ کو دیکھا ہوگا آیت کے کمرے سے نکلتے، وہی ایسی باتیں کر رہی ہیں کہ آپ کی رکھتی اب جلدی کرنی چاہیے، لڑکے سے رہا نہیں جا رہا وغیرہ۔" اب کی بار ایشال کا انداز متبسم ہو گیا تھا، معیز کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

"یہ چچی بھی نا بس....." اس نے ہاتھ کا مکہ دوسری ہتھیلی پہ مارا، پھر اسے غصے سے دیکھا۔

"اور ایک تم ہو..... مجھے ترغیب دے رہی ہو کہ جا کر موصوف کی مزاج پرسی کروں تیمارداری کروں۔" وہ پھر اس پہ چڑھ دوڑنے لگا، ایشل نے اسے اب کے سنجیدگی سے دیکھا تھا۔

"چچی پہ غصہ نہ کریں، وہ تو آپ کی راہیں ہموار کر رہی ہیں، جہاں تک میری خواہش کی بات ہے تو اسے آپ کب سے اتنی اہمیت دینے لگے، اپنی مرضی ہو تو بغیر وجہ کے بھی چلے جائیں گے، میں نے کہہ دیا تو....." وہ پھر تلخ ہونے لگی تو معیز نے اسے گہرا سانس بھر کے دیکھا تھا۔

"بات بات پہ طعنہ دینا تمہاری کب سے عادت بن گئی ایشل..... کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" وہ حیران نظر آنے لگا تھا۔

"آپ کو یقین کیوں نہیں آتا؟ اسے واقعی اس وقت ایک ڈاکٹر کی سخت ضرورت ہے۔" ایشل اپنی بات پہ قائم رہی تو معیز نے ہاتھ میں پکڑا فگ واپس رکھ دیا۔

"اتنا تیز بخار ہے، چیک کر کے یہ ہی بتا دیں پانی کی پٹیاں کر دوں؟"

"تم میرے ساتھ چل رہی ہو، پھر خود دیکھ لینا وہ میری موجودگی کو کس حد تک پسند کرتی ہے۔" اس کے سامنے ہار ماننا ہو یا ہاس پہ جتلانے سے باز نہیں آیا۔

"نیکی کی سب سے بہترین خوبی اس کا جاری رہنا ہے، کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہ لانا ہی ہے، بھائی آپ اس وقت انا کو نہیں اپنے پیشے اور اپنی مسیحائی کو یاد رکھیں اسے ترجیح دیں پلیز۔" اس کے ہمراہ آگے بڑھتی ہوئی مدبر بن کر نصیحت کر رہی تھی، اس ٹینشن زدہ ماحول کے باوجود معیز کے ہونٹوں پہ نرم سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"آئی وش تمہاری سادگی معصومیت اور نیک دلی کو دنیا کی آلودگی سے گزند کبھی نہ پہنچے۔" اس نے دل سے دعا دی تھی، ایشل کے چہرے پر خفیف سی مسکان بکھر گئی۔

"حسن نظر ہے ورنہ آیت میں مجھے کم و بیش یہی خوبیاں بہ درجہ اتم موجود پائی ہیں میں نے۔" وہ خلوص سے بولی تو اب کی بار معیز نے اسے بے حد غصے سے دیکھا تھا۔

"میرا موڈ خراب مت کرو تم اب۔" ایشل شرارت سے ہنس دی تھی، دروازے سے اندر پہلے وہ داخل ہوئی، پھر معیز کو اندر آنے کا اشارہ کیا تھا، وہ کسی قدر جھجکا، آہستگی سے کھنکارا، گویا اسے اپنی آمد کی پیشگی خبر دی۔

"آیت..... اٹھو..... بھائی آئے ہیں تمہیں، طبیعت پوچھنے۔" ایشل جلدی سے آگے بڑھ کر آیت کے سرہانے جا کھڑی ہوئی، خواب آسا ماحول بے حد دلکش فرنیچر دبیز پردے اور کارپٹ، ماحول میں ٹلکیوں روشنی کا غبار، وہ سامنے بستر پہ کمبل اوڑھے بے دم سی پڑی نظر آ رہی تھی، ایشل کی پکار پہ ذرا کی ذرا آنکھیں کھولیں، نظر معیز سے ملی تو چند ثانیے غیر یقینی سے اسے یونہی دیکھتی چلی گئی۔

"بخار ابھی بھی بہت تیز ہے بھائی، تھوڑی دیر پہلے اسے وومیٹنگ بھی ہوئی ہے۔" ایشل نے پھر سے آیت کی پیشانی چھو کر تشویش زدہ انداز میں آگاہ کیا۔

"کیا کھایا تھا انہوں نے؟" وومیٹنگ کے متعلق سن کر وہ سوال کیے بغیر نہیں رہ سکا۔

"کچھ بھی نہیں، بس بار بار پانی مانگ رہی تھی، میں نے پانی پلایا تو قے ہونے لگی۔" جواب اب بھی ایشل نے ہی دیا، آیت کی آنکھوں کے کناروں سے ایک بار پھر آنسو بہنے شروع ہو گئے تھے، معیز آگے بڑھ آیا، پہلے اس کی پیشانی چھوئی، گویا انگارے دہک رہے تھے، بخار واقعی تشویش ناک حد تک زیادہ تھا، معیز نے اس کی کلائی تھامی، آیت کو جانے کیا ہوا بری طرح سسک اٹھی، یہ سسکیاں ہچکیوں میں ڈھلیں، اگلے لمحے وہ زار و قطار رو رہی تھی۔

"آیت آیت کیا ہوا، سنبھالو خود کو۔" ایشل گھبرا کر اس کے قریب آئی، معیز خاموشی سے پیچھے ہٹ گیا۔

"میں میڈیکل باکس لے کر آتا ہوں، گاڑی میں موجود ہے۔" وہ کہہ کر پلٹنے کو تھا کہ ایشل نے بے ساختہ مداخلت کر دی، آیت کسی طرح بھی سنبھالی نہیں جا رہی تھی۔

"بھائی آپ ٹھہریں میں لاتی ہوں۔" اس نے صرف کہا نہیں تیزی سے لپک کر باہر نکل گئی، ایک لمحے کو تو معیز حیران سا کھڑا رہ گیا، اسے واقعی سمجھ نہیں آئی ایشل کی اس حرکت کی وجہ، آیا وہ اسے یہاں کیوں لائی اور اب یہ تیمارداری مہیا کرنے کا مقصد؟

"بتانا پسند فرمائیں گی مادام کہ اب اس سوگ نما ماتم کی وجہ، پچھتاوا ہی ہیں؟ اگر واقعی ایسا ہے تو اس کا فائدہ نہیں ہے کوئی بھی، نقصان تو ہو چکا، ایسا نقصان، جس کا کوئی ازالہ بھی ممکن نہیں۔" اس کی آہ و زاری میں فرق نہ آتا دیکھ کر معیز زہر خند ہوتا بول پڑا تھا، آیت کو جھٹکا لگا، آنسوؤں سے ڈبڈبائی نظروں سے کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر ایک دم کمبل ہٹا کر اس تک آئی اور اگلے لمحے اس کا گریبان پکڑ لیا۔

"تم کیا سمجھتے ہو خود کو؟ کسی پہ بھی کوئی بھی فرد جرم عائد کر دو گے اور خود کو درست سمجھتے رہو گے؟ بتاؤ کیوں ہو تم اتنے ظالم اور سفاک، خود غرض اور خود پرست..... مجھے..... میرے پپا کا قاتل ثابت کرنا چاہتے ہو۔" وہ بری طرح سے روتی ہوئی چلانے لگی، معیز کے چہرے پہ سخت برہمی چھا گئی، اس کا ہاتھ اپنے گریبان سے ہٹانا چاہا مگر آیت کی گرفت مضبوط تھی، اس پہ ہیجان کا

غلبہ چھاتا جارہا تھا۔

''کیا جانتے ہو تم، کچھ بھی نہیں، پپا پرسوں رات میرے پاس آئے تھے، ان کی خواہش تھی، آپ سے کبھی خود کو الگ نہ کروں، ان کی تسلی کی خاطر میں نے ان کی ہر ہاں میں ہاں ملائی، میں انہیں دکھ نہیں دینا چاہتی تھی، صرف اس لئے اور تم۔'' نقاہت غم وغصہ کی شدید کیفیت اور گہرا صدمہ اس سے بولنا محال ہونے لگا تو گہرے گہرے سانس بھرنے لگی، بیچ میں بار بار کھانسی کا شدید اٹیک بھی ہو رہا تھا، اس نے معیز کی شرٹ چھوڑ دی، واپس پلٹنا چاہا بری طرح لڑکھڑائی، معیز اگر سہارا نہ دے دیتا تو چکرا کر گر ہی جاتی۔

''خود کو سنبھالیں، اتنی جذباتیت کی ابھی آپ متحمل نہیں ہو سکتیں۔'' وہ بے دم انداز میں اس کے سینے سے ماتھا ٹیک کر گہرے گہرے سانس بھر رہی تھی جب معیز نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر خود سے الگ کرتے ہوئے رسان سے کہا، بظاہر رسان سے کہا ورنہ اس کے اندر طوفان مچل رہے تھے۔

''پلیز مجھے بیڈ تک سہارا دے دیں۔'' بے بسی دکھ لاچاری، اس کا سر اس بری طرح سے چکرا رہا تھا کہ اس گزارش کی ضرورت پڑ گئی تھی معیز نے گہرا سانس بھرا۔

''شیور۔'' اور جس پل وہ اسے سہارا دیئے بیڈ تک لا رہا تھا، عین اسی پل خاصے گھبرائے ہوئے اسد نے اندر قدم رکھا تھا، صورتحال کی گمبھیرتا نے اک پل کو اسے ٹھٹکا کے رکھ دیا، آیت ایک ہاتھ سے سر تھامے دوسرے سے معیز کا کندھا جکڑے ہوئے تھی، معیز کا ایک بازو اس کے شانے پہ پھیلا تھا دوسرا کمر کے گرد حمائل، دروازہ کھلنے کی آواز پہ معیز بھی چونک کر متوجہ ہوا تھا، اس کو روبرو اور متوجہ پا کے کسی قدر خفیف سا ہو گیا۔

''بھئی...... یہ سنبھالو اپنی بہن کو مجھے ایشال لے کر آئی تھی ان کے چیک اپ کے لئے۔'' جو صورتحال تھی نازک تھی، وہ نا چاہتے ہوئے بھی اپنی پوزیشن کلیئر کیے بغیر نہ رہ سکا، اسد پھر چونک گیا۔

''ج...... جی...... جی...... مجھے بھی ایشال سے ہی پتا چلا کہ آیت کی طبیعت زیادہ خراب ہے۔'' وہ آگے بڑھ آیا، آیت جو بیڈ پہ بیٹھ چکی تھی، اسے لیٹنے میں مدد دینے کے بعد اس پہ کمبل برابر کر کے سیدھا ہوا۔

''کب سے خراب ہے طبیعت؟'' سوال پتا نہیں کس سے ہوا تھا، معیز البتہ کچھ نہیں بولا۔

''میڈیکل باکس لینے گئی تھی یہ لڑکی، جانے کہاں رہ گئی۔'' اس پہ جھلاہٹ سوار ہونے لگی تھی یہ سوچ کر کہ اسد اس کے متعلق کیا سوچ رہا ہوگا۔

''میں آ گئی بھائی۔'' تب ہی ایشال آئی تھی، باکس اس کی سمت بڑھایا۔

''پورٹیکو اتنی دور نہیں ہے جتنی دیر تم نے لگائی ہے اس کام میں۔'' وہ اسے گھورتے ہوئے غرایا، ایشال خائف سی ہو گئی، اسد کھنکارا۔

''سوری بھائی۔'' معیز نے باکس جھپٹ لیا، میز پہ رکھ کر کھولا اور پھر کچھ ادویات نکال لیں۔

''سب سے پہلے انہیں ہلکا پھلکا کچھ کھلاؤ، اس کے بعد دوا دے کر سلا دینا، جب تک خود سے

نہ اٹھیں جگانے کی ضرورت نہیں، ٹھیک ہو جائیں گی۔'' دوائیں اس کی سمت بڑھاتا وہ جیسے جان چھڑانے والے انداز میں بولا، اسد نے صاف محسوس کی تھی یہ بے رغبتی اور گلہ آمیز نظروں سے ایشال کو دیکھا جو شرمساری سی نظریں چرا گئی۔

''یہ تو بتایا نہیں کہ پانی کی پٹیاں کر دوں؟'' معیز کو باہر نکلتے دیکھ کر وہ جلدی سے زور سے بولی، معیز اک لمحے کو رکا۔

''ہاں بہت ضروری ہیں، اور اب تم کسی ٹائم سو بھی جانا، یہ نہ ہو ادھر ہی بیٹھی رہو۔'' غصہ اور نصیحت، اگلے لمحے یہ جا وہ جا، اسد نے خاموش نظروں سے ایشال کو دیکھا جو ہنوز نظریں چرا رہی تھی۔

''تم جاؤ ایشل، میں ہوں آیت کے پاس۔'' اسد کے کسی انداز میں ناراضگی نہیں تھی، پھر بھی ایشل کی شرمندگی نقطہ عروج پہ جا پہنچی۔

''بھائی کی طرف سے میں سوری کرتی ہوں، پتا نہیں انہیں کیا ہو گیا ہے۔'' آیت کی بند پلکوں سے ٹوٹ کر بکھرتے آنسوؤں پہ خفت بھری نگاہ ڈالتی وہ یہی کہہ سکی۔

''ہمارے سامنے بنتے ہیں، ورنہ جب میں آیا تب صورتحال کچھ اور تھی۔'' اس کا لہجہ تلخ تھا، ایشال چونک اٹھی۔

''کیا مطلب؟''

''شاید میری مداخلت بری لگی یا پھر تمہارا مجھے انوالو کرنا۔'' اسد کی تلخی کم نہیں ہوئی، آیت نے ہونٹ بھینچ لئے، اسد بھی غلط سمجھ رہا تھا، ایشل الجھی ہوئی نظر آنے لگی، البتہ کچھ پوچھا نہیں۔

''میں آیت کے لئے کچھ لاتی ہوں۔'' وہ پلٹ کر جلدی سے باہر نکل گئی، اسد آیت کی سمت متوجہ ہو چکا تھا۔

☆☆☆

رات جس خواب کے سائے تلے سوئے تھے تمہارا تو نہ تھا
غم کی مہمیز ہمیں خواب کے پندار میں لے جاتی ہوئی کہتی ہے
تھوڑا سستا ہی لیا جائے تو بہتر ہے مسافر کے لئے
خواب بھی دینے لگے ہم کو فریب
دل ہی مضبوط نہ ہو اپنی شکایت میں تو اوروں کا گلہ کیا کرنا
دور بیٹھا ہوا چاہے کوئی بے چین کرے
آرزو اپنا سفر مانگتی ہے
بے درائی بھی نہیں اچھی کہ سب لوگ کہیں
چھوڑ دو بے نام ونسب درد کو چھوڑ دو چھوڑ دو
ہم تمہیں خواب میں مل آئے تو خوش ہی رہتے
اور یہ نیندیں بھی یوں اپنا اڑاتیں نہ مذاق
سو طرح کے کسی اندوہ سے بچ ہی جاتے

اپنی برباد محبت کو گریبان ہی پہناتے رہیں گے کب تک
اس قدر چاک گریبان اسیری والے
روز دل روزن زنداں میں کر لاتا ہے
روز ہم صورت احوال سے ڈر جاتے ہیں
روز گھبرا کے پلٹ آتے ہیں بستی سے خیال
روز ویرانہ تعاقب میں نکل پڑتا ہے
جاگتے جاگتے آ جاتی ہے آنکھوں میں خراش
خون رستا نہیں جم جاتا ہے
اور سلگ اٹھتا ہے بینائی میں بے نور چراغ
دل کی بے زاری کا بے نور چراغ
اور شکستہ کیے رکھتا ہے ملال
رات جس خواب کے سائے تلے سوئے تھے تمہارا تو نہ تھا
رات جس خواب میں ہم پھوٹ کے روئے تھے تمہارا تو نہ تھا

اب اسے رات کا انتظار رہنے لگا، چراغ جلاتے ہوتے، اگر بتیاں سلگتی رہتی اور کتنے وظائف بھی تو پڑھتی تھی، محبوب کو مغلوب کرنے والے مشکل ترین وظائف داری اس کے کمرے میں نہیں آتی تھیں، ورنہ اس کے روم کو مزار میں بدلتے دیکھ کر حیران تو ہوتیں ہی سوال کر کر کے اس کا جینا بھی دوبھر کر دیتیں۔

''اب آپ کھانا کھا بھی لیں دادی اور کتنی دیر کریں گی۔'' اس پہ مغرب کے بعد ہی عجلت سوار ہونے لگتی، دادی مغرب کے بعد ہی اذکار میں زیادہ مصروف ہوا کرتی تھیں، اس کے اس اصرار پہ چڑنے لگیں۔

''کھا لوں گی بھئی، تمہیں زیادہ جلدی ہے تو تم کھا لو، کتنی بار کہا ہے، مجھے تسبیح پڑھنے کے دوران نہ بلایا کرو۔'' دادی کو غصہ آ گیا۔

''ٹھنڈا کھانا کیسے کھائیں گی؟'' وہ ان سے زیادہ چڑی، دادی نے اسے غور سے دیکھا۔

''اگر تم نہیں گرم کر کے دو گی تو میں کرلوں گی کچھ نہ کچھ خود ہی، تم یہ فکر چھوڑ دو، ویسے تم اب اتنی جلدی کیوں سونے لگی ہو یا پھر کوئی اور سرگرمی اپنائی ہے۔'' ان کی نظریں اور ایسا سوال، صندلین کے تو چھکے چھوٹ گئے، ماتھے پہ بے تحاشا پسینہ پھوٹ پڑا۔

''م..... میں کون سی سرگرمی میں مبتلا ہوں گی، آپ بھی کمال کرتی ہیں دادو۔'' وہ ہکلا گئی تھی، دادی نے زور سے سر جھٹکا۔

''ناول پڑھنا، فلمیں دیکھنا اور بہت سی خرافات ہوتی ہیں نوجوان لڑکیوں کو پڑی ہوئی، اب تو موا انٹرنیٹ بھی آ گیا برباد ی میں حصہ ڈالنے۔'' دادی کی وضاحت پہ اس کی جان میں جان آئی، صد شکر ان کا معصوم ذہن بس یہیں تک سوچ سکتا تھا۔

''ایسا کچھ بھی نہیں ہے، بس آج کل ٹی وی پہ ایک بہت اچھا سیریل آ رہا ہے، پورے دو گھنٹے

کا، آپ کو پتا ہے مجھے ڈرامے کے دوران ڈسٹرب ہونا پسند نہیں، بس اتنی بات ہے۔'' اب اس کا اعتماد بحال ہو چکا تھا، بڑے دھڑلے سے جھوٹ گھڑ لیا۔

''بہت بری عادت پڑ گئی تمہیں، دو گھنٹے جو ٹی وی کے آگے برباد کرتی ہو اس سے بہتر نہیں اپنی پڑھائی کو وقت دے دیا کرو، پڑھائی کبھی رائیگاں نہیں جاتی مگر تم تو پتا نہیں تعلیم کی کیوں دشمن ہو بیٹھیں۔'' انہوں نے بھی تسبیح رکھ دی، اب اس کے لتے لینے کو بالکل فارغ تھیں، صندلین کی نظریں کلاک پہ ہی بھٹک رہی تھیں، ساڑھے چھ ہو گئے تھے، صرف آدھا گھنٹہ تھا، پھر اسے اپنا وظیفہ شروع کر دینا تھا، ایک منٹ کی تاخیر بھی اثر میں فرق ڈال سکتی تھی۔

''ٹھیک ہے دادی، میں چلی، ڈرامہ شروع ہونے والا ہے۔'' وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی تو دادی نے گہرا متاسفانہ سانس بھر لیا، جب وہ بالکل دروازے پہ جا پہنچی تھی تب انہیں جیسے کچھ یاد آیا۔

''ارے صندل بیٹے۔''

''یہ لو۔'' صندل کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے، دانت کچکچا کے پلٹی۔

''جی.....!!!''

''بیٹے وہ، شیر خان ہے نا شیر خان، ہاں اسے کھانا دے دیا تم نے؟'' دادی کو اس پٹھان کے بچے کی بڑی فکر رہتی تھی، جو تھا تو ملازم مگر دادی اس سے سلوک ایسے روا رکھتیں گویا وہ گھر کا ہی فرد ہو، اگر صندلین کے لڑکی ذات ہونے اس کی اتنی خوبصورتی اور لاابالی جوانی کا خیال نہ ہوتا تو شاید ٹیبل پہ ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتیں۔

''اب یہ بھی میری ذمہ داری ہے؟ ویسے تو آپ نے اسے جتنی چھوٹ دے رکھی ہے پورے گھر میں دندناتا پھرتا ہے، مگر... کھانا نہیں لے کر کھا سکتا، آپ کا تو بس نہیں چلتا مجھے اس کی نوکرانی بنا ڈالیں۔'' وہ اتنی چڑی کہ بڑبڑاتی باہر نکل گئی، دادی نے کان نہیں دھرا، ان کا سنہرا خیال تھا گھر میں شیر خان کے آ جانے سے برکت آئی ہے نہ صرف یہ بلکہ یہ بھی فرماتی تھیں وہ اکیلی عورتیں اب ایک جوان مرد کی گھر میں موجودگی کے باعث تحفظ محسوس کرتی تھیں، انہیں ساری عمر اپنے بیٹوں سے گلہ رہا کہ کوئی ان کے ساتھ نہیں رہا، اس کے بعد یہ گلہ حسین شاہ سے ہو گیا، اب شیر خان کے آ جانے سے وہ خاصی مسرور تھیں اور مجال ہے جو کبھی صندلین کو اس کے خیال کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی کرنے دیتیں، ناشتے کھانے کا خیال یہاں تک کہ وہ تو شیر خان کے کپڑے بھی دھلوانے پہ آمادہ تھیں صندلین سے مگر یہاں شیر خان خود آڑے آ گیا تھا۔

''نہیں نہیں، بڑی بیگم صاب ام ایسا نہیں کر سکتا، اپنا کپڑا التام خود دھولے گا، امارا غیرت یہ گوارا نہیں کرتا کہ اپنا کپڑے کسی غیر عورت سے دھلوائیں۔''

''اف..... میں کہیں عورت نظر آتی ہوں، بدتمیز، اور اتنے ہی غیرت مند ہو تم تو پھر کھانا کیوں مجھ سے تین ٹائم لے کر ٹھونستے ہو۔'' صندلین کی لفظ عورت نے اتنی دل آزاری کی تھی کہ وہ پنجے جھاڑ کر شیر خان کے پیچھے پڑ گئی، دراصل حسین نے اس کو موٹا کہہ کہہ کر اس معاملے میں حساس ہی اتنا کر دیا تھا کہ اسے لگنے لگا تھا شاید واقعی اب وہ لڑکی نہیں لگتی دیکھنے میں عورت ہی لگتی ہے، محض

بیس سال کی عمر میں عورت نظر آنے کا خیال واقعی دل شکنی کا باعث ہو سکتا تھا۔

''اے چھوٹا بیگم صاب، امارا مطلبل یہ نئیں تھا خدا قسم امارا مطلبل تھا ہر لڑکی عورت ہی ہوتا ہے جیسے ہر لڑکا مرد، جیسے ام مرد ہے، تو پھر آپ کو مرد تو نئیں بول سکتا ام، عورت ہی بولے گا نا۔'' شیر خان اس کے بلبلا اٹھنے پر واقعی سٹپٹا گیا تھا، وضاحتوں پہ اتر آیا مگر وہ بھی صندلین تھی، ایک اعتراض کند ہوا تو دوسرا سامنے لے آئی۔

''خبر دار جو مجھے بیگم بولا، نہیں ہوں میں تمہاری کوئی بیگم ویگم۔'' آنکھیں نکال کر با قاعدہ تنبیہ کی تو شیر خان کانوں کو ہاتھ لگانے لگا۔

''اللہ معافی ...... اللہ معافی ...... ام نے کب بولا کہ آپ امارا بیگم و، ام تو چھوٹا بیگم بولا آپ کو عزت دینے کے واسطے۔'' شیر خان کی پھر وضاحت آئی مگر اس کی تیوریاں نہیں کھلیں۔

''تم مجھے عزت نہ دو، مہربانی۔'' اس نے نخوت سے جواب دیا مگر شیر خان تو اپنی جگہ سے اچھل پڑا تھا۔

''اللہ معافی! ام ایسا گستاخی کیسے کر سکتا ہے، آپ مالک ہو امارا تو عزت تو دینا پڑے گا نا ام کو۔'' وہ جس طرح آنکھیں پھیلا کر بولا صندلین کو اس پر غصہ آ گیا۔

''کیا چیز ہو تم، جاؤ جان چھوڑ بھئی، دماغ کھا جاتے ہو۔'' اس نے رکھائی سے کہتے منہ پھیر لیا تو شیر خان لجاجت سے بولا تھا۔

''ابھی چلا جاتا ہے مگر آپ بتا دو آپ کو بیگم صاب نہ بولیں تو کیا بولیں ام۔'' انداز میں بے بسی سوال میں معصومیت لئے وہ صندلین کو پہلی بار واقعی بے ضرر لگا۔

''تم ......'' وہ پرسوچ انداز میں اسے دیکھتی رہی، پھر چٹکی بجائی۔

''ہاں تم مجھے بی بی صاحبہ کہہ لیا کرو۔''

''ٹھیک اے بی بی صاحبہ، ام اب جاتا ہے۔'' وہ سلام جھاڑتا فوراً رخصت ہو گیا، صندلین مسکرا دی۔

''ویسے ہے دلچسپ آدمی۔'' اور پھر اس نے اپنے مقصد کے حصول کی خاطر شیر خان کو ہی ذریعہ بنایا تھا، دادی سے سہیلی سے ملنے کا بہانہ کر کے وہ شیر خان کے ہمراہ پہلی بار پیر صاحب کے آستانے پہ گئی تو واپسی پہ شیر خان نے اسے بہت زچ کر ڈالا تھا۔

''بی بی آپ تو کہہ رہا تھا اپنی سہیلی سے ملنے جانا ہے یہ تو کسی ڈھونگی پیر کا ٹھکانہ تھا، آپ کا وہاں کیا کام بھلا؟'' صندلین اس چابک دستی کے مظاہرے پہ ٹھٹک گئی، وہ اسے جتنا معصوم سمجھی تھی وہ ایسا بھی معصوم نہیں تھا، صرف شکل کی حد تک ہی تھی ہی معصومیت، اس نے جانا دادی نے ایویں شیر خان کو ایسی اہم نوکری پہ نہیں رکھ لیا۔

''سہیلی کا ہی گھر ہے یہاں، تم زیادہ شوخے نہ بنو، اونہہ ڈھونگی پیر۔'' وہ غصے میں لال پیلی ہوتی اسے جھڑک کر چپ کروا گئی، شیر خان نے چپ تو سادھ لی مگر اگلی بار جب پھر وہ اس کے ہمراہ وہاں گئی تو شیر خان نے پھر سے اپنی نصیحتوں کا پنڈرا باکس کھول لیا تھا۔

''بی بی صاحبہ، آپ جوان اور خوبصورت ہ، یہ پیر بہت دھوکے باز ہوتے ہیں خدا قسم آپ ان

چکروں میں نہ پڑو، تو بہتر ہے آپ اپنا پیسہ اور وقت برباد کرنے کے سوا اور کچھ نہ پائیں گی یہاں۔''

''شٹ اپ شیر خان، ایک لفظ آگے نہ بولنا، اپنی حیثیت یاد رکھا کرو، تم ہمارے ڈرائیور ہو، یعنی ایک ملازم، تمہارا کام پک اینڈ ڈراپ ہے، وہی کرو سمجھے۔'' وہ اتنا بھڑکی تھی کہ اسے اس کی اوقات یاد دلانے کھڑی ہو گئی، شیر خان نے چپ سادھ لی تھی، مزید کچھ نہیں بولا، صندلین البتہ سارے رستے ضرور پیچ و تاب کھاتی، جھلستی آئی تھی اس مداخلت پہ اس کا دل یہ سوچ کر برا ہوتا رہا تھا کہ شیر خان نے بدشگونی کر دی ہے، اسے کیا معلوم تھا وہ حسین شاہ کی چاہت میں کیسی دیوانی ہو چکی ہے، ہر صورت اسے حاصل کرنا چاہتی ہے، شیر خان کے ایسے الفاظ نے اس کے دل میں طوفان برپا کر دیئے تھے۔

''اپنی زبان بند رکھنا، دادی اگر پوچھیں تو وہی کہنا جو میں تمہیں سمجھا چکی ہوں، زیادہ وفاداری کرنے کی کوشش کی تو جان سے مار ڈالوں گی تمہیں، ہلکا مت لینا مجھے۔'' گھر پہنچ کر گاڑی سے اترنے سے قبل وہ اسے دھمکانے سے باز نہیں آئی، شیر خان اب بھی کچھ نہیں بولا۔

''کیا سوچ رہی ہو، جاؤ بیٹے کھانا دو اسے پھر کرتی رہنا اپنا کام۔'' صندلین چونک گئی، سر ہلا کر باہر آ گئی، شیر خان کو اتنا دھمکانے کے باوجود وہ اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہو پائی تھی، کھانا ٹرے میں لگاتے وہ مسلسل یہی سوچتی رہی تھی کہ اب آخر ایسا کیا کرے کہ شیر خان کی زبان اس معاملے میں ہمیشہ بند رہے، کیوں کہ پیر صاحب نے اب کے جو عمل بتایا تھا وہ قبرستان میں رات کے وقت کرنا تھا، وہ یہ کام شیر خان کی مدد کے بغیر نہیں کر سکتی تھی، ایک تو رات دوسرا قبرستان سن کر ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے، اس پہ پیر صاحب کی سختی سے ہدایت تھی کہ کسی کو اس عمل کے متعلق بتانا بھی نہیں ہے، صندلین بے حد پریشان تھی، وہ یہ بھی چاہتی تھی حسین شاہ ہمیشہ کے لئے اس کا ہو جائے مگر یہ آخری عمل بہت روح فرسا قسم کا تھا، لیکن اگر وہ اس میں کامیاب ہو جاتی تو پھر حسین شاہ کو اس کا ہونے سے کوئی روک بھی نہیں سکتا تھا، وہ اپنی جان پہ کھیل کر بھی یہ عمل کرنا چاہتی تھی، اس کی محبت جنون اور دیوانگی میں بدل چکی تھی، حسین شاہ کے حصول کی خاطر شاید اب وہ کسی کی جان لینے سے بھی گریز نہ کرتی، دادی نے جو اس کی شادی کے لئے زیورات بنو کر رکھے تھے وہ سارے وہ پیر صاحب کی نذر کر چکی تھی، یہ سب بے کار تھا اگر وہ یہ آخری تیر بہدف وظیفہ نہ کرتی، اسے ہر صورت آگ کا یہ دریا پار کرنا تھا۔

''یہ لو، کھاؤ ٹھونسو، خود ملازم ہونے کے باوجود تم نے مجھے اپنی خدمت پہ مامور کر لیا ہے، اگر ذرا سی شرم ہے تو باہر نکل کر میز پہ بیٹھ کر کھا لیا کرو، کچن سے کھانا بھی نکال لو گے تو کوئی فرق نہیں پڑ جائے گا تمہاری مردانگی کو۔'' دھاڑ سے اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر ٹرے میز پہ پٹختی ہوئی وہ اسے بے بھاؤ کی سنانا شروع ہو گئی، آج کل اسے بات بے بات غصہ آتا تھا اور سارا نزلہ گرتا شیر خان پہ ہی تھا، وہ اس وقت کھڑکی میں منہ دیئے کھڑا تھا، ہونٹوں میں سلگتا سگریٹ دبا تھا جو اسے دیکھ کر اس نے انگوٹھے اور انگلی کی مدد سے کھڑکی سے باہر اچھال دیا۔

''آپ پریشان نہ ہوں بی بی صاحبہ، ام آپ کو اس تکلیف سے کل ہی نکال دیں گے، کل

آپ کو یہ زحمت نہیں کرنا پڑے گا۔'' وہ بے حد سنجیدگی سے گویا ہوا تو صندلین نے اسے اچھی خاصی طنزیہ نظروں سے دیکھا۔

''اچھا، کیا بات ہے، یعنی مردانگی اتنی جلدی جاگ گئی اور اب تم اپنا کھانا خود نکال لایا کرو گے۔'' وہ اس کا مذاق اڑا رہی تھی، شیر خان نے تحمل سے اس کی بات سنی تھی، پھر سر نفی میں ہلایا، انداز یاس بھرا تھا۔

''ہمارے گھر میں تین بہن اور ایک چھوٹا بھائی ہے، بھائی دس سال کا اے مگر چائے کے کھوکھے پہ چھوٹو لگا ہوا ہے، ام ادھر شہر میں نوکری کے واسطے ذلت سہتا ہے، بات اگر ذلت کی حد تک رہتا تو ام کو گوارا تھا، مگر بی بی صاحب، ام بڑی بیگم صاحب کو دھوکہ نہیں دے سکتا، کسی صورت نہیں دے سکتا، وہ ام پہ اعتماد کر کے آپ کو امارے ساتھ بھیجتا اور آپ امارا بات نئیں مانتا، آپ اس جعلی پیر کے پاس جاتا رہتا، آپ ام سے زیادہ سمجھ دار ہے، ام آپ کو کیا سمجھائے کہ ٹی وی میں ان جیسے پیروں کو ان کی جعل ساڑی کو کیسے کیسے بے نقاب کیا جاتا، عورتیں عزت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں، مگر آپ ام سے زیادہ عقل والا ہے، آپ پھر بھی وہاں جاتا تو ام آپ کو کیسے روکے، ہاں یہ ہو سکتا کہ، ام آپ کو وہاں نہ لے جائے، کل خدانخواستہ کچھ غلط ہوا تو ام بڑی بیگم صاحب کو کیا جواب دے گا، اس لیے، ام نے فیصلہ کرلیا، چاہے امارے گھر میں فاقہ پڑنے لگے مگر ام اب ادھر اور نوکری نہیں کرے گا، ام صبح چلا جائے گا۔'' کھانے کی ٹرے کو اس نے نگاہ بھر کے بھی نہیں دیکھا تھا، بلکہ رخ کھڑکی کی جانب پھیر کر بات کرتا شاید وہ اپنی آنکھوں کی نمی سے پوشیدہ رکھنے کی خواہش مند تھا، صندلین کے ماتھے پہ تیوریاں چڑھ گئیں، آنکھوں سے برہمی مترشح تھی۔

''کر چکے تم اپنی تقریر مکمل؟'' اس نے مشتعل انداز میں اس کی آستین پکڑ کر جھٹکا دیتے اپنی جانب متوجہ کیا، شیر خان کو اس سے ایسی حرکت کی توقع نہ تھی، شاید جبھی کچھ حیران ہو کر اسے پلٹ کر دیکھنے لگا۔

''جی.....؟''

''اپنے گھر کے حالات مجھے بتلا کر نوکری چھوڑنے والا حربہ بہت خوب ہے تاکہ میں ترس کھا کر تمہیں روک ہی لوں، ہے نا؟'' وہ غصے سے پھنکاری، شیر خان کا سرخ و سفید قندھاری انار جیسے چہرے سے چہرے لہو جیسی سرخی چھلکنے لگی۔

''میری بلا سے تم ابھی چلے جاؤ، آئی ڈونٹ کیئر۔'' وہ میز کو ٹھوکر مار کر غرائی، شیر خان کچھ نہیں بولا، وہ غصے سے کھڑی کچھ دیر اسے گھورتی رہی پھر اسی تنی سے گویا ہوئی تھی۔

''بہت دیانت دار اور وفادار ہو تم، مگر صرف دادو کے ساتھ کیوں؟'' اس سوال پہ شیر خان اسے چونک کر ناسمجھ نظروں سے دیکھنے لگا۔

''کیا میں تمہاری مالکن نہیں ہوں؟ یا تم خود کو میرا ملازم نہیں سمجھتے؟'' ایک کے بعد دوسرا سلگتا ہوا سوال اس کے سامنے رکھتی وہ پھر اسے اس کی اوقات یاد دلا رہی تھی، شیر خان کا نوخیز چہرا مزید سرخی سمیٹ لایا۔

''آپ اماری مالکن ہیں میں آپ کا وفادار تھا، جبھی روز اول سے آپ کو اس کام سے روک

رہا تھا، اگر محض اپنی تنخواہ سے مطلب رکھتا تو ایسی باتیں نہ کرتا۔'' اب کی بار وہ بولا تو اس کا لہجہ بدلا ہوا تھا، خفیف سی تلخی سموئے آئینہ دکھانے والا تھا، صندلین نے گہرا سانس بھرا۔

''یہ وفاداری مجھ سے نہیں دادو سے نبھا رہے ہو تم، مجھ سے وفاداری یہ ہے کہ میں جو کہوں تم خاموشی سے حکم بجالاؤ۔'' اس کے انداز میں رعونت اتر آئی، شیر خان نے گہرا سانس بھرا۔

''آپ کے ناجائز حکم کو مان کر ام اپنی روزی کو حرام کرے گا بی بی صاحب اور ایسا ام کبھی نہیں کر سکتا۔'' اب وہ اپنے مخصوص پٹھانی چٹانی لہجے میں اپنا فیصلہ سنا رہا تھا، صندلین کچھ بے بس نظر آنے لگی تھی اس کے سامنے۔

''میں اس کام کے الگ سے پیسے دوں گی تمہیں، پھر بھی تمہیں اعتراض ہے؟'' اب وہ اس کا بھاؤ لگا رہی تھی، شیر خان نے ایسے ہونٹ بھینچے گویا اپنے مشتعل جذبات کو قابو میں کرنا چاہ رہا ہو۔

''سب سے پہلا بات بی بی صاب آپ امارا بے عزتی کر رہے ہو، عزت صرف امیروں کا نہیں ہوتا، دوسرا بات امارا انکار امی انکار ہے۔'' وہ بولا تو اس کی آواز میں چٹانی سختی تھی، صندلین نے زچ ہو کر اسے دیکھا۔

''بہت سر پر چڑھتے جا رہے ہو، اتنے ضدی کیوں ہو تم؟'' وہ جھلائی۔

''آپ سر پہ نہ چڑھاؤ، ام نے کوئی منت نہیں کیا آپ کا۔'' شیر خان نے منہ لگا کر جواب دیا جو صندلین کو سراسر گستاخی لگا۔

''منہ سنبھال کر بات کرو، تم بہر حال ہمارے ملازم ہو۔'' وہ اسے جھڑکے بغیر نہ رہی۔

''ملازم ہے غلام نہیں، اور ملازمت بھی ام چھوڑنے کا فیصلہ کر چکا اے۔'' شیر خان نے پتا نہیں طے کر لیا تھا کہ اب دباؤ میں نہیں آئے گا، صندلین کو تو لینے کے دینے پڑ گئے، پریشانی کے عالم میں اسے دیکھنے لگی۔

''دیکھو.....تم نوکری مت چھوڑو ابھی، کم از کم تب تک جب تک ہمیں کوئی اور بھروسے کا ڈرائیور نہیں مل جاتا۔'' اب کے وہ ذرا نرم لہجے میں بولی مگر شیر خان اس نرمی پہ بھی نہیں پگھلا۔

''ام نے آپ کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا، آپ کو بھروسے کا ڈرائیور ایک سال نہ ملے تو ام ایک سال ادھر اپنا روزی روٹی حرام کرتا رہے گا۔'' وہ ہیلے انداز میں کہہ کر اسی وقت اپنے کپڑے سمیٹنے لگا تو صندلین بوکھلا سی گئی۔

''کیا بدتمیزی ہے یہ.....اب کیا میں تمہارے پیر پڑوں، چھوڑو یہ سب ورنہ ابھی کھانے میں زہر ملا کر کھلا دوں گی تمہیں، حد ہوگئی، نخرہ تو دیکھو۔'' اس کے ہاتھ سے کپڑے جھپن کر دور پھینکتی وہ برس پڑی تھی۔

''آپ جو مرضی کرو، مگر ام نہیں رکے گا تو نہیں رکے گا۔'' شیر خان کی تان وہیں ٹوٹ رہی تھی، صندلین مضطرب ہو کر اسے دیکھنے لگی، جسے سمجھ نہیں پا رہی ہو اس بدتمیز خان کو کیسے لائن پہ لائے۔

''ٹھیک ہے، میں تمہارے ساتھ اس پیر کے پاس نہیں جاتی مگر تم مجھے چند دن میں ڈرائیونگ ضرور سکھلا دو، اس کے بعد جہاں مرضی مرتا کھپتا پھنسیں کیا۔'' صندلین نے ایک حل بہر حال نکال

لیا تھا، شیر خان نے الجھن میں پڑ کر اسے دیکھا۔

''ام یہ کام بھی تب کرے گا اگر بڑی بیگم صاحب اجازت دے گا۔'' کچھ سوچنے کے بعد اس نے اس بات کو بھی مشروط کر دیا، صندلین نے گہرا سانس بھرا اور باہر نکل آئی، اس جھک جھک میں آدھا گھنٹہ گزر گیا اب اسے خود کھانا کھائے بغیر وظیفہ شروع کرنا تھا، اسے شیر خان کی اکڑ فطرت پہ تاؤ آئے جا رہا تھا، بس نہ چلتا تھا اسے جان سے مار ڈالے، اس سے قبل کہ شیر خان دادی سے بات کرتا اسے خود داری کو ٹھیس میں اتارنا تھا اس طرح کہ دادی اسے ڈرائیونگ سیکھنے کی اجازت دے دیتی۔

☆☆☆

میں پہنچ کنیز گدا ڈھولا
مری اجڑی مانگ سجا ڈھولا
دیوانہ ہے مغرور بہت
مرا شکوہ کرے ہوا ڈھولا
مرا دل رستے میں آن پڑے
مری کو منظور دعا ڈھولا
تو سمٹ کے ایک ہوا مجھ میں
مرے بکھر گئے اجزا ڈھولا
کچھ دل میں درد سمایا ہے
کچھ سر میں ہے سودا ڈھولا
وہ بولا مرے لہجے میں
میں نے جنتی بار کہا ڈھولا

وہ بالکل چت لیٹا ہوا تھا، ہونٹوں میں سلگتا سگریٹ تھا جسے کش لے کر نکالے بغیر وہ دھواں خارج کرتا جاتا تھا، کسی ہیوی گاڑی کے انجن کی طرح دھواں چھوڑتا ہوا سلمان بٹ اس وقت کسی شدید تناؤ میں تھا اتنا تو ملکہ کو بھی معلوم ہو چکا تھا، ایسے موڈ کا مطلب اس سے بات چیت نہ کرنے کا سگنل ہوا کرتا تھا، جو بھی اہم بات وہ لے کر آئی تھی اسے لئے ہی واپس پلٹی تھی کہ سلمان کی نگاہ اس پہ پڑ گئی۔

''ملکہ.....'' اس پکار نے ملکہ کے چہرے پہ کنول کھلا دیئے۔

''صدقے میں قربان میری جان کے مہمان۔'' وہ تالی بجا کر کمر چکا کر بل کھاتی چال چلتی قریب آ گئی۔

''نصیب دشمناں موڈ خراب لگتا ہے، کس ناس پیٹے کا بیڑا ڈوبا کہ میرے شہزادے کی پیشانی پہ شکن ابھری، اک اشارہ تو کر کے دیکھ ملکہ رانی کیا کرتی ہے۔''

''پھر.....'' وہ بہت نزاکت سے اس کے نزدیک بیڈ کی پائنتی ٹک گئی۔

''تم بتاؤ کیسے زحمت کی۔'' سلمان بات گول کر گیا۔

''ارے یہ خوب کہی، چلو ہم ہی کہے دیتے ہیں، وہ ہے نا موا خواجہ اس کی دم کسی نے آج کل آگ لگائی ہوئی ہے، ناچتا پھرتا ہے نامراد ہر طرف، اڈے سے ہمارے ہرکارے گرفتار کر کے لے گیا، ہیں تو سب کے سب اعتماد کے آدمی مگر یہ منٹے پولیسے، تجھے پتا ہے ناشہزادے کیسے مارتے ہیں اللہ توبہ.....'' اس نے بات ادھوری چھوڑ کر خواجہ سراؤں کے خاص انداز میں گال پیٹے، سلمان ابرو اچکائے اس کی بات سن رہا تھا، محض سراثبات میں ہلایا۔

''خواجو کے اتنے پر نکل آئے ہیں تو اب تک کٹے کیوں نہیں ملکہ..... اتنی سی بات کے لئے اب تم مجھے زحمت دو گی؟'' وہ بھڑک اٹھا بیٹھا۔

''آئے ہائے، ناراض کیوں ہوتا ہے میرے بابو، زحمت اس لئے نہیں دی، مجھے تو پتا چلا تھا ساجن آج کل بہت ڈسٹرب ہیں، دل بہلانے چلی آئی، حکم ہو تو دل بہلاوے کا سامان پیش کروں؟'' اس نے بڑی ادا سے بڑی نزاکت سے ساڑھی کا پلو شانے پہ سیٹ کیا۔

مورا سیاں موسے بولے نا
میں لاکھ جتن کر ہاری

وہ پھر کمر لچکا رہی تھی، سلمان نے ہاتھ اٹھا کر منع کر دیا۔

''ضرورت نہیں، تم جاؤ۔'' ملکہ کے چہرے پہ سنجیدگی چھا گئی۔

''جو حکم حضور.....'' وہ ذرا سا جھک کر سلام کرتی باہر نکل گئی، سلمان کچھ دیر اسی پوزیشن میں بیٹھا کچھ سوچتا رہا تھا پھر کوٹ کی جیب سے سیل فون نکال کر نمبر ڈائل کرنے لگا، دوسری سمت گھنٹی بجنے لگی۔

''ہیلو..... السلام علیکم!'' کچھ دیر مزید انتظار کے بعد کال ریسیو ہو گئی، دوسری سمت کوئی خاتون تھیں۔

''وعلیکم السلام!'' سلمان نے روکھے سرد انداز میں جواب ایسے دیا گویا بادل ناخواستہ۔

''جی فرمایئے، کس سے بات کرنی ہے؟'' شائستگی سے سوال ہوا۔

''آپ نے فون اٹھایا تو آپ سے ہی کر لیتے ہیں۔'' احسان جتلانے کے انداز میں جیسے کہا کیا دوسری سمت حیرت کا غلبہ چھا گیا۔

''جی.....؟ آپ کون؟'' حیرت کو سمیٹ کر سوال ہوا تو سلمان نے جواباً اسی سرد مہری سے اپنا نام بتایا تھا۔

''سلمان بٹ۔''

''کون سلمان بٹ؟'' ادھر لاعلمی سی لاعلمی تھی، سلمان آہستگی سے کھنکارا۔

''اگر آپ عزیزی عمامہ کی والدہ ماجدہ ہیں تو آپ کے قابل احترام داماد صاحب آپ کی اکلوتی بیٹی کے ہونے والے شوہر نامدار اور آپ کے اس دنیا میں جلد آنے والے نواسوں کے والد محترم۔'' جواب ایسا تھا کہ دوسری سمت امی بھک سے اڑ گئی ہوں گی۔

''شٹ اپ..... یہ کیا بدتمیزی ہے۔'' وہ خود کو سنبھال کر غصے میں چلائیں۔

''اسے بدتمیزی نہیں انٹروڈکشن کہا جاتا ہے بزرگ جاتون اور بدتمیزی و گستاخی کی تو آپ

مرتکب ہو رہی ہیں ہماری شان میں مگر چونکہ انجان ہیں اور پہلی بار ہے تو معاف کیے دیتا ہوں، آئندہ کے لئے محتاط رہیے دوسری بات میری والدہ کو جس طرح آپ لوگوں نے ذلیل کر کے گھر سے نکالا بھول جائیں وہ دوبارہ بھی سوال لے کر آئیں گی، اب آپ لوگ خود اپنی بیٹی کے رشتے کی قبولیت لے کر والدہ کے پاس آیئے، پھر ہی میں عمامہ کو عزت سے اپناؤں گا، دوسری صورت میں۔''

''واٹ..... آر یو میڈ..... یہ کیا اول فول بک رہے ہو..... سنولڑکے اگر تم پاگل بھی ہو تو تب بھی دس از ٹو مچ، آئندہ یہاں فون مت کرنا ورنہ پولیس کے حوالے کر دوں گی تمہیں۔'' انہوں نے غرا کر کہتے ہی کال ڈسکنکٹ کر ڈالی تھی، سلمان موبائل ہاتھ میں پکڑے ہونٹ بھینچے ڈراپ ہو جانے والی کال کا دورانیہ دیکھتا رہا۔

''تو اس کا مطلب گھی سیدھی انگلیوں سے نہیں نکلے گا۔'' وہ ایسے بولا گویا کوئی درندہ غرایا ہو، اگلے لمحے اس نے ملکہ کا نمبر ڈائل کر لیا تھا۔

''آئے ہائے، نگوڑی ملکہ کہیں کسی اور کا نمبر تو شہزادے کے نام پہ سٹور نہیں کر بیٹھی یا پھر دن دہاڑے بھی ہمیں ہر طرف سلو ہی نظر آ رہے ہو۔'' کال ریسیو ہوتے ہی ملکہ کی چہکی آواز کانوں میں پڑی۔

''میں تمہیں ایک ایڈریس سینڈ کر رہا ہوں ملکہ، اس گھر سے سب سے اہم فرد کو ایک رات کے لئے اپنا مہمان بنا لو، بہت اچھی طرح خدمت کرنا، دل بہلاؤ ے میں کوئی کمی نہ رہ جائے، سمجھ آ گئی بات۔'' وہ بول نہیں رہا تھا، پھنکار رہا تھا، دوسری طرف سے تالی پیٹنے کی آواز آنے لگی۔

''ملکہ رانی نے کبھی پہلے اپنے شہزادے کو شکایت کا موقع نہ دیا تو اب کا ہے کو دینے لگی ایے، چل رکھتی ہوں، تیرا کام سمجھ ہو گیا۔'' وہ اسی چہکار زدہ انداز میں جو اس کا خاصہ تھا مطمئن کر رہی تھی، سلمان نے فون بند کر دیا۔

''سلمان نے کبھی ہارنا نہیں سیکھا بڑھیا، تم نے اپنی شامت کو خود آواز دی ہے تو اب بھگتتی رہو۔'' اس نے دانت پیستے ہوئے خود کلامی کی تھی اور سگریٹ کیس سے نیا سگریٹ نکال کر سلگا لیا، دھواں اڑاتا وہ کچھ سوچ کر مسکرا رہا تھا۔

☆☆☆

ایک بجھتا ہوا دل
ایک بے نام چراغ اور نحیف
جس قدر درد کیا تھا اس نے
نور کی موج امڈ آتی تو پھر بھی کم تھی
جانے کس غم سے جگر زخم بنا
زخم سے ناسور ہوا
موت کی سمت بڑھ جانا بہت تیزی سے
اور ترسنا کہ کہیں کوئی سہارا مل جائے

ڈوبتے وقت کنارا مل جائے
یہ جو سرطان کے دریا میں
کنارے نہیں ہوتے ان کے
یہ جو بہتے ہوئے زخموں سے پھیلتا ہے
سہارے نہیں ہوتے ان کے
بے بسی چھین لیا کرتی ہے جب آنسو بھی
تیرگی مانگ پڑ جاتی ہے
ہائے یہ دکھ کی اجارہ داری
کائناتوں کا پلٹ جانا مقدر کی پلکوں کی طرح
اس قدر خالی گھٹا ٹوپ دکھوں کی رت میں
کون آتا ہے نصیبوں کی طرف
اور پھر یہ بھی کہ ہو منتظر دست شفا
ایک بے نام چراغ اور نحیف
کون آتا ہے غریبوں کی طرف

سونم ہو چکا تھا، پرسہ دینے کے لئے آنے والوں کا ابھی تلک تانتا بندھا ہوا تھا، تایا جان کی فیملی ابھی یہیں تھی، معیز البتہ آج واپسی لوٹ جانا چاہتا تھا، اس کے باوجود کہ تایا جان اجازت نہیں دے رہے تھے۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے، مجھ سے بعد اس گھر سے تمہارا ہی سب سے زیادہ قریبی تعلق ہے، تمہیں تعزیت کے لئے آنے والوں سے ضرور ملنا ہوگا۔'' وہ بہت غمگین تھے ابھی تلک وہ مخصوص طنطنہ گم ہو چکا تھا، بیٹے کو سمجھانے کو کہا، مگر معیز ان کی بات سے اختلاف نہ کرے یہ بھی کہیں نہیں لکھا تھا۔

''میں مزید کالج سے لیو نہیں لے سکتا ابا جی، ہاں وہاں سے واپسی پہ ادھر ہی آ جایا کروں گا۔'' اس نے قائل کرنا چاہا، اس سے قبل کہ وہ کچھ اضافی نقطہ اٹھاتے اندرونی حصے کی جانب سے کسی کے چلانے اور زور زور سے بولنے کی آوازیں آنے لگیں، شور ہر لحظہ بڑھ رہا تھا، تقریب کے لئے اور فاتحہ کے لئے آئے ہوتے کچھ لوگ ابھی بھی لان میں بچھی دریوں پہ بیٹھے تھے، معیز نے نا فہم نظروں سے باپ کو دیکھا جن کے چہرے پہ پریشانی جھلکنے لگی تھی۔

''آپ ٹھہریں میں دیکھتا ہوں۔'' وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا، تیز قدموں سے چلتا اندرونی حصے کی جانب آیا تو وہاں ایک ہنگامہ برپا تھا، حویلی کی ساری خواتین ایک طرف جبکہ دوسری جانب آیت اور اس کی مام کھڑی تھیں، آیت کے چہرے پہ شرمندگی و خوف کی کیفیت تھی جبکہ مام چلانے میں بہت شد و مد سے مصروف تھیں۔

''میں پوچھتی ہوں یہ کوئی پبلک پلیس نہیں ہے، پھر آپ لوگ یہاں کیوں جمع ہیں، خالی کریں ہمارا گھر؟''

''کیا ہوا، کیوں شور کر رہی ہیں آپ؟'' معیز کی پیشانی پہ بل پڑ گئے تھے، اس نے براہ راست انہیں ہی مخاطب کیا تو از حد رکھائی اتر آئی تھی لہجے میں۔

''میں شور کر رہی ہوں، یا آپ لوگوں نے ہمارے گھر کو نقار خانہ بنا ڈالا ہے، جس سے تمہارا تعلق واسطہ تھا وہ چلا گیا دنیا سے اب تم سب یہاں مجمع لگائے کیوں بیٹھے ہو۔'' وہ غصے بھلا کر چلائیں، ان کے ہر انداز میں ناگواری و نفرت تو ضرور تھی کہیں بھی شریک حیات کی دائمی جدائی کا معمولی سا بھی دکھ نہیں ملتا تھا۔

''حوصلہ تھا چاچا کا جو آپ جیسی خاتون کے ساتھ زندگی برباد کرتے رہے، محترمہ، آپ کی اطلاع کے لئے عرض کر دیں کہ جس شخص نے یہ عالی شان گھر آپ کو بنوا کر دیا اس سے ہمارا بھی کچھ تعلق واسطہ تھا، شرعی تقسیم اگر کی جائے تو آپ کا محض آٹھواں حصہ نکلے گا جو آپ کو مل جائے گا، اس کے علاوہ اگر آپ سمجھیں کہ یوں سب کو تو ہین کر لیں گی تو ایسا ممکن نہیں ہے اب، سمجھ رہی ہیں میری بات آپ؟'' جواب ایسا منہ توڑ اور بھرپور تھا کہ ان کے ساتھ باقی سب کے بھی چودہ طبق روشن ہو گئے، آیت منہ کھولے معیز کو دیکھنے لگی، بگل اسے تھپڑ جڑ دیا تھا آج اس کی ماں کو آئینہ دکھلا رہا تھا۔

''معیز بیٹے بڑوں سے اس طرح بات نہیں کرتے۔'' تائی جان ہی سب سے پہلے حواسوں میں لوٹیں، اسے سرزنش کی مگر وہ کہاں خاطر میں لایا، زور سے جھٹکا۔

''آپ سب لوگ واپس حویلی چلنے کی تیاری ابھی کریں اور خاتون آپ بھی اپنا بوریا بستر باندھ لیں، بی کوز میں اس گھر کو اب ہر قیمت پہ سیل کر کے رہوں گا۔'' معیز کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

''معیز .....!'' اب کے چچی جان نے اسے سرزنش کی۔

''جنہیں شوہر کے مرنے کا ذرا برابر غم نہیں آپ ان کی دلجوئی کو یہاں بیٹھیں گی اور اپنی ذلت کروالیں گی تو یہ حماقت ہی ہو سکتی ہے۔'' وہ ہنوز قہر ساماں موڈ میں تھا۔

''میں تمہیں صحیح پہچانی تھی، تم کتنے اجڈ اور بدتمیز ہو جاہل ہو تم نے خود ثبوت پیش کر دیا، تف ہے میری اولاد پہ جو اس کی دلوں جیسی بڑیں گردن جھکا کر سن رہی ہے، شرم سے ڈوب مرو وہ تمہاری ماں کو ذلیل کر رہا ہے۔'' مام کے خطا اوسان ذرا سے سنبھلے تو انہوں نے پہلے معیز پہ تپ نکالی پھر اپنی اولاد کو سخت سست سنانے بیٹھ گئیں۔

''آپ جتنی مہذب اور وفا پرست ہیں یہ بھی سب پہ خوب کھل چکا، چچا کو آپ کے رویے نے مار ڈالا کیا یہ غلط ہے؟'' وہ پھنکارا، تائی جان کے ضبط کی انتہا ہو گئی تو اسے بازو سے پکڑ کر کھینچتی ہوئیں وہاں سے لے گئیں۔

''بھی دودھ نہیں بخشوں گی معیز، اب اگر تمہاری زبان سے ایک لفظ بھی نکلا تو.....'' وہ پتا نہیں کس لئے رو رہی تھیں، اس ہونے والی ذلت پہ یا پھر بیٹے کی بہ زبانی پہ، معیز نے ہونٹ بھینچ لئے۔

''بہت برا کیا بیٹے، تم نے تو کوئی بھی لحاظ نہ رکھا، نہ رشتے کا نہ ان کا عمر کا، یہ سوچ کر صبر کر

لیتے کہ تمہیں اس گھر سے اپنی بیوی کو لینے آنا ہے ابھی۔'' انہوں نے آنسو پونچھتے ہوئے تاسف سے کہا، معیز کی آنکھوں میں موجود نمی مزید گہری ہو گئی تھی۔

''میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں، مجھے کوئی شوق نہیں ہے چچا کا کردار نبھانے کا، جیسی ماں ویسی بیٹی، میں بہت جلد اس بندھن کو توڑ ڈالوں گا۔'' اس کے لہجے کے تنفر نے تائی جان کو سکتہ میں مبتلا کر دیا۔

''معیز .....'' وہ ایک دم پیلی پھک ہونے لگیں۔

''سن لو، تم میرا مرا ہوا منہ دیکھو گے اگر اس قسم کی کوئی حرکت کی تو.....'' ان کے انداز میں خوف ہی خوف تھا، وہ ایسے ہونٹ بھینچے دوسری جانب دیکھتا رہا گویا خود اپنے آپ پہ قابو پانے میں سخت ناکام ہو۔

''وعدہ کرو معیز، تم کبھی ایسی کوئی حرکت نہیں کرو گے۔''

انہیں جانے کیسا خوف لاحق ہوا کہ اس کا بازو اپنے کمزور کانپتے ہاتھوں میں لے کر ہلاتے ہوئے گزارش کرنے لگی۔

''میں ایسا کوئی وعدہ نہیں کر سکتا ماں جس کے متعلق مجھے یقین ہو کہ میری زندگی برباد کر دے گا، آپ نے چاچو کا انجام نہیں دیکھا، ان دونوں ماں بیٹی نے مل کر مارا ہے انہیں۔'' اس کی آنکھوں میں نمی کے ساتھ ساتھ خون بھی اترنے لگا، تائی جان لرزسی گئی تھیں۔

''نہیں نہیں، آیت ایسی نہیں ہے۔'' انہوں نے گھبرا کر نفی کی تو معیز کے چہرے پہ زہر خند پھیل گیا تھا۔

''خام خیالی ہے آپ کی۔'' وہ اسی زہر آلود لہجے میں بولا تھا، تائی جان اسے خوف سے دیکھنے لگیں۔

''ابھی تم بدگمان ہو، معیز تم ایسا کوئی فیصلہ نہ کر بیٹھنا بیٹا جو مجھے دکھ دے۔'' وہ پھر رونے لگیں، معیز نے جواباً سرخ آنکھوں سے انہیں دیکھا تھا۔

''بلکہ..... بلکہ مجھے تو لگتا ہے آیت، بیٹے میں نے اس کی نظروں میں تمہارے لئے محبت دیکھی ہے۔'' انہوں نے بیٹے کو رام کرنا چاہا جبکہ معیز کا دل چاہا قہقہہ مار کر ہنسے۔

''اچھا.....واہ۔'' وہ بے تحاشا تلخ ہوا۔

''یعنی حد ہو گئی آپ کی خوش فہمی کی۔'' اس کا تنفر کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔

''آپ لوگ تیاری پکڑیں، میں اب کسی کو بھی یہاں بے عزتی کروانے کو نہیں چھوڑ سکتا۔'' اس نے حتمی فیصلہ سنایا اور اسی وقت محسن کو فون کر کے گاڑی کا انتظام کرنے کی ہدایت دینے کے بعد پھر انہیں دیکھا تھا۔

''ایک گھنٹے تک گاڑی آ جائے گی، آپ لوگ تیار ہوں تب تک۔'' اس کا دوٹوک انداز تائی جان کو بے بس کر کے رکھ گیا۔

''اپنے ابا سے بھی پوچھا ہے؟''

''ان سے نپٹنا میرا کام ہے، آپ لوگ وہ کریں جو کہا ہے۔'' وہ کچھ سننے کے موڈ میں نہیں تھا،

آرڈر کرتا باہر نکل گیا، تائی جان سر پکڑے بیٹھ گئیں۔

☆☆☆

روز اک موت چلی آتی ہے ملنے کے لئے
روز اک قبر بہت ہنستی ہے ہم لوگوں پر
بین سننے کی عجب عادت ہے
لمحے لمحے کو ترستے ہیں کچھ ایسے درد و یار کہ بس
موت کے شہر میں رہنے سے تو بہتر ہے ہوا ہو جائیں
اس سے پہلے کہ کبھی اہل قضا ہو جائیں
خواب دیکھیں تو سیاہی سی اتر آتی ہے بینائی میں
خواہش چھو لیں تو احساس سلگ اٹھتا ہے
بے حسی جاگی ہوئی ہے کب سے
راکھ سے زلفیں سنواری ہیں پکاروں نے یہاں
منتخب ہیں کئی ارواح جنہیں
درد نے بخشی زیارت اکثر
اور جنہیں کرب نے اپنایا ہے
دل شکنجے میں کسا رہتا ہے اور
موت کسے جاتی ہے
روز اک قبر ہنسے جاتی ہے
گونجتا ہے کوئی سناٹا صداؤں میں
تو لگتا ہے اجل بولی ہے
خشک آنکھیں جو رونے کو ترستی ہیں تو حیرت کیسی
بدلیاں روز برستی ہیں تو حیرت کیسی

پھر بہت دن گزر گئے، بہت شب و روز گزر گئے، معیز نے کہا تھا تو اس نے کر کے بھی دکھایا اسی روز وہ اپنے سب رشتہ داروں کو لے کر وہاں سے چلا گیا، پتا نہیں تایا جان نے بھی کوئی مخالفت کیوں نہ کی، ساری بات ان کے علم میں آئی تو انہوں نے معیز کے حق میں فیصلہ دے دیا تھا۔

''آپ سچ کہتی ہیں بھابھی بیگم، ہمارا ہر تعلق اس مرنے والے کے ساتھ اس گھر سے ختم ہوا، معیز نے جو بدتمیزی آپ سے کی اس کے لئے میں آپ سے معافی چاہتا ہوں، ہم ابھی جا رہے ہیں، پوری کوشش ہوگی دوبارہ آپ کو ہماری وجہ سے زحمت نہ ہو، جہاں تلک اس گھر کی بات ہے تو یہ جیسے کل آپ کی ملکیت تھا ہمیشہ رہے گا، معیز کی امانت ہے یہاں.....'' انہوں نے آنکھوں میں آنسو لئے کھڑکی آیت کے سر پہ ہاتھ رکھا، ہو سکے تو ہماری امانت ہمیں جلد سونپ دیجئے گا۔

بات مکمل کر کے وہ اپنی آنکھوں کی نمی پونچھتے بوجھل قدموں سے چلے گئے تھے، اس کے بعد جو مام اس پہ اور اسد پہ گرجی برسی تھیں۔

''تم کیوں ٹسوے بہا رہے ہو؟ اس وقت تمہارا احساس کہاں مر گیا تھا، جب وہ جاہل گنوار لڑکا میری بے عزتی کر رہا تھا، بھول جانا کہ اب میں کبھی ان لوگوں سے تم میں سے کسی کو ملنے دوں گی، میں آج ہی لائر سے بات کر کے خلع کا مقدمہ کرتی ہوں، اس معیز پہ، خود کو سمجھتا کیا ہے۔'' پھر انہوں نے وہی کیا تھا جو وہ چاہتی تھیں، اسد مصلحتاً خاموش تھا یا کوئی اور بات تھی اس کے دل میں، آیت کو معلوم نہیں تھا، پپا کا چہلم بھی نہیں ہوا اور گھر میں مام آئے دن کوئی نہ کوئی پارٹی ارینج کر بیٹھتیں، ماموں کی فیملی اکثر ٹپکی رہتی، حالانکہ ہر پارٹی میں ان کی شمولیت لازم ہوتی تھی پھر بھی اور مام کبھی انہیں کھانا کھلائے بغیر نہ جانے دیتیں، آیت محسوس کر رہی تھی ماموں کا سب سے بڑا بیٹا مکرم کچھ ضرورت سے زیادہ اس میں دلچسپی لے رہا ہے۔

جب بھی آتا اس سے فرینک ہونے کی بوٹدی کوشش کرتا رہتا، آیت جتنا بچتی جتنا ناگواری ظاہر کرتی مام اسے اسی قدر آیت کے سر پہ مسلط کرنے کے بہانے ڈھونڈتی رہتیں، اس وقت بھی وہ مکرم کو جھڑک چکی تھی کہ اگر وہ آؤٹنگ کے لئے نہیں جانا چاہتی تو اسے مجبور کیوں کیے جا رہا ہے تب مام نے کھل کر اس سے اعلان جنگ کر دیا تھا۔

''تم جانتی ہو آیت کہ مجھے معیز تمہارے لئے ہرگز قبول نہیں ہے، تو بہتر ہے کہ تم مکرم کو اپنے لائف پارٹنر کے طور پہ ایکسیپٹ کر لو، بی کوز کورٹ سے خلع ملتے ہی میں فوری تم لوگوں کا نکاح ارینج کر دوں گی، آئی نو کہ عدت کا کوئی چکر نہیں ہوگا۔'' انہوں نے اس سے اس کی رائے نہیں لی تھی اس پہ اپنا فیصلہ مسلط کیا تھا، اس کے چہرے کی ناگواری کو خاطر میں لائے بغیر انہوں نے مزید گوہر افشانی کی تھی۔

''ایک بات یاد رکھنا، اگر تم نے کوئی پس و پیش کی تو نکاح کے ساتھ ہی رخصتی بھی کر دوں گی، رہی بات اسد کی تو اس کے لئے بھی لڑکی ہے میری نظر میں..... اسے بھی سمجھا دینا کہ اس فضول پینڈو لڑکی کو بھول جائے۔'' آیت کچھ نہیں بولی، خاموشی سے اٹھ گئی، حالات مخالف ہوں تو مزاحمت بے معنی ہو جایا کرتی ہے، اس نے پتا نہیں کس سے مایوس ہو کر ہتھیار پھینک دیئے تھے۔

اسد سے جو ایشل سے محبت کا دعوے دار ہو کر اس سارے تماشے پہ خاموش تماشائی بنا رہا تھا یا پھر معیز سے جس کے سامنے کل مکرم اسے یونیورسٹی سے پک کرنے آیا تھا اور اس کے انکار کو خاطر میں لائے بغیر اسے بازو سے پکڑ کر زبردستی اپنی گاڑی میں بٹھا کر لے گیا تھا اور معیز نے کسی قسم کی بھی مداخلت نہیں کی تھی، واپس گھر آ کے وہ کتنا روئی تھی، معیز کی یہ لاتعلقی یہ سرد مہری اسے توڑ کر رکھ گئی تھی، اس کا مطلب تو یہ تھا معیز خود بھی واقعی اس سے دست بردار ہو چکا تھا، اگر ایسا ہی تھا تو وہ یہ جنگ کس بنیاد پہ لڑتی، جس میں اس کی ہار یقینی تھی۔

(جاری ہے)

☆☆☆

تم سے جدا نہیں

ہما راؤ

یہ لاہور کے علاقے ماڈل ٹاؤن میں بنا ایک خوبصورت بنگلہ تھا، جس کی دوسری منزل کے آخری کمرے میں وہ آئینے کے سامنے بیٹھی اپنی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

نہ اس کا انداز نارمل تھا اور نہ ہی اس کی حالت، وہ اپنے ہی عکس کو اس انداز سے دیکھ رہی تھی جیسے اس نے آج اپنا اصلی چہرہ دیکھا ہو، جیسے اس کی اپنی ہی روح اس سے یہ سوال کر رہی ہو کہ وہ کون ہے، ضمیر طعنے دے رہا ہو کہ اگر یہ ہی تمہارا اصلی روپ تھا تو وہ کون تھی؟ جیسے دل پوچھ رہا ہو کہ میں کس کے لئے ڈھڑکتا رہا اب تک؟

ماہا کی حالت غیر ہو رہی تھی وجود کانپ رہا تھا، وہ مسلسل اپنے ہاتھوں کو مسل رہی تھی آنکھیں ان آنسوؤں کی شدت سے سرخ ہو چکی تھی جو ابھی آنکھوں کی حدوں میں ہی مچل رہے تھے۔

بس ایک فیصلہ......! ہاں یہ ہی تو کرنا تھا اسے جس کے بعد اسے کبھی رونا نہ پڑتا یا شاید وہ ہنسنا بھی بھول جاتی ابھی ماہا اس کشمکش میں گم تھی کہ ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا اس کا موبائل بجا اس نے چونک کر فون کی طرف ایسے دیکھا جیسے وہ فون نہیں کوئی ٹائم بم ہے، موبائل اسکرین پہ جو نام چمک رہا تھا اس کے لئے انجان نہیں تھا، موبائل فون کی آواز سے بیڈ پہ سویا ڈیڑھ سال کا علی نیند سے جاگ کے رونے لگا، ماہا نے آئینے میں سے علی کو ایک نظر دیکھا۔

''ماما!'' علی نے روتے ہوئے اسے پکارا، علی کی پکار اور فون کی آواز۔

آج وہ صرف ایک آواز کا جواب دے سکتی تھی اور دوسری آواز کو اسے ایسے نظر انداز کرنا تھا، جیسے وہ کبھی تھی ہی نہیں۔

کشمکش......سنا ہے موت جیسی ہوتی ہے بنا شکار کیے جاتی ہی نہیں۔

مکمل ناول

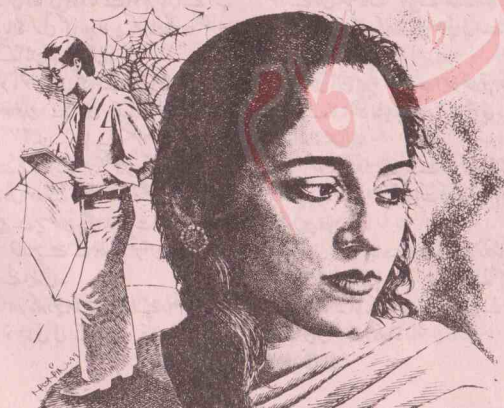

"کیا کرے وہ؟" یہ ہی سوال تھا، جس کا جواب ماہا اپنے عکس کی آنکھوں میں تلاش کر رہی تھی پر کچھ سوالوں کے جواب نہیں ہوتے صرف سوال ہوتے ہیں اور جہاں صرف سوال ہوں وہاں پھر زوال ہی ہوتے ہیں۔

علی پوری شدت سے رونے لگا اور فون بھی ایک بار بند ہو کہ اب دوبارہ سے بجنے لگا تھا، ماہا نے ایک پل کو آنکھیں بند کی آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ گئے، اس نے اچانک آنکھیں کھولی اور گہری سانس لی جیسے وہ فیصلہ کر چکی تھی۔

☆☆☆

پانچ سال پہلے:۔

لاہور کے علاقے گرین ٹاؤن میں بنے ایک مناسب سے گھر کا ایک کمرہ تھا، صبح کے پانچ بجے کا وقت تھا اذان کی آواز چاروں طرف گونج رہی تھی، ماہا نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا رکھے تھے آنکھیں بند کیے بیٹھی اس لڑکی کے چہرے پر ایک پر سکون سی مسکراہٹ تھی، زیر لب بولتے ہوئے کچھ مانگا جا رہا تھا دعا بہت مختصر تھی شاید ایک ہی دعا تھی وہ دعا جسے وہ ہر بار اپنے رب سے مانگا کرتی تھی اور مزید کچھ مانگے بنا شکر ادا کر کے آمین کہہ دیتی تھی۔

تجھ کو مانگوں میں کبھی سے کہ سبھی کچھ مل جائے
سو سوالوں سے یہی ایک سوال اچھا ہے

"آمین۔" ماہا نے مسکرا کر ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرے سبز آنکھیں، گوری رنگت اور ایک دل موہ لینے والی مسکان آنکھوں میں خواب اور چہرے پر سکون یہ تھی ماہا حیات خان۔

نماز پڑھنے کے بعد ماہا قرآن پاک پڑھنے کے لئے بیٹھ گئی۔

اور کچھ دیر بعد تیار ہو کہ اپنے روم سے باہر آئی تو حنابی بی کے ہاتھوں کے بنے آلو کے پراٹھوں کی خوشبو گویا اسے کھینچ کر سیدھا کچن میں ہی لے آئی۔

"السلام علیکم خالہ!" ماہا نے بہر حال اپنی بھوک کو ایک طرف رکھ کر احترام سے معلوم کیا۔

"وعلیکم السلام۔" حنابی بی نے پیار سے کہا اور ایک نظر ماہا کو دیکھا، ماہا سبز رنگ کے شلوار سوٹ میں سلیقے سے دوپٹہ اوڑھے بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

"کیا ہوا؟" ماہا نے قدرے حیران ہو کر سوال کیا۔

"خدا تمہیں بری نظر سے بچائے یہ رنگ تم پہ بہت جچتا ہے۔" حنابی بی نے پیار سے تعریف کی۔

"شکریہ۔" ماہا نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

"چلو ناشتہ تیار ہے، آجاؤ۔"

"جی۔" ماہا نے ناشتے کے لوازمات اٹھائے اور دونوں ڈائننگ ٹیبل پہ آمنے سامنے بیٹھی ناشتہ کرنے لگی۔

"واہ مزہ آ گیا، یہ آج اچانک پراٹھوں کا موڈ کیسے بن گیا خالہ!" ماہا نے کھاتے ہوئے سوال کیا وہ نوٹ نہیں کر رہی تھی حنابی بی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"بس آج میرا موڈ بہت اچھا تھا تو سوچا آج مزے کا ناشتہ بنایا جائے۔" حنابی بی نے نارمل انداز میں کہا۔

"گڈ اور موڈ اچھا ہونے کی کوئی خاص وجہ؟" ماہا کا دھیان اب بھی بات کی طرف کم اور پراٹھوں پر زیادہ تھا۔

"ہاں ایک وجہ ہے اور وہ یہ کہ روشان لندن سے واپس آ رہا ہے۔" حنابی بی نے مسکرا کر کہا ہی تھا کہ ماہا کے ہاتھ رکے اور اس نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔

"کہیں کہ یہ مذاق نہیں ہے۔" ماہا نے ایسے کہا کہ جیسے اگر حنابی بی نے کہہ دیا۔

"ہاں مذاق ہے تو وہ مر جائے گی۔"

"یہ مذاق نہیں ہے۔" حنابی بی نے مسکرا کر اعلان کرنے والے انداز میں کہا ماہا نے دو پل ان کو دیکھا اور اچانک مسکرائی۔

"اے خدا تیرا شکر ہے۔" ماہا نے دل پہ ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔

یہ شکر اس انسان کے واپس آنے کی خبر پر ادا کیا گیا تھا جو ماہا کی محبت تھا جس سے اس نے دس سال کی کچی عمر میں محبت کی اور وہ اس سے دس سال سے دور تھی، اب تو اس کی ہر ایک سانس انتظار بن گئی تھی کہ انتظار ختم ہونے کا اشارہ مل گیا۔

روشان آفندی، ماہا کا خالہ زاد دوست اور اس کی محبت جو چودہ سال کی عمر میں اپنے والد صاحب کی وفات کے بعد اپنے تایا کے پاس لندن چلا گیا اور اب وہاں سے سافٹ ویئر انجینئر کی ڈگری لے کر واپس آ رہا تھا۔

ایک حادثے نے اس خاندان کے تین افراد نگل لئے تھے، ماہا کے ماں باپ اور روشان کے والد صاحب، وہ اس چھوٹی سی فیملی پر کڑا وقت تھا، پر وقت سے بڑا اور کوئی مرہم نہیں ہے، وقت کے ساتھ سب ٹھیک ہو ہی گیا۔

اب روشان ماہا اور حنا بی بی ہی ایک دوسرے کا سہارا تھے، حنابی بی جانتی تھی کہ ماہا کے معصوم دل میں روشان کی محبت کا دیا کئی سالوں سے جل رہا ہے اور ان کی اس محبت پہ کوئی اعتراض نہیں تھا، وہ تو خود یہ ہی چاہتی تھی کہ ان کی ماہا ہی ان کی بہو بنے اور وہ تینوں ہمیشہ ساتھ رہیں۔

روشان کی پڑھائی مکمل ہونے کے بعد اس نے وہاں ہی جاب بھی شروع کر دی تھی، یہ اب وہ واپس آ رہا تھا اور یہ خبر ماہا اور حنابی بی دونوں کے لئے بہت بڑی تھی۔

"صبح ہی میری بات ہوئی اس سے کہہ رہا تھا اس ماہ وہ واپس آ رہا ہے ابھی ڈیٹ فائنل نہیں ہے مگر بہت جلد وہ یہاں ہوگا۔" حنابی بی نے اس انداز سے یہ بات بتائی تھی جیسے مرتے ہوئے کسی شخص کو کہا ہو کہ فکر نہ کرو تم زندہ رہو گے جیو گے، زندگی تم پہ بہت مہربان ہونے والی ہے، ماہا اچانک رونے لگی۔

"پگلی اب کیوں رو رہی ہے؟" حنابی بی نے پیار سے پوچھا۔

"کیونکہ اس کے سامنے رونا نہیں چاہتی اس لئے، سوچا ابھی جی بھر کر رو لوں۔" ماہا نے معصومیت سے روتے ہوئے کہا حنابی بی آگے بڑھی۔

"تو کیا اب بھی دل کی بات نہیں بتانی اسے؟" حنابی بی نے ماہا کو گلے لگا کر پیار سے پوچھا۔

"آپ بتا دیجئے گا نا۔" ماہا نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا! چلو میں بتا دوں گی اسے کہ وہ کتنا خوش قسمت ہے۔" حنابی بی نے ماہا کے معصوم چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر پیار سے کہا ماہا پھر سے رونے لگی۔

"لو بھئی، تمہیں کوئی خوشی کی خبر سناؤ تو تب بھی رو دیتی ہو۔" حنابی بی کا انداز شکایتی سا تھا یہ ماہا جانتی تھی کہ وہ مذاق کر رہی ہیں، ماہا روتے روتے ایک جھٹکے سے ہنسی اور آنسو صاف کرنے لگی۔

"اب نہیں روؤں گی۔" ماہا نے وعدہ دینے والے انداز میں کہا۔

''شاباش، اب میری ماہا کبھی نہیں روئے گی، اس کے انتظار میں تو ہرگز نہیں۔'' متانی بینے یقین سے کہا اور دونوں مطمئن ہو گئیں۔

☆☆☆

ماہا اپنے بچپن کی دوست عالیہ کے ساتھ شاپنگ کرنے ایک شاپنگ مال میں آئی ہوئی تھی ابھی ماہا کو کچھ بھی پسند نہیں آیا تھا۔

''اچانک سے اس شاپنگ پلان کا خیال تمہیں کیسے آ گیا؟'' عالیہ کے لہجے میں تھوڑا سا طنز اور ناراضگی تھی کیونکہ ماہا نے دو دن پہلے ہی اس کے شاپنگ پلان پہ پانی پھیرا تھا، ماہا نے پلٹ کر اسے ایک نظر دیکھا اور مسکرا دی۔

''خیر تو ہے محترمہ آج آپ کی ادائیں معمول کے مطابق نہیں ہیں۔'' عالیہ اس کے روبرو ہو آئی ماہا نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہی ہو میری آنکھیں پڑھ لو اور بے شک عالیہ آنکھیں پڑھ سکتی تھی، وہ ایک دوسرے کو سالوں سے جانتی تھیں۔

''آ..... کہیں روشان..... واپس۔'' ابھی عالیہ کا اندازہ ادھورا ہی تھا کہ ماہا نے اپنے سر کو مسکراتے ہوئے ہاں میں ہلا کر تصدیق کرنے والے انداز میں کہا۔

''ہاں وہ واپس آ رہا ہے۔''

''رئیلی؟'' عالیہ اچانک خوشی سے اچھلی پھر پبلک پلیس کا لحاظ کرتے ہوئے اس نے خود کو کنٹرول کیا۔

''ہاں اس مہینے روشان واپس آ رہا ہے۔''

کچھ خوشیاں ایسی ہوتی ہیں جن کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا کبھی بھی انسان چاہ کر بھی بیان ہی نہیں کر پاتا کہ وہ کتنا خوش ہے ماہا کی حالت بھی ایسی ہی تھی۔

عالیہ کو اور کچھ پوچھنے کی کیا ضرورت تھی اس نے ماہا کو اس انتظار میں ہر روز جلتے ہوئے دیکھا تھا جواب ختم ہونے کو تھا۔

''مجھے تو یقین نہیں آ رہا، ایسا لگ رہا ہے جیسے یہ دس سال کا انتظار طویل نہیں تھا جیسے سب بہت جلدی جلدی ہو رہا ہے۔'' ماہا نے چند الفاظ سے اپنی کیفیت بیان کرنے کی کوشش کی۔

''ہاں جب منزل قریب آ جاتی ہے تو مسافر کے دل سے راستے کی تمام دشواریوں اور مشکلوں کا ملال ختم ہو جاتا ہے۔'' عالیہ نے کہا اب وہ دونوں ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔

''ہاں عالیہ ایسا ہی ہے، اب تو دل کہیں نہ کہیں یہ بھی سوچ رہا ہے کہ اس لمحے کو کیسے جیئے گا جس کے بنا یہ جیا ہی نہیں۔'' ماہا کے چہرے سے ایک پیاری سی مسکراہٹ جدا ہی نہیں ہو رہی تھی وہ بے حد خوش تھی۔

''سمجھ سکتی ہوں، تو اس لئے شاپنگ کا پلان بنایا گیا ہے۔'' عالیہ نے نارمل انداز میں کہا۔

''جی ہاں۔''

''تو چلو، دیر کس بات کی ہے۔'' عالیہ نے کہا اور دونوں مسکرا دیں۔

☆☆☆

رات کا وقت تھا چاند کی چاندنی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی مارچ کا خوبصورت موسم تھا ماہا اپنے کمرے میں سینے پہ شاعری کی وہ کتاب رکھے سو رہی تھی جسے سونے سے پہلے پڑھنے میں مصروف تھی، کہ کوئی اس کی طرف بڑھا اور بیڈ کے کنارے پہ اس کے روبرو بیٹھ کر اسے دیکھنے لگا۔

اس نے آہستہ سے وہ کتاب اٹھانے کی خاطر ماہا کا ہاتھ دھیرے سے اس پر سے اٹھایا اور کتاب اٹھا کر صفحات پر ایک نظر ڈالی پھر اس نے ایک نظر ماہا کو دیکھا اور مسکرا دیا، کتاب ایک طرف رکھ دی اور وہ پل ماہا کو دیکھنے کے بعد اس کی پیشانی پہ بوسہ دیا، ماہا چونک کر جاگی تو دیکھا کہ وہاں کوئی نہیں تھا جو کتاب وہ سینے پر رکھے سو رہی تھی ایک طرف جاگری ماہا نے اپنی پیشانی پہ ہاتھ لگایا، وہ سمجھ گئی کہ یہ خواب تھا جو تعبیر بن کر آیا تھا، ماہا خود پر مسکرا دی اور گردن ترچھی کر کے کھڑکی سے نظر آنے والے چاند کو دیکھا۔

''پتہ نہیں یہ چند دن کیسے گزریں گے، جلدی سے میرے سامنے آ جاؤ روشان میرے سامنے میری دسترس میں۔'' ماہا نے گہری سانس لے کر کہا۔

اس کی اکثر روشان سے بات ہوتی تھی کبھی واٹس ایپ تو کبھی کال پر بھی پروہ بھی اپنے دل کی بات نہیں کرتی تھی بس وہ ہی حال احوال اور دنیا داری کی باتیں بھی موسم کا ذکر تو کبھی کام کا۔

جب تک روشان اس کے سامنے ہی آ جاتا وہ تب تک اپنی محبت کا ذکر تک نہیں کرنا چاہتی تھی اور روشان اس ہی لئے اب تک اس کی محبت سے پوری طرح انجان تھا۔

ایسا بھی ہوا کہ ماہا نے اس سے باتوں باتوں میں دل کی بات کرنے کا ارادہ کیا پر وہ ہمت نہیں کر سکی اور کرتے کرتے یہ دن آ گیا روشان اس کی اس محبت سے مکمل طور پر انجان تھا۔

☆☆☆

ماہا چل کر کھڑکی کے پاس آئی اور آسمان کی طرف دیکھا۔

''پر میں اس سے کیا بات کروں گی اور کیسے؟'' ماہا نے تو ایسے کہا جیسے جلد ہی ہونے والے کسی فائنل پیپر کو لے کر پریشان ہو۔

''اے خدا کہیں میں، میں اپنا ہی لمحہ خراب کر بیٹھوں۔''

''نہیں نہیں ایسا نہیں ہو گا۔'' ماہا نے خود کو تسلی دی اور مصنوعی مسکرائی اور اگلے ہی پل۔

''یہ اگر ایسا ہو گیا تو؟'' ماہا نے ڈر کر خود سے سوال کیا۔

''ہمت..... ہمت کرو ماہا وہ تمہیں کھا نہیں جائے گا بس محبت کا اظہار ہی تو کرنا ہے کون سی بڑی بات ہے۔'' ماہا نے خود کی ہمت بڑھانے والے انداز میں کہا پر اگلے ہی پل۔

''کیا بنے گا میرا؟'' ماہا نے اوپر دیکھ کر کہا۔

رات کا وقت تھا وہ اپنے کمرے میں کھڑکی کے سامنے رکھی گئی آرام دہ کرسی پر بیٹھا تھا، روشان نے اپنی بند مٹھی کھولی اور اس خوبصورت رنگ کو دیکھنے لگا۔

''میں جلد ہی تمہیں اپنے دل کی بات بتا دوں گا، وہ دن ہم دونوں کی زندگی کا خوبصورت ترین دن ہو گا مجھے یقین ہے۔'' روشان نے مسکرا کر کہا اور چاند کو دیکھنے لگا۔

''میں نے سوچ لیا ہے مجھے کیا کرنا ہے اور کچھ غلط نہیں ہو گا، یہ رنگ، میوزک، پھول اور محبت۔'' وہ تو حیران ہی رہ جائے گی، روشان ہنس دیا۔

''کہیں ایسا نہ ہو کہ روشان کو اتنے سالوں بعد دیکھ کر میں حیران ہی رہ جاؤں اور کچھ بول ہی نہ سکوں۔'' ماہا نے تکیہ اپنی گود میں رکھ کر بیٹھتے ہوئے خود سے کہا۔

''مجھے تو بس اس کی زبان سے ہاں سننی ہے اور وہ ہاں ہی کہے گی مجھے یقین ہے، اتنے سالوں سے جانتا ہوں میں اسے میرے جذبے یک طرفہ نہیں ہیں اس نے یہ بات اب تک نہیں کہی تو کیا ہوا پہل کرنا میرا کام ہے وہ پگلی کہاں سے لائے گی اتنی ہمت۔'' روشان خوش تھا۔

☆☆☆

دوپہر کا وقت تھا حتابی بی اور ماہا لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی بلکہ دیکھ کیا حتابی بی تو بس مسلسل چینل بدلتی جارہی تھیں، ماہا بھی بور ہو رہی تھی اس نے گہری سانس لے کر آہ بھری۔

"خالہ میں بور ہو رہی ہوں۔" ماہا نے تھکے سے انداز میں کہا۔

"ہوں میں بھی۔" حتابی بی نے کہا ان کا انداز بھی مختلف نہیں تھا دراصل وہ بور نہیں ہو رہی تھی بلکہ ان دونوں سے ہی روشان کا انتظار نہیں ہو رہا تھا۔

ورنہ کیا مختلف تھا ان کی روٹین میں جو وقت کٹ ہی نہیں رہا تھا، ماہا ایسے چونکی جیسے کچھ سوچ بیٹھی ہو۔

"خالہ وہ ہی کریں۔" ماہا کا انداز غیر معمولی تھا حتابی بی نے ٹی وی کا ریموٹ ایک طرف رکھا اور ماہا کی سمت متوجہ ہوئی۔

"ہاں ضرور۔" حتابی بی نے مسکرا کر کہا اور ماہا نے بات شروع کی۔

آخری بار ہم نے پلانگ کہاں چھوڑی تھی؟ ماہا نے سوچتے ہوئے کہا اور اچانک بولی۔

"ہاں میری بارات کا لہنگا۔" ماہا نے کہا حتا بی بی اور ماہا شادی کی پلاننگ کرنے لگی جو وہ پہلے ہزار بار کر چکی تھی۔

ان کی جلد بازی کا تو یہ عالم تھا کہ ان دونوں نے پلانگ کرتے کرتے شاپنگ بھی کر رکھی تھی ویسے کا لہنگا، زیور دیگر لوازمات بری کا سامان سب تیار تھا۔

خواب، خوشی اور انتظار سا بنجا جو تھا دونوں کا، یہ وقت انہوں نے ایسے کام اور اہتمام کر کے ہی گزارہ تھا اور وہ کبھی اس پلانگ سے بور نہیں ہوتی تھی۔

"بارات کا لہنگا بلیک ہوگا۔" ماہا نے مشورہ دینے والے انداز میں کہا ہی تھا کہ۔

"کیا..... بلیک..... ارے کوئی بلیک لہنگا بھی بنواتا ہے کیا وہ بھی شادی کیلئے؟" حتابی بی نے حیران ہو کر پوچھا۔

"آپ ہر بار یہ ہی کہتی ہیں خالہ، روشان کا پسندیدہ رنگ ہے یہ۔" ماہا کا انداز ضد کرنے والا تھا۔

معلوم ہوتا تھا جیسے یہ بات جیت آج پہلی بار ہو رہی تھی جبکہ شاید یہ ایک سو اکیسویں بار کی جا رہی تھی۔

"تو ویسے کے لہنگے میں بلیک باڈر لگوا تو دیا ہے بس کافی نہیں ہے کیا؟" حتابی بی نے ماہا کی اس ضد کا ذکر کیا جو وہ پوری کر چکی تھی۔

"اچھا گرے۔" ماہا نے ترمیم سے کام لیا۔

"ہاں گرے کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے اگر ساتھ کوئی اور شوخ رنگ ہو تو یہ بلیک..... اس کا پسندیدہ رنگ ہے تو فرض ہو گیا تم پر؟ جبکہ تمہیں خود کو پنک رنگ پسند ہے۔" حتابی بی نے کہا۔

"نہیں مجھے تو بلیک ہی پسند ہے۔" ماہا نے یقین سے کہا۔

"اف، انتہا کی شوہر پرست ہو گی تم۔" حتا بی بی نے مستقبل کی پیشن گوئی کرتے ہوئے یقین سے کہا۔

"کیوں نہ بنوں، وہ میری محبت بھی تو ہے۔" ماہا نے کہا۔

"ہاں بے شک۔"

"خالہ میں کچھ کچھ بے شرم نہیں ہو گئی۔" ماہا نے شرمندہ ہونے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں اپنی ہونے والی ساس کے سامنے اپنی محبت کا اظہار کر رہی ہو شادی کی پلاننگ کر رہی ہو اور تو اور کلر سلیکشن یہ ضد بھی کر رہی ہو حد

ہے۔" حتابی بی نے سنجیدہ ہونے کی کوشش کی تھی کہ ماہا اپنی بے قابو ہوتی ہنسی کے آگے بے بس ہو کر ہنسنے لگی حتابی بی بھی ہنس دی۔

"قسم سے خالہ آپ غصہ کرتی عجیب لگتی ہیں۔" ماہا نے کہا۔

"جانتی ہوں اور خدا نہ ہی کروائے مجھ سے غصہ وہ بھی میری ماہا پہ ہرگز نہیں اور نہ میں تمہاری ساس ہوں نہ خالہ میں تو ماں ہوں میری ماہا کی۔" حتابی بی نے دل سے کہا اور ماہا ان کے گلے لگی۔

"اچھا سیٹ میں تو بلیک موتی ڈلوا دیں ناں۔" ماہا نے مکھن لگانے والے انداز میں کہا۔

"اف اس لڑکی کی سوئی تو بلیک رنگ پر ہی آ کر رک گئی ہے۔" حتابی بی نے اپنا سر پکڑ کر کہا۔

"پلیز۔" ماہا نے معصومیت سے لفظ کھینچ کر کہا۔

"او کے ٹھیک ہے بنوا دو گی اور کچھ؟" حتابی بی نے ہار مانتے ہوئے کہا۔

"یس۔" ماہا نے خوشی سے کہا۔

"اور ہاں روشان کی شیروانی بھی بلیک۔"

"ٹھیک ہے۔"

"اور خالہ مجھے نا وہ بڑی والی ماتھا پٹی پہننی ہے وہ جو گول جھومر کے ساتھ ہوتی ہے۔"

"کون سی؟"

"وہ ہی جو کل اس ڈرامے میں دیکھی تھی۔"

"اوہ اچھا، چلو ٹھیک ہے۔"

دونوں اسی طرح اپنی پلانگ میں مصروف رہی ان کی ہر بات سے یہ ہی بات نکلتی تھی جیسے بس ایک یہ ان کا خواب، خواہش اور ارمان تھا۔

آخر وہ دن بھی آ گیا جس کا ان دونوں کو بے صبری سے انتظار تھا، روشان نے شام تک آ جانا تھا اس نے کہا تھا کہ وہ خود ہی گھر آ جائے گا اس کے ساتھ کچھ دوست ہیں جو اسے ڈراپ کر دیں گے، ماہا اس وقت اپنے کمرے میں آئینے کے سامنے کھڑی تیار ہو رہی تھی، وہ بہت خوش تھی یہ ساری خوشی محبت کے دیدار کی تھی پر خوشی کے ساتھ تھوڑا ڈر بھی تھا وہ خاصی نروس تھی، اسے ابھی سے ہی اپنے دل کی دھڑکنوں کی آواز اپنے کانوں میں سنائی دے رہی تھی، ماہا نے اپنے دل پر ہاتھ رکھا۔

"اف۔"

اے حسرت دیدار یہ کیا راز ہے
وہ سامنے آتے ہیں تو دیکھا نہیں جاتا

ماہا نے دوپٹہ پن اپ کرتے ہوئے ایک بار خود کو سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا بلیک رنگ کے نفیس سے فراک میں وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

محبت انسان کو خوبصورت بنا دیتی ہے اسے رحم دل اور ایک اچھا انسان بنا دیتی ہے دل نرم ہو جاتے ہیں سچی محبت کے اثرات تو ایسے ہی ہوتے ہیں۔

ماہا کی آنکھیں تو اب بھی خوشی کے آنسوؤں سے بھر جانے کو تیار تھی پر وہ اب رونا نہیں چاہتی تھی۔

پہلے ہی وہ بہت آنسو بہا چکی تھی ہجر نے طعنے دیے تھے تو فرقت نے اس کا مذاق اڑایا تھا، جدائی اس پہ ہنسی تھی اور داغ نے کہا تھا وہ نا سمجھی کر رہی ہے۔

روح بھی تھک جاتی تھی اور ضمیر بھی کہا کرتا تھا کہ کہیں سب بگڑ نہ جائے اور عقل وہ تو بس یہ سب دیکھتی اور ہنستی ہی رہتی۔

پر ماہا نے ان سب کی آوازوں کو نظر انداز کیا تھا تحادل کے کہنے پر صرف محبت کی آواز سنی تھی اس محبت کی جو مدھم آواز میں اسے یہ کہہ کر تسلی دیا کرتی تھی کہ ایک دن سب ٹھیک ہو جائے گا، میں

جیت جاؤں گی، فکر نہ کر تجھے گرنے نہیں دوں گی ہارنے نہیں دوں گی اور ماہا نے محبت کی بات مان لی تھی۔

ماہا تیار ہو کر نیچے آئی جہاں حنابی بی روشان کے انتظار میں ادھر سے ادھر چکر لگاتے ہوئے خاصی بے چین لگ رہی تھی جیسے ہی ان کی نظر ماہا پر پڑی وہ رک گئی۔

''ماشاء اللہ تم کتنی خوبصورت لگ رہی ہو ماہا، خدا کرے تم ہمیشہ ایسے ہی مسکراتی رہو زندگی کی ہر خوشی دیکھو آمین ثم آمین۔'' حنابی بی نے دل سے دعائیں دی اور ماہا کی بلائیں لیں۔

''ابھی کال آئی ہے اس کی راستے میں ہے۔'' حنابی بی نے خبر سنائی اور ماہا کے دل نے کروٹ لی۔

(''او...... کیسے سنبھالوں گی میں اس کو اس کے سامنے جس کے لئے یہ دن رات بے چین رہا ہے، کیسے یہ آنکھیں بل آخر دیدار کی روشنی کو دیکھ سکیں گی، اف یہ دن بہت رلا کہ آیا ہے روشان، دس سال میں نے تمہارا انتظار کیا ہے، میں نے روز اس محبت کو بڑھتے ہوئے محسوس کیا ہے، خود کو دلاسے دیئے ہیں، بڑی سعادت مندی سے روز زہر پیا ہے جیسے خوشی خوشی جان دے دینے کے حکم مانیں ہیں۔'') ماہا نے دل ہی دل میں خود سے کہا اور اتنے میں ہارن کی آواز سنائی دی۔

حنابی بی اور ماہا نے ایک ساتھ دروازے کی طرف دیکھا حنابی بی بے اختیار آگے بڑھی اور دونوں دروازے کھول دیئے روشان ان کے سامنے کھڑا تھا۔

''روشان آفندی۔''

کسی بہادر شہزادے جیسا جو ہزاروں مظلوموں کی مدد کر کے لوٹ آیا ہو، حنابی بی نے بڑھ کر روشان کو گلے لگا لیا اور رونے لگی، روشان بھی اپنے جذبات پہ قابو نہیں رکھ سکا۔

''امی، میں آ گیا ہوں نا اب نہیں رونا ہے آپ نے۔'' روشان نے ماہا کی طرف دیکھا جو روتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔

''وہاں کھڑی روتی رہو گی؟'' روشان نے مسکرا کر پوچھا، ماہا ہلکا سا ہنسی۔

''مانی!'' روشان نے اسے اس کے بچپن کے نام سے پکارا۔

''روشان!'' ماہا کی روح نے اسے پکارا تھا، وہ آگے بڑھی۔

''کیسی ہو؟'' روشان نے ماہا کے کاندھے پہ ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

''ٹھیک ہوں (اب ہی تو ٹھیک ہوں)۔'' ماہا نے کچھ کہا اور کچھ بس سوچ کر ہی رہ گئی۔

''تم کیسے ہو؟''

''تمہارے سامنے ہوں، دیکھو کیسا لگ رہا ہوں؟'' روشان نے نارمل انداز میں مسکرا کر پوچھا۔

(تم مجھے میری راحت لگ رہے ہو، روشان میرے ہر خوبصورت خواب کی تعبیر، خوشیوں کی آواز زندگی کا احساس...... تم مجھے میرے زخموں کا مرہم لگ رہے ہو۔)

ماہا جو کہنا چاہتی تھی وہ سوچ رہی تھی اور اس کے آنسو رک ہی نہیں رہے تھے۔

''آپ دونوں ایک کام کریں جی بھر کر رو لیں میں تب تک فریش ہو کر آتا ہوں۔'' روشان اتنا کہہ کر آگے چل دیا اور وہ دونوں ہنس دی۔

''بہت یاد کیا مجھے؟'' روشان نے پیار سے پوچھا، حنابی بی اور ماہا نے معصومیت سے اثبات میں سر ہلایا۔

''میں نے بھی۔'' روشان نے سنجیدہ ہو کر کہا اور سب ہال میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

سب نے مل کر کھانا کھایا اور اب روشان اپنے کمرے میں حنابی بی کی گود میں سر رکھے لیٹا تھا اور ماہا بیگ میں سے سامان نکال رہی تھی، بیڈ، سائیڈ ٹیبل اب تو سامان رکھنے کی جگہ بھی نظر نہیں آ رہی تھی، ماہا کی نظر ایک بے حد خوبصورت ڈریس پہ پڑی جو کہ کالے رنگ کا تھا مغربی اور مشرقی تہذیب کے ملاپ سے وہ گاؤن جیسا فراک بے حد دلفریب تھا، ماہا نے اسے دیکھ کر حیران ہی رہ گئی۔

''واہ...... یہ کیس کے لئے ہے؟'' حنابی بی جواب جانتی تھی، پھر بھی انجان بن کر بولی۔

''یہ میری مانی کے لئے ہے۔'' روشان کے حق اور پیار سے کہا۔

ماہا کی امید جو چاہ رہی تھی وہ ہی ہوا اس لئے وہ بہت خوش ہوئی۔

''بہت خوبصورت ہے۔'' حنابی بی نے کہا جبکہ ماہا تو اب تک ''میری مانی'' سننے کی خوشی کے سحر میں تھی۔

''پسند آیا تمہیں؟'' روشان نے پوچھ ہی لیا۔

''بہت زیادہ۔'' ماہا نے دل سے کہا۔

''چلو شکر ہے محترمہ کو ان کا مین تحفہ پسند تو آ گیا۔'' روشان نے مسکرا کر کہا۔

''پر اتنے سارے تحفے لانے کی کیا ضرورت تھی۔'' ماہا نے نارمل انداز میں کہا۔

''مجھے جو کچھ آپ دونوں کے لئے پسند آتا گیا میں خریدتا رہا اب کیا وہاں سے خالی ہاتھ چلا آتا۔'' روشان نے کہا ماہا مسکرائی اور سامان سمیٹنے لگی روشان حنابی بی سے باتوں میں مصروف تھا، ماہا وہاں سے جانے لگی کہ روشان نے ماہا کا ہاتھ پکڑ کر اسے روکا وہ چونک کر پلٹی۔

''آپ کہاں چل دیں؟''

''وہ میں کام۔'' ماہا گھبرا سی گئی۔

''چھوڑو سب کام اور یہاں بیٹھو۔'' روشان نے ماہا کو سامنے بیٹھا دیا، حنابی بی نے دونوں کو دیکھا اور دل ہی دل میں شکر ادا کیا کہ وقت نے دونوں کی دوستی کو مدھم نہیں کیا، کچھ بھی نہیں بدلا روشان کی تمام تر توجہ کا مرکز آج بھی ماہا ہی ہے، حنابی بی مطمئن تھی۔

☆☆☆

روشان اور ماہا شام کو کالونی کے پارک میں آئے ہوئے تھے جہاں وہ بچپن میں ایک ساتھ کھیلا کرتے تھے۔

ماہا جھولے پہ بیٹھی جھولتی ہوئی نہیں بلکہ ہوا میں اڑتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی آسمان پہ بادل چھائے ہوئے تھے اور ماہا کے کھلے بال بھی بادلوں کی طرح ہی خوبصورت لگ رہے تھے۔

روشان جھولے کے قریب ہی کھڑا اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا، ماہا نے جھولا روکا۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟'' ماہا نے نارمل انداز میں پوچھا۔

''اتنے سالوں میں کچھ بھی نہیں بدلا۔'' روشان نے آس پاس دیکھ کر یقین سے کہا تھا۔

''کیوں نہیں بدلا، یہ کالونی، پارک، جھولے سب تو بدل گیا ہے۔''

''میں اس سب کے علاوہ تمہاری بات بھی کر رہا ہوں تم بالکل نہیں بدلی بس تھوڑی سی لمبی ہو گئی ہو۔'' روشان نے مسکرا کر کہا اب دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

''اچھا، میں زرا بھی نہیں بدلی؟'' ماہا نے پوچھا۔

''نہیں، وہ ہی مسکراہٹ، بے فکری اور چھوٹی چھوٹی خوشیاں ہیں تمہاری۔'' روشان نے کہا۔

"آف، ٹھیک ہی کہا ہے کسی نے۔"
ان کے دیکھنے سے جو آ جاتی ہے منہ پہ رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

ماہا نے خود سے کہا، روشان نے اس کی اداسی، انتظار اور آنسو دیکھے ہی کہاں تھے۔

"کہاں کھو گئی ہو؟" روشان نے اسے متوجہ کرنے کے لئے کہنی مار کر پوچھا۔

"کہیں نہیں بس یہ ہی سوچ رہی تھی کہ بدل کر کرنا بھی کیا ہے، یہ ہی کافی نہیں ہے کہ آپ بدل گئے ہیں جناب۔" ماہا نارمل ہوئی۔

"وقت اور حالات کے ساتھ بدلنا تو پڑتا ہے۔" روشان سنجیدہ ہوا۔

"میں نہیں مانتی ہمیں اپنے اندر کے بچے کو بھی نہیں مارنا چاہیے وہ ہی تو ہمیں کھل کر ہنسنا سکھاتا ہے، ہمیں زندہ رکھتا ہے، سمجھ داریاں ہنسنے کی وجہ چھین لیتی ہیں روشان صاحب! اور میں تو ہمیشہ ایسی ہی رہوں گی۔" ماہا نے آخری بات مسکرا کر کہی۔

"اچھی بات ہے۔" روشان نے کہا ماہا نے روشان کا ہاتھ پکڑا اور ایک جھولے کے اوپر خود کو بیلنس کرتے ہوئے جھولنے لگی جو سامنے آ گیا تھا۔

"ارے سنبھل کر۔" روشان کو فکر ہوئی کہ کہیں ماہا گر نہ جائے۔

"کچھ نہیں ہوتا یہ تو میں روز کرتی ہوں۔"
(تمہیں یاد کرتی ہوئی یہاں چلی آتی تھی)
ماہا کو جو باتیں اب روشان سے کہہ دینی چاہیے تھی وہ اب بھی خود سے ہی کر رہی تھی۔

"بالکل پہلے جیسی ہو تم۔" روشان نے آخری نتیجہ نکالتے ہوئے کہا۔

"جس دن میں بدل گئی ناتم سے بہت پچھتاؤ گے۔"

"پھر تو کبھی مت بدلنا۔"

"ٹھیک ہے وعدہ۔" دونوں مسکرا دیئے۔

"اور ہاں اب واپس نہ جانا جاب یہاں ہی کرلو۔" ماہا نے پہلے التجا کی پھر مشورہ دیا۔

"فکر نہیں کرو یہاں ہی ہوں میں۔" روشان نے تسلی دینے والے انداز میں کہا۔

"شکر ہے۔" ماہا نے سکھ کا سانس لیا۔

"لگتا ہے تم نے مجھے بہت مس کیا۔" روشان نے اندازہ لگانے والے انداز میں کہا۔

"ہاں نا، کیوں تم نے مجھے مس نہیں کیا؟" ماہا سنجیدہ ہوئی۔

"ایسا ہو سکتا ہے کیا، اور تم بھول جانے والی چیز تھوڑی ہو۔" روشان نے یقین سے کہا تھا۔

"سو تو ہے۔" ماہا نے خوشی سے کہا۔

(آئی لو یو، روشان اور یہ لمحے تمہارے ساتھ جینے کے لئے تو ترس گئی تھی میں، پر اب میں بہت خوش ہوں) ماہا نے خود سے کہا اور دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔

☆☆☆

سنڈے کا دن تھا روشان اپنے دوستوں سے ملنے گیا تھا، ماہا اور حنابی بی مل کر کھانا بنا رہی تھیں۔

"خالہ قسم سے میرا تو بازو جواب دے گیا ہے۔" ماہا نے تھکے سے انداز میں کہا۔

"اوہو، لاؤ اب میں ہلا دیتی ہوں روشان کو بھی سارے مشکل پکوان پسند ہیں، یہ حلوہ بنانا آسان کام نہیں ہے۔" حنابی بی نے کہا۔

"نہیں خالہ یہ میں ہی بناؤں گی۔" ماہا نے اپنی ہمت جمع کرتے ہوئے کہا تھا۔

"او..... یعنی پریکٹس کی جا رہی ہے، ہاں بھئی اب ساری عمر تم نے ہی اسے یہ بنا کر کھلانا ہے۔" حنابی بی نے خوشی سے کہا۔

"بالکل۔" ماہا بھی خوش تھی۔

"میں جلد ہی روشان سے بات کروں گی، تم دونوں کی شادی ہو جائے تو پھر چاہے لندن رہو چاہے تو یہاں میں تو اپنے بھائی کے پاس حیدر آباد چلی جاؤں گی، جب سے بھابی اس جہاں سے گئیں ہیں وہ بہت اکیلے ہو گئے ہیں۔" حنابی بی نے اپنے خیال کا اظہار کیا۔

"ایسے کیسے، آپ بھی یہاں ہی رہیں گی اور ماموں بھی، ہم سب ہی تو ہیں اس فیملی میں، چار لوگ اور وہ بھی الگ الگ رہیں، نا بھئی نا۔" ماہا نے معصومیت سے کہا۔

"جو میری ماہا کی مرضی۔" حنابی بی نے پیار سے کہا اور سوچ لیا کہ وہ آج کل میں ہی روشان سے بات کر لیں گی آخر لڑکی والی بھی وہ ہی تھی۔

ماہا نے بی کام کیا تھا اور اس کا مزید پڑھنے کا ارادہ نہیں تھا، روشان بھی عملی زندگی میں سیٹل ہو چکا تھا، اب وقت مناسب تھا۔

شام پانچ بجے کا وقت تھا ماہا باہر لان میں لگے پودوں کو پانی دے رہی تھی، جب وہ اپنا کام ختم کر کے گھر کے مرکزی دروازے کی طرف بڑھی تو کچھ آوازوں کو سن کر اس کے قدم باہر ہی رک گئے۔

"امی میں اس سے بہت محبت کرتا ہوں۔" یہ روشان کی آواز تھی، اپنی بات کا یقین دلانے کی خاطر وہ اپنے الفاظ پہ زور دے کر بولا تھا، ماہا کا دل تو اچانک اچھل کر مانو حلق میں ہی آ گیا، وہ خود کو بمشکل سنبھال کر مزید سننے لگی۔

"میں اس کے بنا جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا وہ ہی ہے جسے خدا نے میرے لئے بنایا ہے۔"

"روشان پریشان لگ رہا تھا، پر کیوں؟"

"میں اس سے ہی شادی کروں گا۔"

(بات تو مجھ سے ہی ہو رہی ہے پر روشان پریشان کیوں لگ رہا ہے، کہیں خالہ روشان سے اس کے دل کی بات اگلوانے کے لئے مذاق تو نہیں کر رہی ہیں، آئیڈیا تو اچھا ہے پر خالہ میرے روشان کو اتنا بھی تنگ نہ کریں)۔

ماہا اپنے سوال کا جواب خود ہی دے کر مسکرا دی وہ صرف آوازیں سن کر اندازے لگا رہی تھی منظر سے بے خبر تھی، اب جانے اس بے خبری نے کیسے ختم ہونا تھا۔

"میں صنم کے بنا نہیں رہ سکتا اس کے علاوہ کسی اور کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔" روشان کی اگلی بات سن کر ماہا کے ہاتھ سے خوش فہمی کا وہ خوبصورت آئینہ گر کر چی چی کر چی ہو گیا جس میں اب تک تو اسے اپنا عکس بے حد خوبصورت نظر آ رہا تھا مگر اب قسمت اور حالات کے تپش سے اس کا چہرہ جھلس گیا تھا۔

اب وہ سمجھی کہ کب سے روشان تو بول رہا تھا یہ حنابی بی جو ہاتھ خاموش کیوں تھی، وہ جسے مذاق سمجھی تھی وہ مذاق ہی تھا پر فرق صرف اتنا تھا کہ یہ مذاق حنابی بی روشان کے ساتھ نہیں بلکہ قسمت ماہا کی محبت کے ساتھ کر رہی تھی، ایک بے رحم مذاق، ماہا ایک جھٹکے سے اندر داخل ہوئی اور ان دونوں کو حیرانگی سے دیکھنے لگی، حنابی بی کی خاموشی اور ان کے چہرے پہ پھیلی وہ بے بسی ماہا کو سب سمجھا گئی، حنابی بی نے نظریں جھکا لی۔

وہ خاموشی جو جواب ماہا کا نصیب بننے کو تھی اسے روشان نے توڑا۔

"ماہا؟ اچھا ہوا تم آ گئی تم تو میری سب سے اچھی دوست ہو نا اب تم ہی سمجھاؤ امی کو کہ مان جائیں اور میری شادی صنم سے کروانے کی حامی بھر دیں۔" روشان نے نارمل انداز میں کہا جبکہ ماہا کو یہ سنائی دیا کہ یہ لو ماچس ماہا اور اپنی محبت کو

آگ لگادو۔

تیری جستجو کے حصار سے
تیرے خواب تیرے خیال سے
میں وہ شخص ہوں کو کھڑا رہا
تیری چاہتوں سے ذرا پرے

کبھی دل کی بات کہی نہ تھی
جو کہی تو وہ بھی دبی دبی
میرے لفظ پورے تو تھے مگر
تیری ساعتوں سے ذرا پرے

تو چلا گیا میرے ہم سفر
ذرا دیکھ مڑ کے تو اک نظر
میری کشتیاں ہیں جلی ہوئیں
تیرے ساحلوں سے ذرا پرے

''ضم.....؟'' ماہا نے بس یہ ایک ہی لفظ دہرانے والے انداز میں پوچھا کیونکہ ساری بات اس ایک لفظ اس ایک نام کی ہی تھی۔

''ہاں وہ میری کولیگ ہے ہم ایک ہی آفس میں جاب کرتے ہیں لندن میں، میں اس سے محبت کرتا ہوں اور میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

روشان کو خبر ہی نہیں تھی کہ وہ کسی کی موت کا اعلان کر رہا تھا، ماہا نے حتابی بی کی طرف دیکھا جیسے دل ہی دل میں التجا کر رہی ہو کہ خالہ مجھے بچا لیں، میری محبت کو بچا لیں، حتابی بی خاموش تھی آخر وہ کہتی بھی تو کیا، ماہا کا سر چکرانے لگا۔

''امی مجھے آپ کا انکار سمجھ نہیں آ رہا ہے، آخر کوئی وجہ بھی تو ہو گی۔'' روشان حتابی بی کی طرف متوجہ تھا ماہا کے کان بند ہو گئے آنکھوں کے سامنے بھی اندھیرا چھانے لگا کچھ ہی لمحوں میں وہ زمین پر آ رہی تھی۔

''ماہا؟'' روشان اس کی سمت بڑھا، ماہا کو آخری آواز روشان کی ہی سنائی دی۔

وہ لوگ ماہا کی طرف بڑھے، حتابی بی نے ماہا کا سر اپنی گود میں رکھا۔

''ماہا..... ماہا..... روشان یہ تو برف جیسی ٹھنڈی ہو رہی ہے، اے خدا کیا ہو گیا میری بچی کو۔'' حتابی بی نے رو کر کہا۔

روشان نے ماہا کو اٹھایا اور گاڑی کی طرف بھاگا پھر دونوں ماں بیٹا اسے ہسپٹل لے گئے۔

ماہا نے بچپن سے جس محبت کے خواب سجائے تھے اس کی ناکامی پہ اس کی ایسی حالت ہونا کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی، ماہا کی حالت ٹھیک نہیں تھی ڈاکٹرز بھی ابھی کچھ بتا نہیں رہے تھے، حتابی بی ہسپتال کی لابی میں پتھر بنے بیٹھی کسی لفظ کو دہراتے ہوئے پرانی یادوں میں کھو گئی۔

(پگلی، تم اتنی محبت کرتی ہو اس سے۔'' حتا بی بی نے تیرہ سال کی ماہا کے بال بناتے ہوئے سوال کیا جب حتابی بی کے سوال پہ ماہا نے جواب دیا کہ روشان اس کا سب سے پیارا دوست ہے وہ اس سے بہت محبت کرتی ہے۔

''جی ہاں۔'' ماہا نے مسکرا کر کہا۔

''اور اگر روشان تم سے روٹھ گیا یا تمہیں چھوڑ کر کسی اور کو اپنا دوست بنا لیا تو کیا کرو گی تم؟'' دو پل کے وقفے کے بعد سیدھا سا جواب آیا تھا۔

''میں مر جاؤں گی خالہ۔'' حتابی بی اپنے خیالوں سے چونکی اور رونے لگی، روشان وہاں آیا وہ بھی بہت پریشان تھا۔

''امی یہ سب کیا ہے، کیا ہوا ہے اسے اچانک جو اس کی یہ حالت ہوئی ہے، ڈاکٹر کہہ رہے ہیں نروس بریک ڈاؤن ہے، یہ ایسے اچانک کیسے۔'' روشان ڈاکٹر سے مل کر آ رہا تھا اور بہت حیران تھا، وہ ان حالات کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

''اچانک..... یہ سب اچانک نہیں ہوا ہے روشان۔'' حتابی بی کہیں کھو کر کسی روبوٹ کی طرح بولی تھیں۔

''کیا مطلب؟'' روشان الجھا ہوا تھا۔

''وہ دس سال کی ماہا، جسے تم دس سال پہلے چھوڑ کر گئے تھے، وہ تب سے تمہیں دیوانوں کی طرح چاہتی ہے۔'' حتابی بی نے کہہ دی وہ بات جو بات کب کی بگڑ چکی تھی اور اب اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

''کیا؟'' روشان حیران رہ گیا۔

''ہاں، وہ اب تک صرف تمہاری محبت کے سہارے جیتی رہی ہے اس نے اگر کچھ سوچا تو وہ تھے تم کچھ چاہا تو وہ تھے تم، اس کے ماں باپ قسمت اس سے جیتن چکی ہے روشان، اس کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہے سوائے تمہارے، تمہاری محبت ہی اس کی آس تھی وہ جو روز خود کو صرف یہ تسلی دیتی رہی کہ تم آؤ گے تو اس کی زندگی میں سب ٹھیک ہو جائے گا، جب آج اس کی امید ٹوٹی تو وہ بھی ٹوٹ گئی، جانے اب کیا ہو گا۔'' حتا بی بی اب تک کی داستان سنا کے مشتعل سے خوف زدہ ہو گئیں کیونکہ اب ماہا کی زندگی کی کہانی میں کوئی خوش گوار موڑ آتا ان کو تو دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

''کیا مطلب؟ ماہا یہ سب کیسے سوچ سکتی ہے۔'' روشان نے الجھے سے انداز میں سوال کیا۔

''کیوں؟ کیا وہ کسی سے محبت نہیں کر سکتی اور محبت تو ایسی ہی ہوتی ہے، اسے یہ محبت کرنے کا حق بھی تھا، تم دونوں ہی تو ہو ہمارے خاندان میں، میں بھی یہ ہی چاہتی تھی کہ تم دونوں کی شادی ہو جائے روز اس پگلی کے ساتھ مل کر پلان بنایا کرتی تھی کہ یہ ہو گا، وہ ہو گا، مہندی ایسے لگے گی بارات ایسے آئے گی، یہ کریں گے وہ.....'' حتابی بی کی آواز آنسوؤں کی لغزش سے کانپ گئی۔

''اس غریب کی صرف محبت ناکام نہیں ہوئی ہے بلکہ وہ خواب بھی ٹوٹ گئے ہیں جن کی تعبیر پر اسے پورا یقین تھا جن کو کوئی توڑ نہیں سکتا تھا، پر تم نے ہی وہ سارے خواب توڑ ڈالے۔'' حتابی بی نے اتنا کہا اور رونے لگی۔

''امی سنبھالیں خود کو۔'' روشان نے دکھی ہو کر کہا۔

''میں تو خود کو سنبھال لوں گی پر اسے کون سنبھالے گا، روشان اب بھی وقت ہے بچا لو اس کو اگر اسے کچھ ہو گیا تو میں روز محشر شاہین کو کیا منہ دکھاؤں گی، وہ معصوم ہے، اس کا کوئی قصور نہیں ہے اس نے تو صرف محبت کی ہے خواب دیکھے ہیں، تمہاری دلہن بننے کا خواب اگر اسے کچھ ہو گیا تو خدا کی قسم میں بھی جی نہیں سکوں گی۔'' حتابی بی روشان کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، روشان بے حد پریشان تھا۔

وہ کبھی ماہا کو اس طرح دکھی نہیں دیکھ سکتا تھا اس نے ہمیشہ صرف ماہا کی خوشی چاہی تھی، پر وہ اس بات سے انجان تھا کہ وہ خود ہی ماہا کی خوشی بن کر بل آخر اس کا دکھ بن جائے گا۔

ماہا کی محبت بہت طاقت ور تھی اتنی کے دوری میں بھی خاموشی سے پروان چڑھتی رہی۔

پر اب یہ صدمہ اس کی محبت پہ قیامت بن کر ٹوٹا اور اس کے دل نے جینے کی خواہش چھوڑ دی۔

☆☆☆

ماہا کو چوبیس گھنٹے بعد ہوش آیا ابھی کسی کو اس سے ملنے کی اجازت نہیں تھی۔

روشان لابی میں کھڑا تھا جب یادیں اسے وقت میں کچھ پیچھے لے گئیں۔

(("کیا بات ہے یہاں تو وقت چار گھنٹے پیچھے ہے تم اتنی دیر تک جاگتی رہتی ہو۔")) روشان اور ماہا فون پہ بات کر رہے تھے۔

"بس ایسے ہی نیند نہیں آتی ہے۔" ماہا نے لاپرواہ انداز میں کہا۔

"کیوں نیند کیوں نہیں آتی، دل تو نہیں لگا لیا کسی سے؟" روشان مذاق کر رہا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے؟" ماہا کا لہجہ معنی خیز تھا۔

"مجھے لگتا ہے ایسا کچھ نہیں ہے تم جیسے لوگ کسی سے محبت نہیں کر سکتے۔" روشان نے یقین سے کہا۔

"مجھ جیسے لوگ، سے کیا مطلب ہے؟" ماہا سنجیدہ ہوئی۔

"مطلب جیسی تم ہو، اپنی دنیا میں رہنے والی، تمہیں تو بس تمہارے پودوں اور کتابوں سے محبت ہے اور سنا ہے راہ محبت بڑی دشوار ہوتی ہے، پہلے قدم پہ ہی خود کو قربانی مانگ لیتی ہے آپ سے۔" روشان نے خاصے شاعرانہ انداز میں کہا۔

"او ہو لگتا ہے آپ کو بہت معلومات ہے محبت کے بارے میں۔"

"ہاں تم ایسا ہی سمجھ لو۔"

"وہ پل..... ٹھیک کہہ رہے ہو تم مجھ جیسے لوگ محبت نہیں کر سکتے۔" ماہا نے یقین سے کہا، روشان ان خیالوں سے چونکا۔

"یہ تم نے اپنے ساتھ کیا کر لیا ماہا.....اور کیوں؟" روشان نے بے بسی سے کہا اور ایک نظر جائے نماز پہ بیٹھی ماں پر ڈالی۔

☆☆☆

ماہا روم دیکھ رہی تھی اس کے چہرے پہ کوئی تاثرات نظر نہیں آ رہا تھے۔

ڈاکٹر صاحب نے روشان اور حنا بی بی کو اپنے روم میں بلایا اب وہ دونوں ڈاکٹر صاحب کے سامنے بیٹھے تھے۔

"میں آج بے حد حیران ہوں، ایک لمحے کو ہم نے ان کو کھو دیا تھا۔" ڈاکٹر صاحب نے کہا ہی تھا کہ۔

"واٹ؟" روشان چونکا، حنا بی بی کا دل ڈوب گیا۔

"Yes we had compketly lost her for Long 35 seconds!"

پھر اچانک دھڑکن لوٹ آئی جیسے کوئی خود ہی کسی گہرے سمندر میں ڈوبتے ہوئے اچانک سطح پہ ابھر آتا ہے، ماہا کی پیچیشن سے ڈاکٹر صاحب سچ میں حیران تھے۔

"اے خدا تیرا شکر ہے۔" حنا بی بی نے خدا کا شکر ادا کیا۔

"ہم ان کو کب تک گھر لے جا سکتے ہیں؟" روشان نے پوچھا۔

"کچھ دن تک، لیکن آپ کو ان کا بہت خیال رکھنا ہے، کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے اس کو شاک لگے۔" وہ ان دونوں کو صورتحال کی حساسیت سمجھانا چاہ رہے تھے۔

"جی ڈاکٹر صاحب ہم ان کا خیال رکھیں گے۔" روشان نے کہا۔

کچھ دیر بعد ان کو ماہا سے ملنے کی اجازت دے دی گئی وہ خود کو سنبھال کر روم کی طرف بڑھے تھے جہاں ماہا گردو پیش سے بے خبر پڑی تھی۔

حنا بی بی اس کی حالت پر دل کو تھام کر رہ گئیں، اگلے دو دن میں اس کی حالت کافی بہتر ہو گئی تھی کبھی سوئی اور کبھی جاگتی کیفیت میں تھی،

خالہ اور روشان کو دیکھ کر تاثرات نارمل ہی تھے۔

آج ڈاکٹر نے اسے گھر لے جانے کی اجازت دے دی تھی، حنا بی بی اور روشان اس کے کمرے کی طرف بڑھے جہاں وہ پہلے سے ہی تیار تھی، ان کا سامنا کرنے کے لئے۔

ویسے وہ کر بھی کیا سکتی تھی جب ایک انسان کو پتہ چل جائے اس کی منزل نے اسے پہچاننے سے انکار کر دیا ہے تو وہ کر بھی کیا سکتا ہے، جب روح جسم چھوڑ جائے تو جسم کو سوائے دفنا دینے کے اور کوئی چارہ نہیں ہوتا۔

لوگ لاکھیں رکھ کر روحوں کے لوٹ آنے کی آس نہیں لگاتے، چار دن ماہا نے آنکھیں بند کیے خود کو سمجھانے میں لگا لئے تھے، ماہا ایک ہی پل میں سمجھ گئی تھی کہ اس کی محبت کے نصیب میں تکمیل نہیں ہے تب ہی زندگی سے بھی بیگانی ہو گئی، یہ جانے لوٹ کیوں آئی اب کیا بچا تھا۔

روشان اور حنا بی بی کمرے میں داخل ہوئے ماہا سامنے بستر پہ نیم دراز ہو کر اپنی ہی میڈیسن فائل پڑھ رہی تھی، ان کو دیکھتے ہی بولنے لگی۔

"خالہ یہ دیکھیں، اتنی ساری دوائیاں، کیا یہ سب مجھے کھانی ہیں، یہ ڈاکٹرز بھی نا۔" ماہا نے مسکرا کر نارمل انداز میں کہا تھا۔

وہ ان کا دھیان بھٹکانے کی تیاری کیے بیٹھی تھی حنا بی بی نے بڑھ کر ماہا کو گلے سے لگا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"میری بچی.....میری جان۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں خالہ۔" ماہا نے کہا اور روشان کو اشارہ کیا کہ تم ہی سمجھاؤ جبکہ وہ خود حیران تھا شاید آج ہی ماہا کو غور سے دیکھ رہا تھا وہ ماہا تو تھی ہی نہیں وہ تو سر تا پاؤں صرف محبت تھی، رحم دل، سچی، مضبوط اور گہری۔

"سر چکرا گیا تھا میرا اور آپ لوگ اٹھا کر ہسپتال لے آئے، ارے ان کو تو اپنے بل بنانے ہوتے ہیں، اچھے خاصے انسان کو بیمار بنا دیتے ہیں۔" ماہا انجان تھی کہ حنا بی بی روشان کو سب بتا چکی تھی، روشان چپ تھا، کیونکہ اس کے پاس ماہا کی محبت چلا رہی تھی، حنا بی بی نے ماہا کی طرف دیکھا۔

"تم ٹھیک تو ہو نا۔" انہوں نے بے چینی سے سوال کیا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں، جیسے پہلے تھی بالکل ویسی آپ اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہیں خالہ، سب ٹھیک ہے۔" ماہا نے ان کو تسلی دی حنا بی بی نے دو پل ماہا کو حسرت بھری نظروں سے دیکھا اور اٹھی۔

"میں ابھی آتی ہوں۔" حنا بی بی وہاں سے چلی گئی روشان آگے بڑھا اور ماہا کے روبرو بیٹھا، ماہا حد سے زیادہ نارمل لگ رہی تھی۔

"گھر لے چلو نا مجھے، میں تھک گئی ہوں۔" روشان نے جواب نہیں دیا وہ ماہا کے سامنے بیٹھا تھا پر اب اسے دیکھ نہیں رہا تھا۔

"ہیلو کوئی ہے نوک نوک۔" ماہا نے روشان کے کاندھے پہ ہاتھ رکھا، دو پل خاموشی کی نظر ہوئے۔

"مجھے بتایا کیوں نہیں؟" ماہا نے روشان کے انداز سے چونک کر اپنا ہاتھ اچانک اس کے کاندھے سے ہٹا لیا اب روشان نے ماہا کو دیکھا۔

"کیا..... کہ میں بے ہوش ہونے والی ہوں؟" ماہا نے مسکرا کر آخری بار بات سنبھالنے کی کوشش کی۔

روشان سنجیدہ تھا اور ماہا کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا ماہا نروس ہو رہی تھی جیسے اس سے کوئی

غلطی ہوگئی ہے اور اب اسے سزا سنائی جائے گی، غلطی تو ہوئی تھی اس سے اظہار نہ کرنے کی غلطی۔

"تم جانتی ہو میں کس بارے میں بات کر رہا ہوں۔" روشان نے اپنے الفاظ پر زور دے کر کہا اب ماہا نے جواب نہیں دیا۔

"ماہا؟" روشان نے اسے پکارا۔

"بتا دیتی تو کیا فرق پڑ جاتا۔" ماہا نے نظریں جھکا کر کہا۔

"خود ہی خواب دیکھتی رہی تم اکیلی۔" روشان کا انداز ڈانٹنے والا ہی تھا۔

"نہیں، تم بھی ہوتے تھے ان خوابوں میں۔" ماہا نے معصومیت سے آنسو روک کر کہا۔

"اور کیا کر رہا ہوتا ماہا میں؟" روشان نے پوچھا ماہا نے دو پل روشان کی آنکھوں میں دیکھا۔

"وہ ہی جواب کبھی نہیں کرو گے۔" ماہا کی آواز کانپ گئی وہ آنسو بہنے سے پہلے ہی صاف کرنے لگی۔

"ماہا میں....." ماہا نے روشان کی بات کاٹی۔

"ہاں جانتی ہوں سب سن لیا تھا میں نے اور سمجھ بھی گئی ہوں کہ میں اس کہانی کا سب سے غیر اہم کردار ہوں۔"

"روشان؟" ماہا نے اسے پکارا۔

"ہاں۔" وہ متوجہ ہوا۔

"کیا تم ابھی مجھ سے یہ کہہ سکتے ہو کہ تم صنم کو بھول کر مجھے اپنا لو گے؟" ماہا نے سنجیدہ ہو کر سوال کیا تھا جس کا صاف جواب دینا روشان کا فرض تھا وہ اس خوابوں کی ماری ہوئی لڑکی کو نئے خواب نہیں دکھا سکتا تھا۔

"نہیں۔" روشان نے وہ ہی کہا جو اسے کہنا چاہیے تھا۔

"صنم کے ہوتے ہوئے مجھے بھی اس جیسا مقام دے سکتے ہو؟" ماہا نے ایک اور سوال کر دیا ایک مشکل سوال۔

"نہیں۔" روشان اب بھی سنجیدہ تھا۔

"اپنا ساتھ نہیں، خود پہ حق نہیں، صرف اپنا نام دے سکتے ہو؟" یہ آخری سوال تھا محبت کی آخری التجا، محبت اس سے زیادہ نیچے گر نہیں سکتی تھی اب ماہا کا مطلب تھا کہ روشان اس سے شادی کرنے پھر بھلے ہی اسے چھوڑ کر چلا جائے روشان نے دو پل ماہا کو دیکھا۔

"نہیں۔" روشان نے جواب دے دیا تھا۔

"ہوں، کتنی خوش قسمت ہے صنم (اور کتنی بد نصیب ہو تم ماہا)۔" ماہا نے روتی آنکھوں سے مسکرا کر کہا۔

"تم آرام کرو ہم بعد میں بات کریں گے۔" روشان نے کہا اور جانے لگا کہ۔

"روشان؟" ماہا نے اسے پکارا، وہ پلٹا۔

"میں چاہتی ہوں روشان کہ تم صنم سے شادی کر لو اور ہمیشہ اس کے ساتھ خوش رہو۔" ماہا نے آنسو روک کر کہا۔

روشان کے پاس بولنے کے لئے کچھ نہیں تھا وہ ماہا کو دیکھتے ہوئے اس کے سامنے بیٹھا۔

"تمہیں پہلے مجھے سب بتا دینا چاہیے تھا۔" روشان نے بے بسی سے کہا۔

"اب تم جانتے ہو۔" ماہا نے کہا۔

"اب دیر ہو چکی ہے۔" روشان نے جیسے خود سے کہا۔

"جانتی ہوں، میری محبت کے سمندر کا دوسرا کنارہ کھو گیا ہے اب میرے پاس پیچھے جانے کا راستہ ہے پر سامنے کوئی منزل نہیں ہے۔" اب ماہا نے جو سوچا وہ ہی کہہ دیا کیونکہ جس بات کا اسے

ڈر تھا وہ تو ہو ہی چکی تھی، روشان چپ تھا۔

"جانتی ہوں تم کچھ کہنا چاہتے ہو بول دو بے فکر ہو کر نہیں مرتی میں۔" ماہا نے انسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"پاگل ہو تم، پوری پاگل۔" روشان نے کہا۔

"تھی، اب سمجھ دار ہونے کا وقت آ گیا ہے، قسمت نے میری آنکھوں سے میرے خواب نوچ لئے ہیں۔" ماہا نے جیسے خود سے کہا۔

"مجھے معاف کر دو ماہا۔" روشان نے شرمندہ ہو کر کہا۔

"ہم جن سے محبت کرتے ہیں وہ ہماری جان بھی لے لیں تو فرق نہیں پڑتا تو پھر نارضگی وہ کیا ہوتی ہے۔" ماہا نے نم آنکھوں سے مسکرا کر کہا۔

اتنے میں حنا بی بی شکرانے کے نوافل ادا کر کے آ گئیں۔

اگلے دن وہ لوگ ماہا کو گھر لے آئے، اب وہ اپنے کمرے میں تھی اور سورہی تھی، روشان اور حنا بی بی باہر لاؤنج میں بیٹھے تھے۔

"ڈاکٹر نے کہا ہے اب وہ ٹھیک ہے آپ پریشان نہ ہوں۔" روشان نے تسلی دینے والے انداز میں کہا۔

"میرے پریشان ہونے نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے نہ میری تسلیاں اس کے کام کی ہیں نا میری پریشانی، میری غلطی ہے۔" حنا بی بی نے خود کو الزام دینے والے انداز میں کہا۔

"کیسی غلطی؟" روشان قدرے حیران ہوا۔

"مجھے اسے روکنا چاہیے تھا، جب اس کی معصوم آنکھوں نے تمہاری محبت کا خواب دیکھا اس پل مجھے اس کا ساتھ نہیں دینا چاہیے تھا، کاش کہ بتا دیا ہوتا اسے کہ حقیقت کی دنیا میں خواب دیکھنا غلطی ہے نہ جرم بلکہ گناہ ہے، گناہ۔"

"پر میں تو اس پگلی کے ساتھ مل کر اس خواب کے تانے بانے بننے میں لگ گئی، غلط کیا میں نے بہت غلط۔" حنا بی بی نے جیسے خود سے کہا وہ بہت دکھی تھی رنجیدہ تھیں۔

"امی پلیز قصور آپ کا نہیں ہے۔" روشان نے کہا ہی تھا کہ۔

"تو پھر کس کا قصور ہے، اس اعتبار کا جو میں نے تم پر کیا اور تم نے، روشان دیکھو اب بھی کچھ نہیں بگڑا ہے، تم چاہو تو۔" روشان نے حنا بی بی کی بات کاٹی۔

"یہ ہی تو مسئلہ ہے امی کہ میں نہیں چاہتا جو وہ دس سال سے سوچتی رہی ہے وہ میں نے غلطی سے بھی ایک پل کے لئے بھی نہیں سوچا۔" روشان نے اپنی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہا۔

"تو اب سوچ لو۔" حنا بی بی نے بہت امید سے کہا، دو پل خاموشی کی نظر ہوئے۔

"نہیں، میں آپ کو سمجھا نہیں سکتا بس اتنا سمجھ لیں کہ جیسی محبت ماہا کو مجھ سے ہے ویسی محبت میں صنم سے کرتا ہوں۔" روشان نے اپنے الفاظ پر زور دے کر کہا۔

"اور صنم کیا اسے تم سے محبت ہے؟" حنا بی بی نے فوراً سوال کیا اور یادوں نے روشان کا ہاتھ تھاما تھا۔

☆☆☆

روشان اور صنم آمنے سامنے بیٹھے تھے یہ ایک کینے تھا صنم نے ٹیبل پہ رکھی رنگ کی طرف اور پھر روشان کی طرف دیکھا۔

"Are you serious?" صنم نے حیران ہو کر پوچھا۔

"Yes i am" روشان خوش تھا۔

"پر روشان، میرا مطلب ہے ہم دوست ہیں پر یہ سب..... میں نے تمہارے بارے میں اس انداز سے نہیں سوچا۔" صنم حیران تھی پر اسے روشان کا اسے شادی کرنے کے لئے پرپوز کرنا برا نہیں لگا تھا وہ روشان کو چھ سال سے جانتی تھی، وہ دونوں اچھے دوست تھے اور روشان کے ساتھ صنم ہمیشہ سے بہت خوش رہتی تھی۔

"تو اب سوچ لو، بلکہ سوچنے کے لئے ہے ہی کیا میں تمہارا بیسٹ فرینڈ ہوں تم مجھے اچھی طرح جانتی ہو ہینڈسم ہوں مسلم ہوں اور سب سے بڑی بات جو تمہیں بھول کر بھی نظر انداز نہیں کرنی چاہیے I love you۔" روشان نے صنم کا ہاتھ پکڑ کر مسکرا کر کہا۔

"ہاں ہم بہت اچھے دوست ہیں اور مجھے تمہارا ساتھ اچھا لگتا ہے پر شادی؟ روشان یہ ایک مختلف چیز ہے اور مجھے نہیں پتہ میں ابھی اس کے لئے تیار ہوں یا نہیں۔" صنم نے اپنی کیفیت بیان کی۔

"ابھی نہیں کہہ رہا ہوں ابھی کے لئے صرف ہاں کر دو باقی کی پلاننگ ہم مل کر کر لیں گے۔" روشان نے نارمل انداز میں کہا، صنم نے دو پل اسے دیکھا۔

"جلدی بتاؤ ہاں یا ناں۔" روشان سنجیدہ نہیں تھا کیونکہ صنم کا ردعمل برا نہیں تھا۔

"تم نے اپنی دوست پر نظر رکھی ہوئی تھی روشان آفندی۔"

"How bad is that!۔" صنم مصنوعی ناراض ہوتے ہوئے بولی۔

"خدانہ کرے میں نے کوئی غلط نظر تو نہیں رکھی ہوئی تھی یار، تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو یہ پسند کب محبت بن گئی مجھے پتہ ہی نہیں چلا، اب تم ہاں کہنے والی ہو یا نہیں، ہاں کہہ دو نہیں تو میں تمہاری میں مجنوں ہو جاؤں گا۔" روشان نے سنجیدہ ہو کر کہا پر وہ اب بھی سنجیدہ نہیں تھا۔

"ویل، مجھے لگتا ہے تمہارے ساتھ زندگی گزارنا اتنا بھی برا نہیں ہوگا And that,s erans it,s a yes!۔" صنم نے ادا سے پہلے جیسے خود سے بات کی اور پھر سر ہلا کر ہاں کہہ دی۔

"Realy?۔" روشان چونکا۔

"یس۔" صنم مسکرا دی اور روشان نے اسے رنگ پہنا دی۔ (ماضی کی جھلک نظر آئی)۔

"ہاں وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔" روشان نے اپنی یاد کو نظر انداز کر کے جواب دیا جبکہ وہ جانتا تھا کہ صنم اس سے محبت نہیں کرتی تھی، ویسی محبت تو ہرگز نہیں جیسی ماہا کو روشان سے تھی، صنم نے صرف ایک فیصلہ کیا تھا روشان کے جذبوں کی عزت کی تھی جس معاشرے میں وہ رہتے تھے اسے Understanding کہتے تھے، وہ جیسے ماضی میں بھٹکا تھا۔

حنا بی بی نے دو پل روشان کو دیکھا جبکہ وہ ان سے نظریں نہیں ملا رہا تھا۔

"تو پھر جو چاہو وہ کرو، میں تو تمہیں یہ بھی نہیں کہہ سکتی ایک دن اپنے فیصلے پر نادم ہو گے، ماں ہوں بد دعا میں کیسے دوں، پر افسوس تو اس بات کا ہے کہ میرے دل سے دعا بھی نہیں نکل رہی ہے۔" حنا بی بی نے کہا اور وہاں سے جانے لگی۔

"امی میری بات کو سنیں۔" روشان نے ان کو روکنا چاہا مگر وہ ماہا کے روم میں چلی گئیں۔

روشان اپنے روم میں تھا اس نے صنم کو کال کی اور سب بتا دیا صنم روشان سے ماہا کا ذکر تو سن ہی چکی تھی۔

"O my God۔" اب کیسی ہے وہ؟"

صنم نے فکر مند ہو کر پوچھا۔

"پہلے سے بہتر ہے۔" روشان نے بتایا۔

"تم ٹھیک ہو؟" صنم نے پوچھا۔

"ہاں میں اس سب کے تیار نہیں تھا یہ تو ایسی بات ہے جس کے بارے میں، میں نے کبھی سوچا تک نہیں تھا۔"

"ایسا نہیں ہے کہ امی میری خوشی کے خلاف ہیں پر وہ ماہا کے لئے بہت پریشان ہیں، خیر جیسے ہی یہاں حالات کچھ نارمل ہوتے ہیں میں تمہیں بتا دوں گا۔" روشان نے کہا۔

"ہوں..... ٹھیک ہے۔" صنم نے نارمل انداز میں کہا، صنم نے واقعی اس کا ساتھ انڈر اسٹینڈنگ کا یہ رشتہ بنایا تھا۔

☆☆☆

اب ماہا کی حالت کافی بہتر تھی پر حنا بی بی اسے کوئی کام کرنے کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔

"خالہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔" ماہا نے یقین دلانے والے انداز میں کہا۔

"ہوں، یہ جھوٹ اتنا بڑا نہیں ہے ابھی تو تم مجھ سے اور بھی بڑے جھوٹ بولو گی کہ تمہیں روشان سے کوئی شکایت نہیں ہے تم نے خود کو سنبھال لیا ہے، تم سب بھول گئی ہو۔" حنا بی بی نے کھانے کے برتن ٹرے میں رکھتے ہوئے کہا۔

"ارے واہ آپ تو مجھے بہت اچھی طرح جانتیں ہیں خالہ۔" ماہا نے مسکرا کر کہا، اب حنا بی بی نے اسے دیکھا۔

"ماہا میں سنجیدہ ہوں۔" حنا بی بی نے قدرے غصے سے کہا۔

"میں بھی۔"

"اس لئے کہہ رہی ہوں روشان کی بات مان لیں جو وہ چاہتا ہے وہ کر دیں۔" ماہا نے کہا ہی تھا کہ۔

"کیا یہ حکم ہے؟" حنا بی بی نے پوچھا۔

"یہ ہی سمجھ لیں۔" ماہا نے آنسو روک کر کہا۔

"وہ تمہیں اپنے نصیب میں لکھوا کر نہیں آیا۔" حنا بی بی نے نتیجہ نکالتے ہوئے کہا جبکہ یہ کہتے ہوئے وہ بہت دکھی لگیں۔

بس ختم کر دی اب یہ بازی عشق مقدر کے ہارے کبھی جیتا نہیں کرتے

"خالہ یہ جو یک طرفہ محبت میں ہوتے ہیں نا، وہ پہلے پل سے ہی ہارے ہوئے ہوتے ہیں، اب ہاری ہوئے سپاہی کی کیا اوقات، کچھ دن رو لوں گی، پھر سب وہ ہی زندگی، وقت، حالات، مصروفیات، وہ کہتے ہیں ناں وقت سب سے بڑا مرہم ہے۔" ماہا بولتی جا رہی تھی اور حنا بی بی حیران تھی کہ یہ ہمت تھی، حوصلہ تھا، یا ماہا نے ہار مان لی تھی۔

"آپ روشان کی بات مان لیں کیونکہ وہ آپ کی بات نہیں مانیں گا اور محبت میری بات نہیں مانیں گی۔" ماہا نے کہا اور منہ موڑ لیا۔

☆☆☆

روشان نے ماہا کے روم کے دروازے پہ دستک دی جبکہ دروازہ کھلا ہوا تھا ماہا سامنے بیٹھی اپنی وہ ہی شاعری کی کتاب پڑھ رہی تھی جن کو وہ ہمیشہ پڑھا کرتی تھی۔

"روشان آؤ نا۔" ماہا نے مسکرا کر کہا، روشان آگے بڑھا اور جا کر ماہا کے سامنے بیٹھا۔

"اب کیسی ہو؟" روشان نے نارمل انداز میں پوچھا۔

"بالکل ٹھیک۔" ماہا نے مسکرا کر کہا۔

"گڈ کیا پڑھ رہی ہو؟" روشان نے پوچھا۔

''وہ ہی شاعری۔'' ماہا نے کہا۔

''مجھے بھی سناؤ۔'' روشان نے فرمائش کی۔

''اچھا اوکے میں تمہیں کوئی اچھی سی غزل سناتی ہوں۔'' ماہا نے مسکرا کر کہا اور صفحہ پلٹنے لگی کہ روشان نے اس کا ہاتھ تھاما، ماہا نے اسے حیران ہو کر دیکھا۔

''وہ ہی سناؤ جو تم پڑھ رہی تھی۔'' روشان سنجیدہ تھا، اس کا ہاتھ ماہا کے ہاتھ پہ تھا اور ماہا کا ہاتھ اس صفحے پر جسے وہ پڑھ رہی تھی۔

''یہ تمہیں سمجھ نہیں آئے گی۔'' ماہا نے قدرے جھجکتے ہوئے سے انداز میں کہا۔

''ماہا، پڑھو اسے۔'' روشان نے اپنا ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا، ماہا نے ایک نظر روشان کو دیکھا پھر الفاظ کو۔

''اوکے۔'' ماہا نے کہا روشان متوجہ اور سنجیدہ تھا ماہا نے ایک غزل پڑھنی شروع کی۔

کوئی دل کی ہتھیلی پہ ہے صحرا رکھے
کس کو سیراب کرے وہ کسے پیاسا رکھے

روشان جانتا تھا کہ ماہا کو اپنے جذبات کا اظہار الفاظ سے کرنا پسند تھا اور ماہا اب ایسا نہیں چاہتی تھی اس لئے اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

عمر بھر کون نبھاتا ہے تعلق اتنا
اے مری جان کے دشمن تجھے اللہ رکھے
ہم کو اچھا نہیں لگتا کوئی ہم نام تیرا
کوئی تجھ سا ہو تو پھر نام بھی تجھ سا رکھے
دل بھی پاگل ہے جو اس شخص سے وابستہ ہے
جو کسی اور کا ہونے دے نہ اپنا رکھے

ماہا نے ایک نظر روشان کو دیکھا جو پہلے ہی اسے دیکھ رہا تھا، ماہا نے نظریں جھکالیں۔

ہنس نہ اتنا بھی فقیروں کے اکیلے پن پہ
جا خدا میری طرح تجھ کو بھی تنہا رکھے
یہ قناعت ہے اطاعت ہے کہ چاہت ہے فراز
ہم تو راضی ہیں وہ جس حال میں جیسا رکھے

ماہا کی آواز لرز رہی تھی، روشان نے اس سے کتاب لے کر ایک طرف رکھی اور تھوڑی سے اس کا چہرہ پکڑ کر اوپر کیا۔

''تم یہاں بیٹھی اپنے دکھ کو ہوا دے رہی ہو ماہا، ایسا نہیں چلے گا۔'' روشان نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''تو کیا کروں۔'' ماہا نے تھکے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''خود کو سنبھالو، ہمت کرو۔'' روشان نے کہا، ماہا جواباً نہیں بولی۔

''ایک وعدہ کرو گی مجھ سے؟'' روشان نے پیار سے پوچھا ماہا نے آنسو صاف کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''کتنے برے ہو اس سے وعدہ مانگ رہے ہو جو تمہیں انکار نہیں کر سکتی؟'' ماہا نے بتانے والے انداز میں کہا۔

''یہ سب بھول جاؤ۔'' روشان نے التجاء کرنے والے انداز میں کہا۔

''یہ ممکن نہیں ہے۔'' ماہا نے روشان کا ہاتھ جھٹک کر قدرے غصے سے کہا۔

''کوشش کرو۔'' روشان نے کہا۔

''کون سی کوشش؟ کیا چاہتے ہو تم؟ کہ اپنی زخمی محبت کو اب آگ لگا دوں؟ یہ نہیں ہو سکے گا مجھ سے۔'' ماہا نے صاف انکار کر دیا اور خود پہ ضبط کر کے بولی۔

''میں نہیں چاہتا تم دکھی رہو [illegible]ے لئے اپنی زندگی برباد کرو۔'' روشان فکرمند [illegible]۔

''میری زندگی برباد ہو چکی ہے۔'' ماہا نے جیسے خود سے کہا وہ روشان کی طرف دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔

''ماہا میں نہیں چاہتا کہ تم میری وجہ سے خود پر ظلم کرو، ایک پل کے لئے خود کو میری جگہ پر رکھ کر سوچو، کیا میں مجبور نہیں ہوں، میں تمہارے دکھ کا سبب نہیں بننا چاہتا۔'' ماہا نے اچانک روشان کی بات کاٹی۔

''اور میری خوشی تم بن نہیں سکتے، تو فرق کیا پڑتا ہے۔'' روشان نے ماہا کو شانوں سے پکڑ کر اپنی طرف متوجہ کیا۔

''مجھے فرق پڑتا ہے، پاگل لڑکی میں تمہیں دکھی نہیں دیکھ سکتا۔'' روشان نے یقین دلانے والے انداز میں کہا۔

''یہ تو وہ ہی بات کر دی تم نے کہ میں نے تمہاری جان تو لے لی ہے پر میں تمہاری لاش کو دفنا نہیں سکتا۔'' ماہا کا اتنا کہنا تھا کہ روشان نے اسے چھوڑ دیا، جیسے وہ لاجواب ہو گیا اور نظریں جھکا لی۔

''ایک تو یہ محبت، پتہ نہیں ٹوٹ جانے کے بعد اتنی مضبوط کیوں ہو جاتی ہے۔''

''کرتی ہوں وعدہ۔'' ماہا نے اچانک کہا روشان نے اسے دیکھا۔

''پر ایک شرط پر۔'' ماہا نے اپنی بات پوری کی۔

''تمہیں میری ایک بات ماننی ہو گی۔'' ماہا نے خود کو سنبھال کر کہا۔

''ہاں ضرور، بولو۔'' روشان پوری طرح متوجہ تھا، جیسے ماہا جو بھی مانگے گی وہ فوراً حاضر کر دے گا۔

''سوچ لو، میں کچھ بھی مانگ لوں گی پھر مکر نہ جانا۔'' ماہا نے وارننگ دی۔

''تم مانگ کر تو دیکھو۔'' روشان نے کہا ماہا نے گہری سانس لی۔

''کیا تم مجھے اجازت دو گے کہ میں تمہاری دلہن بن سکوں؟'' ماہا نے آنسو روک کر کہا، روشان چونکا۔

''مجھ سے نکاح کر لو صرف نکاح، اس کے علاوہ کچھ نہیں چاہوں گی۔''

''یہ ہی خواب دیکھا تھا میں نے بس میرا یہ خواب پورا کر دو تو میں سمجھوں گی مجھے سب کچھ مل گیا اگر کوئی شکوہ نہیں ملے گا تم سے۔'' ماہا نے بے بسی سے کہا۔

وہ روشان کی دلہن بننا چاہتی تھی ایک بد نصیب دلہن، وہ اپنے ٹوٹے خواب کی کرچیوں پہ چلنا چاہتی تھی۔

''یہ ظلم ہے ماہا۔'' روشان نے کہا۔

''شاید پر میں یہ ہی چاہتی ہوں۔'' ماہا نے کہا حنا بی بی دروازے میں کھڑی یہ سب سن رہی تھی ان میں اب ماہا کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی وہ وہاں سے ہی پلٹ گئی۔

''ٹھیک ہے۔'' روشان نے تھک کر ہار مان لی تھی۔

☆☆☆

صبح کا وقت تھا، ماہا کب سے نماز ادا کر چکی تھی اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے روتی ہی جا رہی تھی۔

وہ تو ہمیشہ ایک ہی دعا مانگا کرتی تھی کہ خدا اسے اس کی محبت اور اس کی محبت کی تمام خوشیاں عطا کر دے اب کیا کہتی کیا مانگتی، اب تو اسے اپنا آپ ایسے سنبھالنا تھا کہ اس کی روح کی آہ و پکار کسی کو سنائی نہ دے۔

محبت سے انکاری ہونا آسان کام نہیں ہے اس کے درد چھپانا کسی سزا سے کم نہیں ہے جیسے اپنی ہی سانوں کو روکنا ہو اور اب ماہا کو یہ ہی کرنا تھا۔

''اے میرے رب مجھے ہمت دے ہمت دے۔'' ماہا نے روتے ہوئے کہا۔

سچ ہی تو کہا ہے کسی نے محبت ایک آگ کا دریا ہے ماہا تو کب سے اس آگ کے دریا میں کنارے کی امید پہ جل رہی تھی، خاموشی سے سکون سے اسے اب بھی جلنا تھا پر اب تو اس سے کنارے کی امید بھی چھین لی گئی تھی۔

کیا کر سکتی تھی وہ روتی، بلکتی، روشان کے قدموں میں گر کر اس سے اس کی محبت کی بھیک مانگتی اگر وہ تب بھی انکار کر دیتا تو تب کیا کرتی وہ، یا اپنی محبت تک جانے کے لئے کسی غلط راستے کا انتخاب کر لیتی، پر ی غلط راستے جن منزلوں کو جاتے ہیں وہ محبت نہیں ہوتی۔

ماہا بے بس تھی، وہ بے بسی سے روتی رہی اپنے لئے ہمت مانگتی رہی اور یہ عزم کر کے ہی اٹھی کہ اب وہ نہیں روئے گی، پر یہ اتنا آسان نہیں تھا۔

روشان نے حنا بی بی کو صنم کے بارے میں بتایا کہ وہ ایک بروکن فیملی سے ہے، اس کے ماں باپ الگ ہو چکے ہیں اور ان کی اپنی الگ دنیا ہے اس لئے صنم کی طرف سے صرف وہ خود اور اس کی چند سہیلیاں ہی آسکیں گیں۔

حنا بی بی نے اپنے اکلوتے بیٹے کی شادی کو لے کر جو خواب دیکھے تھے وہ ان سب سے دستبردار ہو چکی تھیں، جو ہو رہا تھا انہیں اس سے کوئی مطلب نہیں تھا وہ بس ہاں ناں کرتی اور اپنا کام کر دیتی۔

روشان نے صنم کو پاکستان آنے کی دعوت دے دی وہ آ رہی تھی، روشان چھپ تر آیا تو سامنے پہلے سے ماہا کو بیٹھے دیکھ کر رک گیا۔

ماہا جو آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی روشان کی آواز پر چونکی۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' روشان نے روکھے سے انداز میں سوال کیا اور وہ بھی گرل کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔

''چاند کو دیکھ رہی ہوں، یہ کتنا اکیلا ہے۔'' ماہا کا انداز بالکل نارمل تھا روشان نے دو پل ماہا کو دیکھا۔

''تمہاری طرح۔'' روشان نے سنجیدہ ہو کر کہا۔

''اف تم کیا مجھے جذباتی کرنے کے مشن پر ہو، جب دیکھو ایسی باتیں کرنے لگتے ہو جناب میرا زخم بھرنے دیں گے کہ نہیں۔'' ماہا نے مذاق کیا اور خود ہی ہنس دی، روشان نہیں بولا اسے بھی دکھ تو تھا کہ ماہا دکھی تھی۔

''اچھا یہ سب چھوڑو صنم آ رہی ہے نا؟'' ماہا نے پوچھا۔

''ہاں۔'' روشان نے بس اتنا ہی کہا۔

''تصویر تو دکھا دو اس کی نہیں لگاتی میں اسے نظر۔'' ماہا نے کہا۔

''میں نے ایسا کب کہا، لو دیکھ لو۔'' روشان نے کہا اور اپنے موبائل پر صنم کی پک کھول کر موبائل ماہا کی طرف بڑھایا ماہا نے خاصی بے چینی سے موبائل پکڑا اور صنم کی تصویر کو دیکھا صنم خوبصورت تھی اتنی ہی خوبصورت جتنی ماہا تھی نہ زیادہ نہ کم۔

''ہائے اللہ میری سوتن کتنی خوبصورت ہے۔'' ایسا لگا جیسے ماہا بنا سوچے سمجھے بولی ہے جبکہ وہ بہت سوچ سمجھ کر بول رہی تھی، نارمل ہونے کی کوشش میں تھی روشان نے اسے چونک کر دیکھا۔

''سوری سوری میں تو مذاق کر رہی تھی۔'' ماہا نے مسکرا کر کہا اور فون روشان کی طرف بڑھایا۔

''وہ واقعی ہی بہت خوبصورت ہے چوائس تو تمہاری اچھی ہے۔'' ماہا نے مسکرا کر کہا۔

''شکریہ۔'' روشان نے کہا دونوں آسمان

کی طرف دیکھنے لگے جیسے سوچ رہے ہوں کہ اب کیا بات کی جائے۔

''ماہا۔''

''روشان۔'' دونوں ایک ساتھ بولے کہ اگلے ہی پل مسکرا دیئے۔

''جی بولیں جناب۔'' ماہا نے کہا۔

''نہیں تم بولو۔'' روشان نے کہا۔

''میں کہہ رہی تھی کہ مجھے بتا دو صنم کو کھانے میں کیا پسند ہے تاکہ میں اس کے لئے اچھے اچھے کھانے بنا لوں۔'' ماہا خود حیران تھی اس میں اچانک سے اتنی ہمت کہاں سے آ گئی تھی، پر اس سے زیادہ روشان حیران تھا۔

''اور میں یہ کہنے والا تھا کہ تم یہ سب مت کرو، خود پر جبر۔''

''نہیں کرو۔'' روشان نے التجا کی تھی، اب ماہا سنجیدہ ہوئی۔

''خود پہ کرم بھی تو نہیں کر سکتی۔'' ماہا نے سامنے دیکھ کر کہا۔

''کیسے ہو گئی تمہیں یہ محبت، کیوں؟'' روشان الجھا ہوا لگا، جسے اس وقت اگر اس کے بس میں ہوتا تو وہ ماہا کے دل سے اپنی محبت نوچ کر پھینک دیتا۔

ماہا ہنس دی روشان سمجھا نہیں کہ وہ ہنس کیوں رہی ہے۔

''تمہیں تین ہفتے پہلے پتہ چلا ہے کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں اور یہ بات تمہارے سر پر سوار ہو گئی ہے ایسے کہ جیسے بس ایک یہ ہی بات رہ گئی ہو کرنے کو جبکہ تم تو اس محبت میں ہو بھی نہیں تو سوچو میرا کیا ہوتا ہو، کیا میں اس کو نظر انداز کر سکتی تھی، ایک کرم کرو مجھ پر میں اپنی ہمت کے دہانے پہ کھڑی ہوں بار بار اس محبت کا نام لے کر مجھے دھکا مت دو روشان۔'' ماہا نے التجاء کی۔

''جو ہو رہا ہے ہونے دو، یہ وقت بھی گزر جائے گا۔'' ماہا نے بمشکل اپنے آنسو روک کر کہا روشان جواباً کچھ نہیں بولا۔

''گڈ نائیٹ۔'' ماہا نے کہا اور نیچے چلی گئی جبکہ روشان چاند کو ہی دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆

روشان نے صنم کو ماہا کی خواہش کے بارے میں بتا دیا تھا اور اسے کوئی مسئلہ نہیں تھا اتنی رحم دلی تو وہ دکھا ہی سکتی تھی اس لئے اس نے دوبارہ روشان سے اس موضوع پہ بات بھی نہیں کی۔

صنم نے کل آنا تھا حنا بی بی نے دیکھا ماہا کاغذ قلم پکڑے لسٹ بنا رہی تھی، حنا بی بی وہاں آئی اور اس کے سامنے بیٹھی۔

''یہ کیا کر رہی ہو؟'' ابھی تو ان کا انداز قدرے نارمل ہی تھا۔

''لسٹ بنا رہی ہوں سامان کی، مہندی ہے، شادی ہے، کچھ دن تک دعوتیں بھی ہونگی سو کام ہیں لسٹ تو بنانی ہی چاہیے اور آپ کو پتہ ہے کہ ابھی تو......'' ماہا کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے جب حنا بی بی اچانک اس کی سمت بڑھی اور وہ کاغذ ماہا سے چھین کر پھاڑ دیا کاپی اور پن بھی اٹھا کر ایک طرف پھینک دیا۔

''خالہ آپ کو کیا ہو گیا ہے۔'' ماہا چونک کر ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

''تمہیں کیا ہو گیا ہے، پاگل ہو گئی ہو تم؟ کیوں خود کو زخم لگا کر زخم پر اب نمک لگا رہی ہو، کیا ضرورت ہے تمہیں یہ سب کرنے کی؟ اپنا سامان اٹھاؤ اور جب تک یہ شادی نہیں ہو جاتی حسن کے گھر چلی جاؤ میں ان کو کال کر دوں گی۔'' حنا بی بی نے آخری بات خود کو سنبھالتے ہوئے کی وہ ماہا کو اپنے بھائی کے گھر جانے کا کہہ رہی تھی۔

"یعنی میں بھاگ جاؤں میدان سے۔" ماہا نے بتانے والے انداز میں حیران ہو کر پوچھا۔

"ہاں ہاں تم بھاگ جاؤ ماہا نہیں تو یہ درد تمہاری جان لے لے گا، جو تم خود کے ساتھ کرنے جا رہی ہو وہ ظلم ہے سراسر ظلم ہے میری جان، اپنی معصوم روح کو اتنی تکلیف نہ دو کہ وہ چیخ اٹھے، مجھے بار بار شرمندہ مت کرواؤ، میں تمہیں پل پل مرتا نہیں دیکھ سکتی۔" حتابی بی کی آواز کانپی اور انہوں نے منہ موڑ لیا۔

"خالہ میری پیاری خالہ، آپ جانتی ہیں آپ کی ماہا بزدل نہیں ہے، میں حالات سے بھاگ نہیں سکتی، یہ ہی لکھا ہے نا میری قسمت میں تو مجھے اس کا سامنا کرنے دیں، میں قسمت اور محبت سے تو ہار گئی ہوں مجھے درد سے جیت جانے دیں۔" ماہا نے التجا کی۔

"مجھے معاف کر دو میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکی۔" حتابی بی شرمندہ تھی۔

"نہیں خالہ خدا کے لئے مجھ سے معافی نا مانگیں، بس میرا ساتھ دیں باقی سب میں سنبھال لوں گی۔" ماہا نے کہا اور حتابی بی نے اسے گلے سے لگا لیا۔

"جانے قسمت اتنی بے رحم کیوں ہو گئی ہے۔" حتابی بی نے اوپر دیکھ کر کہا۔

☆☆☆

آج صنم اور اس کے دوست گھر آ رہے تھے کل مہندی تھی اور پرسوں شادی یہ تین دن جس انسان پہ بھاری تھے وہ ہی تیاریوں میں مصروف تھا۔

"بھائی ایسے نہیں، ان پھولوں کو ترتیب سے تو لگائیں۔" ماہا سجاوٹ کرنے والوں کو ہدایات دے رہی تھی جب عالیہ نے اسے اچانک کاندھے سے پکڑ کر اپنی طرف متوجہ کیا۔

"عالیہ..... بڑی جلدی نہیں آ گئی تم، حد ہوتی ہے ویسے اب بھی نہیں آنا تھا۔" ماہا نے شکایت کرتے ہوئے کہا اور ساتھ ساتھ کام کرنے لگی جبکہ عالیہ اس پہ حیران تھی کہاں تو وہ دن رات روشان اور اپنی شادی کی باتیں کرتی رہتی تھی اور اب اس ساری سجاوٹ اور خلوص کو جوڑ کر کسی اور کے لئے تیاریاں کر رہی تھی۔

"یہ تم کیا کر رہی ہو؟" عالیہ نے پوچھا جیسے ماہا خود کو مارنے کی تیاری کر رہی ہو اور اس نے دیکھ لیا ہو۔

"دیکھ نہیں رہی کام کر رہی ہوں، مہمان آنے والے ہیں، کیا نہیں کروں؟" ماہا جتنی نارمل لگ رہی تھی دراصل وہ اتنی ہی دکھی تھی۔

یہ جس امتحان میں اس نے خود کو ڈال دیا تھا اتنا آسان نہیں تھا۔

"ہاں نہیں کرو۔" عالیہ نے جیسے آخری بار کہا۔

اب ماہا سنجیدہ ہوئی اور اس کے پاس آ کر مدھم آواز میں بولی۔

"پہلے روشان، پھر خالہ اور اب تم بھی، پلیز مجھے پرسکون رہنے دو۔" ماہا کا تمام تر سکون اس کے چہرے سے غائب ہو گیا وہ بمشکل خود کو سنبھال کر بولی تھی۔

"حد ہوتی ہے کسی بات کی، جس بات میں بھولنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہوں تم سب مل کر مجھے وہ ہی یاد کروا رہے ہو۔" ماہا نے غصے سے کہا۔

"پر....." عالیہ بولنے لگی کہ۔

"بس مدد کروا سکتی ہو تو کرواؤ، نہیں تو جو تمہاری مرضی۔" ماہا نے کہا عالیہ حیران تھی۔

"بھائی آپ کو کتنی بار کہنا پڑے گا اس طرف پھول نہیں لگانے۔" ماہا بولتی ہوئی وہاں

سے چلی گئی عالیہ نے ہال میں کھڑی ہوئے اوپر دیکھا تو اس کی نظر حتابی بی پر پڑی جو پہلے ہی یہ سب دیکھ رہی تھی۔

عالیہ نے اشارہ کیا کہ ماہا کو کیا ہو گیا ہے حتا بی بی نے سر جھکا لیا۔

دوپہر تک گھر سج گیا اور خبر ملی کے مہمان راستے میں ہیں روشان ان کو لینے گیا ہوا تھا ماہا اب بھی کاموں میں لگی تھی، حتابی بی اور عالیہ ہال میں بیٹھی تھیں۔

"آج اس نے مجھے حیران کر دیا آنٹی۔" عالیہ نے ماہا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ ماہا ہے ہی نہیں ماہا تو مر گئی تھی جو پینتیس سیکنڈ بعد موت کے منہ سے لوٹی ہے ضرور کوئی اور ہے۔" حتابی بی نے بھی ماہا کو دیکھتے ہوئے یقین سے کہا۔

یہ دنیا بہت عجیب ہے کہتے ہیں نہ یہ انسان کو خوش دیکھ سکتی ہے نہ اداس، ماہا کا اپنا دکھ چھپا کر نارمل ہونا بھی کسی کو ہضم نہیں ہو رہا تھا جو بھی وہ روتی، بلکتی اپنے غم پر ماتم کرنے لگتی تو بھی سب اسے روکتے کہتے کہ صبر سے کام لو اور ماہا اب تک اپنے جذبات کو بڑے سلیقے سے قابو کرنے میں کامیاب ہو رہی تھی، باہر کار رکنے کی آواز آئی۔

"صنم آ گئی۔" ماہا نے کہا اور پھولوں کے ہار لے کہ دروازے کی طرف بڑھی مجبوراً عالیہ اور حتابی بی کو بھی وہاں تک جانا پڑا۔

وہ لوگ کار سے نکل کر آگے آ چکے تھے، صنم کے ساتھ اس کی دو سہیلیاں تھیں ایک شاید مسلم تھی اور ایک فرنگی، ماہا مسکراتے ہوئے آگے بڑھی اور صنم کے گلے میں پھولوں کے ہار پہنائے۔

"ویل کم ٹو پاکستان" ماہا نے مسکرا کر کہا صنم نے پہلے ماہا کی تصویر تو دیکھی ہی تھی مگر وہ اتنی خوش ہو گی یہ صنم کے لئے تھوڑا عجیب تھا، روشان نے تعارف کروایا حتابی بی نے صنم کے سر پر ہاتھ رکھا، سب نے مل کر کھانا کھایا اور شام میں ڈھولکی رکھ کر رونق لگا لی ماہا کی صنم اور اس کی دوست سویرا اور ایما سے کافی اچھی بات چیت ہو گئی تھی۔

اس ساری تقریب میں حتابی بی اور عالیہ ہی تھیں جو نا خوش نظر آتی رہی ماہا تو بہت خوش لگ رہی تھی۔

رات کے ایک بجے تک سب اپنے اپنے کمروں میں سونے چلے گئے، روشان ابھی جاگ رہا تھا اس نے ایک چکر سارے گھر کا لگایا باہر چوکیدار کو کچھ ہدایت دی اور اب وہ گارڈن سے ہوتا ہوا مرکزی دروازے تک جانے ہی لگا تھا کہ اس نے دیکھا لان میں لگے جھولے پہ کوئی بیٹھا تھا جو آہستہ آہستہ جھولا جھول رہا تھا آس پاس خاموشی رات کا یہ وقت، آخر وہ کون تھا گھر کے سب لوگ تو سو چکے تھے، روشان دو قدم آگے بڑھا اسے اتنا اندازہ تو ہو گیا کہ جھولے پہ بیٹھا وہ ساکت وجود کوئی لڑکی ہے۔

روشان نے پیچھے سے جا کر اس کے کاندھے پر ڈرتے ہوئے ہاتھ رکھا ہی تھا کہ وہ چیخ کر پلٹی روشان خود بھی چونک کر چیخ اٹھا، ماہا نے چہرے پر وائٹ فیس پیک لگا رکھا تھا، شاید اس ہی کو ڈرانے کی خاطر وہ وہاں بیٹھی تھی۔

"روشان ڈرا دیا مجھے۔" ماہا نے اپنے دل پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔

"میں نے، یا تم نے، دیکھو زرہ خود کو۔" روشان نے سامنے آ کر کہا۔

"ہاں تو یہ فیس پیک ہے میں سچ مچ کی چڑیل تھوڑی ہوں۔" ماہا نے کہا اور دونوں ہنس دیئے۔

صنم اپنے روم کی کھڑکی سے یہ منظر دیکھ رہی

تھی اس کی آوازیں تو سنائی نہیں دے رہی تھی پر وہ صرف ان دونوں کو دیکھ رہی تھی، دونوں بیٹھے۔

''ویسے یہ کیا بنی ہوئی ہو۔'' روشان نے مسکرا کر پوچھا۔

(پاگل بنی ہوئی ہوں روشان میری محبت عشق بنا دی گئی ہے اب اس میں ہم دونوں نہیں صرف میں ہوں تمہارا تو صرف عکس ہے) ماہا نے جو سوچا وہ نہیں کہا۔

''ارے کل مہندی ہے اب کیا تیاریاں بھی نہ کروں، چہرہ چمکنا چاہیے، اس لئے یہ فیس پیک لگایا ہے۔'' ماہا اپنی بات پر خود ہی ہنس دی جبکہ اب روشان نہیں بولا۔

(مجھے تم سے ڈر لگتا ہے ماہا تم اپنے جذبات کو چھپانے میں بہت ماہر ہو پہلے محبت چھپاتی رہی اور اب دکھ چھپا رہی وہ ڈرنا ہی تو چاہیے ایسے لوگوں سے جن کے دکھ ان کے چہروں پر نظر نہیں آتے، تمہاری اس ہمت اور ضبط سے ڈرتا ہوں میں ماہا)۔ روشان نے دل ہی دل میں خود سے کہا۔

''خود ہی تو کہا تھا تم نے کہ میں اپنا خواب جی سکتی ہوں اب کم سے کم میرا ساتھ تو دو، یہ رونی صورت تو ایسے بنا رہے ہو جیسے میں مر رہی ہوں۔'' ماہا نے شکایتی انداز میں کہا۔

''شٹ اپ، کچھ بھی بول دیتی ہو۔'' روشان سنجیدہ تھا۔

''ہاں جانتی ہوں، جانتے ہو کل میں بھی پیلے رنگ کا ڈریس پہن رہی ہوں اور مہندی بھی لگواؤں گی پورے بازو پر کل بھر کے۔'' ماہا نے اپنی خوشی کو مسکرا کر بیان کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا؟'' روشان مصنوعی مسکرایا۔

''جی ہاں، دو بیوٹیشن بلائی ہیں ایک میرے اور صنم کے لئے اور ایک باقی سب کے لئے، اب صنم اور میں دلہن ہیں تو ہمیں Special treatment تو ملنا ہی چاہیے ناں کہ نہیں؟'' ماہا نے پوچھا۔

''ہاں بالکل۔''

''وہ ہی نا، میں اور صنم تو کل خوب انجوائے کریں گے وہ بہت اچھی ہے بڑے لکی ہیں آپ تو۔'' ماہا نے مسکرا کر کہا، روشان نہیں بولا۔

''منہ میں سپاری ہے، پان یا ببل گم؟'' ماہا نے اچانک پوچھا۔

''کیا مطلب؟'' روشان چونکا۔

''بولتے کیوں نہیں ہو؟'' ماہا نے پوچھا۔

''بس ایسے ہی، چلو اب سو جاؤ بہت رات ہوگئی ہے۔'' روشان کھڑا ہوا۔

''اوکے۔'' ماہا بھی اٹھی اور جانے لگی کہ روشان نے اسے پکارا۔

''اور ہاں جاتے ہی یہ صاف کر لینا کوئی اور نہ ڈر جائے۔'' روشان نے کہا۔

''جو حکم۔'' ماہا نے ادا سے کہا اور وہاں سے چلی گئی روشان اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا اور کچھ دیر کے لئے وہاں ہی بیٹھ گیا، صنم بھی کھڑکی کے پاس سے ہٹ گئی۔

☆☆☆

آج مہندی کی تقریب تھی ماہا نے خود سارا اہتمام گھر کے ہال میں کروایا تھا اور سب بہت خوبصورتی سے سجایا تھا وہ سارے منظر جو اس نے اپنے لئے سوچے تھے وہ سب سجا دیئے تھے۔

صنم اور ماہا کو مہندی لگائی جا رہی تھی اب صنم ماہا کو لے کر تھوڑی حیران تھی پر اس کے دل میں ماہا کے لئے کوئی منفی تاثر یا جذبہ نہیں تھا۔

''بہت خوبصورت لگ رہی ہیں آپ۔'' ماہا نے تعریف کی۔

''تم سے کم۔'' صنم نے جواباً مسکرا کر کہا۔

''ارے نہیں، آپ زیادہ خوبصورت ہیں۔'' ماہا نے عاجزی سے کہا۔

''چلو تم کہتی ہو تو مان لیتی ہوں۔'' صنم نے مسکرا کر کہا۔

دراصل اس وقت صنم ہی زیادہ خوبصورت تھی کیونکہ وہ اصل تھی اور ماہا نقل وہ تعبیر تھی اور ماہا خواب وہ منزل تھی اور ماہا صرف سیراب۔

سب کو مہندی لگی سب خوش نظر آرہے تھے اب تو حنا بی بی اور عالیہ ماہا کی ہمت اور ظرف پر فخر کر رہی تھیں۔

شام ہوتے ہی رونق مزید بڑھ گئی صنم کی دوستوں نے بھی خوب رونق لگائی اب روشان صنم کے ساتھ بیٹھا تھا، خوبصورت خوشیوں بھرے گانے ہوا میں گونج رہے تھے، ایما نے ماہا کا ہاتھ تھاما اور اسے کھینچ کر ہال کے درمیان لے آئی جہاں وہ سب خوشی سے جھوم رہی تھیں، ہاتھوں پر اپنی ادھوری محبت کے نام کی مہندی لگائے شاید ہی کوئی اپنی محبت کی خوشی کے لئے خوشی سے جھوما ہوگا، یہ ہی امتحان ڈالا تھا محبت نے ماہا کے دامن میں اور وہ اسے باخوبی نبھا رہی تھی مسکرا رہی تھی۔

اس محفل کی رونق تھی وہ جس کی اپنی محفل کب کی ویران ہو چکی تھی حنا بی بی کی آنکھیں نم تھیں جبکہ ماہا خوش نظر آ رہی تھی۔

میوزک کی آوازوں اور خوشی کے اس ماحول سے ماہا اچانک غائب ہوگئی تھی حنا بی بی نے آس پاس دیکھا وہ کہیں نہیں تھی حنا بی بی اسے تلاش کرنے کے لئے اوپر گئی جہاں ان کو ماہا کے کمرے سے ماہا کے رونے کی آوازیں سنائی دی وہ اندر داخل ہوئیں۔

''ماہا!'' حنا بی بی ماہا کو دیکھ کر حیران رہ گئیں ان کا دل ڈوب گیا تھا، ماہا نے اپنے ہاتھوں پر لگی مہندی خراب کر دی تھی اس کا کاجل آنکھوں کے گرد پھیل چکا تھا آنکھیں ایسی سرخ جیسے وہ صدیوں سے رو رہی ہو وہ زمین پہ بیٹھی سسک رہی تھی۔

''ماہا اٹھو خود کو سنبھالو میری جان۔'' حنا بی بی آگے بڑھی ہی تھیں کہ۔

''یہ کیا ہو رہا ہے، کیوں ہو رہا ہے، یہ تو نہیں ہونا تھا خدا نے یہ تو نہیں کروانا تھا مجھ میں اتنی بد نصیب تو نہیں تھی خالہ، تو پھر کیوں کیوں، کیوں؟'' ماہا نے روتے ہوئے کہا اور اپنا چہرہ پیٹنے لگی کہ حنا بی بی نے اس کے دونوں بازوں پکڑا کہ اسے روکا وہ بھی رونے لگیں۔

''ماہا رک جاؤ خدا کے لئے رک جاؤ۔'' حنا بی بی نے التجاء کی ان سے ماہا سنبھالی نہیں جا رہی تھی، اس کے صبر کا باند ٹوٹ گیا تھا جذبات ابل پڑے تھے۔

''یہ سب میرے ساتھ کیوں ہوا، کیوں میرے ہی خوابوں کو میرے لئے امتحان بنا ڈالا یہ مہندی، یہ جوڑا، وہ سجاوٹ، میں نے خود اپنے ہاتھوں سے، اتنا ظلم، اتنا ظلم کیوں؟''

''تکلیف، درد، آہیں، میں بد نصیب ہو گئی۔'' اب ماہا کے الفاظ اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے سانسیں بکھر چکی تھیں۔

''محبت ایک بار ہوتی ہے خالہ، ایک بار کسی ایک سے اور میں...... میں اپنی محبت قربان کر دوں، میں ہی کیوں؟ میں نے میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا ہے خالہ وہ روشان سے محبت نہیں کرتی ہے، نہیں کرتی وہ اس سے محبت۔'' ماہا نے یقین سے کہا۔

روشان آوازیں سنتا ہوا اب دروازے تک آگیا تھا اور سب سن رہا تھا۔

''نہیں اب یہ نہیں ہوگا مجھ سے، یہ نہیں ہو رہا ہے مجھ سے، کیا خدا کو میری محبت پسند نہیں آئی

کیا وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا؟'' ماہا نے رو کر پوچھا۔

''نہیں ماہا، ایسا نہیں کہتے سنبھالو خود کو۔'' حنابی بی نے کہا۔

''تو پھر کیوں؟ وہ تو خدا ہے نا اگر وہ چاہے تو کیا نہیں ہو سکتا؟''

''کیوں وہ اس دل کو میری محبت سے بھر نہیں دیتا، آپ کہیں نا خدا سے میری محبت کو میرا عشق نہ بنائے میں مر جاؤں گی، محبت گناہ ہے اور میں بدنصیب، بدبخت، بدقسمت، میں مر رہی ہوں میری محبت مر رہی ہے۔'' ماہا حنابی بی کی گرفت سے نکلی اور قریب تھا کہ وہ جذبات میں آ کر اپنا سر دیوار میں دے مارتی روشان نے بڑھ کر اسے تھام لیا اور شانوں سے پکڑا کر جھٹکا۔

''ماہا سنبھالو خود کو۔'' روشان نے ڈانٹ کر کہا ماہا کسی معصوم بچے کی طرح سہمی اور روشان کی غصے بھری آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

''نہیں سنبھال پا رہی میں خود کو، تم سنبھالو نا، کچھ نہیں مانگوں گی تم سے بس مجھے چھوڑ کر نا جاؤ، اس کے ساتھ، نہیں نہیں روشان، میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں جان بھی دے سکتی ہوں، سب کچھ چھوڑ سکتی ہوں تم بس ایک بار۔'' ماہا بول رہی تھی۔

''تم اس وقت ہوش میں نہیں ہو ماہا۔'' روشان نے کہا۔

''کیوں؟ کیوں میں تمہیں قبول نہیں ہوں۔'' روشان ماہا کو دیکھ کر گنگ رہ گیا جیسے وہ ماہا نہیں کوئی اور تھی کیسے نفرت اور غصے سے بولی تھی وہ۔

''وہ مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے اس لئے، تم جانتے نہیں خوبصورتی کس کو کہتے ہیں ایک بار میرا ہاتھ تو تھامو میں تمہیں.....'' ماہا بول رہی تھی کہ روشان نے اسے حنابی بی کی سمت دھکا دیا حنابی بی نے ماہا کو تھام لیا ماہا نے حیران ہو کر روشان کو دیکھا۔

''یہ پاگل ہو چکی ہے آپ ہی سنبھالیں اس کو۔'' روشان نے غصے سے کہا وہ جانتا تھا ماہا کے جذبات اس پہ حاوی ہو چکے تھے، شاید وہ خود نہیں جانتی تھی کہ وہ کیا بول رہی تھی، روشان باہر جانے لگا کہ۔

''پچھتاؤ گے تم روشان۔'' ماہا زخمی لہجے سے بولی تھی روشان نے اسے پلٹ کر دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو کہ کیا بددعا ہے، ماہا کی آنکھوں میں جنون تھا۔

''ہاں تم پچھتاؤ گے روشان اور خدا کی قسم تب تک بہت دیر ہو چکی ہو گی، قسمت کسی کی سگی نہیں ہوتی اگر آج میں بدقسمت ہو سکتی ہوں تو تم.....'' ماہا بول ہی رہی تھی کہ کسی نے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا وہ اس کی محبت تھی، ماہا اچانک ایسے چونکی جیسے اب تک وہ نہیں اس پر قابض ہونے والی کوئی روح کوئی آسیب بول رہا تھا ماہا نے پہلے روشان، پھر حنابی بی اور آخر میں اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا اس کی مہندی مسخ ہو چکی تھی۔

ابھی روشان اسے حیران ہو کر دیکھ ہی رہا تھا کہ ماہا بے ہوش ہو کر ایک طرف کو گر گئی۔

''ماہا؟'' روشان آگے بڑھا، ماہا بے ہوش تھی۔

''ٹھیک کہتی ہے ماہا، کہ وہ بدقسمت ہے یہ جانتے ہو کوئی ماہا سے بھی زیادہ بدقسمت ہے۔'' حنابی بی نے روشان کو قابل رحم نظروں سے دیکھ کر کہا۔

''امی؟'' روشان حیران رہ گیا۔

''ہاتھ مت لگاؤ اسے۔'' حنابی بی نے

روشان کو جھٹک دیا اور علی کو آواز دی جو حنابی بی کی دور کی کزن کا بیٹا تھا علی اور عالیہ وہاں آئے اور ماہا کو ہسپتال لے گئے۔

ماہا کو اگلے دن ہسپتال میں ہوش آیا، عالیہ اس کے پاس بیٹھی تھی، ماہا نے کھڑکی کی طرف دیکھا تو اسے یقین ہو گیا کہ اب تک تو روشان اور صنم کی شادی ہو چکی ہو گی اور حنابی بی کی غیر موجودگی بھی یہ ہی کہہ رہی تھی۔

عالیہ ماہا کی طرف بڑھی وہ کچھ بول رہی تھی شاید حال پوچھ رہی تھی، پر ماہا کو کچھ سنائی ہی نہیں دے رہا تھا، وہ تو بت بنے لیٹی ہوئی تھی۔

وہ آ تو جائیں مگر انتظار ہی کم ہے
وہ بے وفا تو نہیں میرا پیار ہی کم ہے
میں کیسے مان لوں اس پہ کوئی اثر ہی نہ ہو
کہ دل تڑپتا رہے اور اسے خبر ہی نہ ہو
یہ دل خدا کی قسم بے قرار ہی کم ہے

اب تو شام ہونے کو تھی اور ماہا کے لئے شام بہت پہلے ہی ہو چکی تھی، ماہا نے آنکھیں بند کی اور گرم آنسو اس کی روح کو جلاتے ہوئے آنکھوں کے کناروں سے بہہ گئے۔

روشان اور صنم نے نکاح کے اگلے ہی دن کی فلائیٹ بک کروائی تھی ان کا ارادہ واپس جا کر سب وائنڈ اپ کر کے آنے کا تھا۔

یہ بات روشان نے ماہا سے نہیں کی تھی کیونکہ وہ تو پہلے ہی اداس تھی جب عالیہ اور حنابی بی ماہا کو لے کر گھر آئی تو گھر بہت سونا سونا لگ رہا تھا، جیسے ساری رونق غائب ہو گئی ہو۔

عالیہ ماہا کو اس کے روم میں لے گئی روشان اور صنم جا چکے تھے۔

''تم آرام کرو میں تمہارے لئے سوپ لے کر آتی ہوں۔'' عالیہ نے کہا۔

''ہوں۔'' ماہا نے کہا، عالیہ چلی گئی اور ماہا نے گہری سانس لے کر آہ بھری کہ اس کی نظر اپنی پسندیدہ شاعری کی کتاب پر پڑی جس سے ایک کاغذ کا ٹکڑا جھانک رہا تھا، ماہا نے ہاتھ بڑھا کر کتاب اٹھائی اور وہ کاغذ نکالا، ماہا پڑھنے لگی۔

''ماہا میں جانتا ہوں میں نے تمہیں بہت دکھ دیئے ہیں اس لئے میں اس قابل نہیں کہ تم مجھے یاد رکھو یا میرے لئے آنسو بہاتی رہو، بس اپنا وعدہ یاد رکھنا تم بدقسمت نہیں بہت خوش قسمت ہو کسی کا ہاتھ تھام کر اسے بھی خوش قسمت بنا دینا اور خوش رہنا، اب ہم کبھی رابطہ نہیں رکھیں گے ایک دوسرے سے اس میں ہی تمہاری بھلائی ہے خدا حافظ، روشان۔'' ماہا نے اس کاغذ کو اپنی مٹھی میں بھینچ لیا اور رونے لگی۔

''میں ہار گئی، میں ہار گئی۔'' ماہا نے خود سے کہا۔

☆☆☆

ماہا ہال میں بیٹھی تھی حنابی بی کچن میں کھڑی کھانا بنا رہی تھیں جب بیل بجی۔

''ماہا؟'' حنابی بی نے ماہا کو آواز دی ماہا اپنے خیالوں سے چونکی اور دروازے کی طرف بڑھی، ماہا کے نام ڈاک آئی تھی، ماہا لفافہ کھولتے ہوئے ہال تک آئی اور اب پڑھ رہی تھی کہ حنابی بی اس کے پاس آئی۔

''یہ کیا ہے ماہا؟'' حنابی بی نے پوچھا۔

''شکاگر شپ فارم اور۔'' ماہا رکی۔

''اور؟'' حنابی بی ماہا کے انداز پہ چونکی تھیں۔

''راہ فرار۔'' ماہا نے جیسے خود سے کہا۔

''کیا مطلب؟'' حنابی بی کو ماہا کی بات سمجھ نہیں آئی۔

''اس دن عالیہ کے کہنے پر میں نے ایک آن لائن ٹیسٹ دے دیا تھا، میرا نام شورٹ لسٹ

ہوا ہے ترکی جا کہ پڑھنے کی سکالرشپ ہے۔'' ماہا نے اس انداز میں کہا جیسے کہہ رہی ہو کہ اس نے بہت شوق سے اپلائے کیا تھا اور اسے سکالرشپ نہیں ملی۔

''ماشاء اللہ یہ تو بہت اچھی خبر ہے۔''

''ویسے بھی تمہیں آگے تو پڑھنا ہی چاہیے۔'' حنابی بی نے خوشی سے کہا۔

''آپ چاہتی ہیں میں وہاں پڑھنے کے لئے جاؤں؟'' ماہا نے ایسے پوچھا جیسے اس معاملے میں وہ خود کیا چاہتی ہے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

''ہاں بالکل میں تو یہ کہوں گی کہ تمہیں اس موقع کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔''

''کیوں تم نہیں جانا چاہتی؟'' حنابی بی نے سنجیدہ ہو کر پوچھا اور ماہا کا چہرہ اوپر کیا ماہا کی آنکھوں میں ناں لکھا تھا۔

''ماہا اب خود کو سنبھال لو۔'' حنابی بی نے آخری بار التجاء کی تھی۔

''قسمت ایسا کیوں کرتی ہے خالہ، ہمیں ہماری من پسند راہوں سے دھتکار کر کیا ملتا ہے اسے، مجھے تو بس روشان کی محبت چاہیے تھی اور بس، بس میں نے اپنے لئے کبھی کچھ نہیں مانگا تھا۔'' ماہا کی آواز کانپ گئی وہ سامنے دیکھنے لگی۔

''ماہا میری طرف دیکھو، میر جان شاید یہاں پر ہی تم غلط تھی، دیکھو تم ایک ایسے انسان کے لئے خود کو بھی بھول کر بیٹھی تھی جو تمہارے نصیب میں تھا ہی نہیں، اب سب بھول جاؤ، اپنے بارے میں سوچو تم تو اپنے بارے میں سوچتی ہی نہیں ہو، راہ بدل گئی ہے تو راستے کو گھورنا بند کرو۔'' حنابی بی نے پیار سے سمجھایا۔

''پر خالہ آپ تو سب جانتیں ہیں نا کہ۔'' ماہا رو کر بولی کہ حنابی بی نے ماہا کو دل سے لگالیا۔

''میں سب جانتی ہوں محسوس کر سکتی مجھے میری ماہا کی محبت پر فخر ہے، ہمیشہ رہے گا وہ آخرت میں تمہارا ہو گا، میں وہاں تمہاری محبت کے حق میں گواہی دوں گی پر اب تمہیں اسے بھول کر اپنے لئے جینا ہو گا ماہا، چاند کو حاصل کرنے کے جنون میں ستاروں سے منہ نہ موڑو۔'' حنابی بی نے پیار سے سمجھایا ماہا پھوٹ کر رونے لگی۔

''بس بس میری جان۔'' حنابی بی نے کہا۔

ماہا اپنے کمرے میں آئی اور وہ کاغذ بیڈ کی طرف اچھال دیا، دو پل وہ کسی روبوٹ کی طرح کھڑی رہی پھر اچانک نظریں اٹھا کر خود کو آئینے میں دیکھا۔

(چلی جاؤں میں یہاں سے دور، بھاگ جاؤں، کیا یہ ہی لکھا ہے میری قسمت میں، تو یعنی یہ سب پہلے سے ہی طے تھا، اگر سب یوں ہی ہونا لکھا تھا تو روشان کی محبت کو میرے دل کا راستہ کیوں دکھایا گیا، کیا ملا تجھے اس محبت سے، یہ آنسو، یہ بدحالی یہ ویران آنکھیں، میرے خوابوں کی کرچیاں، جب منزل دکھا کر روک لیا مجھے تو پہلے پل کیوں نہیں روکا؟ اب بھی تو روک ہی لیا تب بھی روک لیا ہوتا، ٹھیک ہے چلی جاتی ہوں) ماہا نے خود سے کہا اور اب آنسو ایسے صاف کیے جیسے ارادہ کر بیٹھی ہو کہ اب نہیں روئے گی۔

☆☆☆

ماہا نے ترکی جانے کا پروگرام بنا لیا یہ ایک فلی پیڈ سکالرشپ تھی، ماہا جانے کی تیاری کر رہی تھی، روشان اور صنم نے ہنی مون سے دو ہفتے بعد واپس آنا تھا ماہا ان کے آنے سے پہلے ہی چلی گئی، حنابی بی نے ماہا کو دعائیں اور ہمت دے کر رخصت کیا اور ماہا نے ان سے وعدہ کیا کہ وہ اپنا خیال رکھے گی، اپنے لئے جیئے گی اور خوش رہنے

کی کوشش کرے گی۔

☆☆☆

ترکی صبح کے پانچ بجے کا وقت تھا یہ ہوسٹل کا روم تھا، ماہا نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔

آج وہ صرف ایک نہیں بلکہ بہت سی دعائیں مانگ رہی تھی۔

ایک سال سات ماہ ہو گئے تھے اسے ترکی آئے۔

ماہا ایم بی اے کر رہی تھی جواب مکمل ہونے والا تھا، بس دو ماہ بعد ان کے فائنل پیپرز تھے ماہا پر زور حنابی بی سے بات کیا کرتی تھی روشان اور صنم ان کے ساتھ تین ماہ رہے پھر حنابی بی کو منا کر لندن لے گئے جہاں حنابی بی دو ماہ تک رہی وہاں ان کا دل نہیں لگا، کیونکہ صنم اور روشان دونوں ہی جاب پہ چلے جاتے تھے، حنابی بی وہاں سے واپس آ گئی اور اب اپنے بھائی کے پاس حیدر آباد میں ہوتیں تھیں جہاں وہ بہت خوش تھیں، روشان نے کہا تھا کہ وہ سب وائنڈ اپ کر کے وہاں آ جائیں گے پر یہ اب تک نہیں ہو سکا تھا ظاہر ہے ایسے کاموں میں وقت تو لگتا ہے۔

ماہا یونیورسٹی میں داخل ہوئی اور اپنی کلاس کی طرف جا رہی تھی آس پاس کے ماحول سے بے نیاز وہ اپنی ہی سوچوں میں گم تھی۔

(پتہ نہیں یہ زندگی عجیب ہے یا انسان، ہم کچھ چاہتے ہیں بہت شدت سے بے چینی سے اور ہمیشہ وہ ہی نہیں ملتا جس کو دل سے چاہا ہو، جس کے بنا زندگی بے کار لگتی ہے سب کچھ بے مطلب لگتا ہے ہم روز خود سے یہ کہتے ہیں کہ ہم اس کے بنا جی نہیں سکتے اور ہم روز زندہ بچ جاتے ہیں پتہ نہیں وہ خواہش ہم پر ہنستی ہے یا ہم اس پر۔

خیر یہ سب تو چلتا رہتا ہے اور پھر ہمیں ہماری چاہ سے دستبردار ہونا پڑتا ہے تب بھی ہماری جان نہیں نکلتی ہم جیتے ہیں سانس لیتے ہیں اور زندگی گزرتی رہتی ہے۔

کچھ لوگ ماضی میں جیتے ہیں، کچھ حال میں اور کچھ مستقبل کے خواب سجاتے ہوئے پر زندگی سب کو جینی ہی پڑتی ہے، روتے ہوئے تو کبھی ہنستے ہوئے۔

میں بھی تو دو سال سے جی رہی ہوں اس کے بنا جس کے بغیر دو پل جینا بھی عذاب لگتا تھا۔

خود کو حرام موت کے، حوالے کرنا بھی گوارہ نہیں ہے ورنہ خدا کو کیا منہ دکھاؤں گی روشان سے ایک وعدہ کیا تھا میں نے، شاید اب اسے نبھانے کا وقت آ گیا ہے قسمت مجھے راہ دکھا رہی ہے اور ہم راہی بھی پر سوال یہ ہے کہ کیا میں آگے بڑھ جاؤں؟

ماہا جواب سوچنے کی کوشش کر رہی تھی جب اس کی آنکھوں نے سوال کو دیکھا۔

''عامر کریم۔''

چھ فٹ تین انچ کا قد نیلی آنکھیں گوری رنگت اور ایسی خوبصورت مسکراہٹ کہ مسکرا کر جان بھی مانگے تو کوئی انکار نہ کر سکے، وہ ماہا کی طرف ہی آ رہا تھا عامر وہاں کا ہی شہری تھا وہ بھی ماہا کی طرح ایم بی اے کر رہا تھا۔

''ہیلو۔'' عامر نے پاس آ کر مسکرا کر کہا۔

''ہیلو۔'' ماہا نے کہا اور دونوں کلاس روم میں جا کر بیٹھے، ابھی لوگ کلاس روم میں نہیں آئے تھے پر ماہا یونیورسٹی آتے ہی اپنی پہلی کلاس میں آ جاتی تھی اور یہ سوچ کر کہ ماہا وہاں ہو گی عامر بھی سیدھا وہاں ہی چلا آتا۔

عامر کے والد صاحب پاکستان سے تھے،

جواب حیات نہیں تھے اس لئے عامر اردو اچھی بول لیتا تھا ماہا اور عامر دوست تھے اس حد تک کہ دونوں ساتھ بیٹھ جاتے کچھ بات چیت کر لیتے اور یہاں تک آنے میں بھی عامر کو تقریباً دو سال لگ گئے تھے، ورنہ جب اس نے پہلی بار ماہا سے بات کرنے کی کوشش کی تھی تو ماہا نے اسے جواب دینا بھی مناسب نہیں سمجھا تھا۔

پر اب عامر نے ہمت کر کے ایک بہت بات کہہ دی تھی اس لئے آج وہ ماہا سے ڈرا ہوا لگ رہا تھا۔

"آپ نے میری بات کے بارے میں سوچا؟" عامر نے ایسے محتاط انداز میں سوال کیا، جیسے ماہا اچانک کتابیں اٹھا کر اس کے سر پر دے مارے گی۔

"میں نے سوچنا تھا؟" ماہا ہر بار کی طرح سنجیدہ تھی اب اس نے خواب دیکھنا چھوڑ دیا تھا وہ لائف میں بہت سنجیدہ اور پریکٹیکل ہو چکی تھی۔

"ہاں ظاہر ہے۔" عامر نے کہا۔

"ویل میں نے نہیں سوچا۔" ماہا نے ایمان داری سے کام لیتے ہوئے سچ بتا دیا۔

"اور اس بے رحمی کی وجہ؟" عامر نے قدرے اداس ہو کر پوچھا۔

عامر پہلے دن سے ہی صرف دوستی نہیں چاہتا تھا اسے ماہا بہت اچھی لگتی تھی جبکہ ماہا دوستی سے زیادہ کچھ نہیں چاہتی تھی، عامر نے ماہا کو اپنے گھر آ کر فیملی سے ملنے کی دعوت کی تھی یہ التجاء اس نے بہت احترام سے کی تھی جسے ماہا دو ہفتے سے ٹال رہی تھی، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ یہ معمولی دعوت نہیں ہے وہ ماہا کو اپنی فیملی سے ملوانا چاہتا ہے۔

"میں جانتی ہوں آپ مجھے اپنی فیملی سے کیوں ملوانا چاہتے ہیں۔" ماہا نے سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یعنی میں پکڑا گیا۔" عامر نے جیسے خود سے کہا۔

"جی ہاں۔" ماہا کا انداز عامر کے ساتھ بے حد رسمی ہوتا تھا۔

"او کے سوری میں مانتا ہوں وجہ وہ ہی ہے جو آپ سوچ رہی ہیں، پر سارے فیصلے میں نے تو نہیں کرنے، آپ کی مرضی بھی کاؤنٹ کرتی ہے بلکہ یوں سمجھ لیں کہ آپ کی مرضی کی اہمیت پچاس سے ستر فیصد ہے، پر ایک بار میری فیملی سے ملنے میں کیا قباحت ہے؟"

"آپ صاف انکار کر دیجئے گا اور میں یہ سوچنا چھوڑ دوں گا میں بہت Hardsome ہوں کوئی بھی لڑکی مجھے انکار کر ہی نہیں سکتی۔" عامر ہمیشہ ایسی باتیں کر کے ماہا کو ہنسا دیتا تھا اور ماہا کے لئے سنجیدہ رہنا مشکل ہو جاتا تھا۔

وہ بہت اچھا انسان تھا شریف اور سلجھا ہوا اس نے آج تک ماہا سے کوئی غلط بات نہیں کی تھی اب بھی تو وہ التجائیں ہی کر رہا تھا، ماہا سوچنے لگی اب لوگ کلاس میں آنے لگے۔

"پلیز۔" عامر نے معصومیت سے کہا اور کچھ ایسی شکل بنائی کہ کسی کو بھی اس پر ترس آ جائے۔

"او کے، پر یہ صرف ایک فیملی لنچ ہے اور کچھ بھی نہیں۔" ماہا نے جیسے ہی کہا۔

"او کے ڈن، تھینک یو۔" عامر نے جلدی سے کہا کہ کہیں ماہا کا ارادہ بدل نہ جائے، عامر بہت خوش ہو گیا سر کلاس میں داخل ہوئے۔

"آج تو میں ناپ کروں گا۔" عامر نے مسکرا کر کہا ماہا حیران ہوئی وہ تو ایسے خوش ہوا جیسے اسے ساری دنیا مل گئی ہو۔

ماہا بھی عامر کی طرح عمر کے خوشگوار حصے

میں تھی پر اس کی سوچ بہت آگے بڑھ چکی تھی، عامر نے کہا کہ وہ سنڈے کو تیار رہے عامر اسے پک کرنے آ جائے گا۔

☆☆☆

روشان کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا صبح کے دس بج رہے تھے آج اسے آفس جانے کی فکر نہیں تھی کیونکہ وہ رات کو صنم کو بتا کر سویا تھا کہ آج کے دن وہ آفس نہیں جائیں گے آج ان کی شادی کی سالگرہ تھی۔

روشان فریش ہو کر روم سے باہر آیا یہ سوچتے ہوئے کہ صنم کچن میں ہو گی پر صنم گھر نہیں تھی روشان نے دیکھا کار کی چابی بھی غائب تھی روشان نے صنم کو کال کی تو کال واٹس میل پر چلا گیا، مطلب صنم نے اس میسنگ موڈ پر لگایا تھا۔

روشان نے اس کے لئے کوئی میسج نہیں چھوڑا اور فون ایک طرف رکھ دیا، آس پاس دیکھا جانے کیوں اسے اس گھر کی خاموشی سے اب وحشت ہونے لگی تھی۔

☆☆☆

ماہا تیار ہو چکی تھی جب اسے عامر کا میسج موصول ہوا کہ وہ باہر کھڑا ہے ماہا باہر آئی عامر اپنی کار کے پاس کھڑا تھا، اس نے ماہا کو آتے دیکھا۔

(ماہا تم مجھے اپنی سی لگتی ہو، جانے کیوں مجھے ایسا لگتا ہے کہ تم میری ہو میری ذمے داری ہو اس چہرے پر مسکراہٹ سجانا میرا کام ہے اور یہ آنکھیں صرف میرے عکس سے چمکیں گی۔)

"ہیلو۔" عامر ماہا کی آواز پر چونکا۔

"ہائے۔" وہ بس اتنا ہی کہہ سکا ماہا کو عامر کا اسے دیکھنے کا انداز تھوڑا عجیب لگا اور عامر نے یہ محسوس کر لیا۔

"سوری میں آپ کو ایسے گھورنا نہیں چاہ رہا تھا پر آپ بہت خوبصورت لگ رہی ہیں۔" بلیک کلر میں ماہا ہمیشہ بہت خوبصورت لگتی تھی عامر سے رہا نہیں گیا اس نے تعریف کر دی۔

"ہوں۔" ماہا نے نروس سے انداز میں کہا۔

"ہوں، نہیں آپ کو کہنا چاہیے کہ میں بھی بہت خوبصورت لگ رہا ہوں۔" عامر سنجیدہ لگ رہا تھا ماہا نے جواب نہیں دیا۔

"نہیں لگ رہا؟" عامر نے فکر مند ہو کر پوچھا۔

"جی آپ اچھے لگ رہے ہیں۔" ماہا نے کہہ تو دیا پر بہت رسمی سے انداز میں۔

"آہ، آپ نے خوبصورت نہیں کہا چلیں کوئی بات نہیں میں ابھی کے لئے اس سے ہی کام چلا لوں گا، آئیں۔" عامر نے ماہا کو کار میں بیٹھنے کا اشارہ کیا، عامر نے ایک نظر ماہا کو دیکھا۔

"ماہا آپ کو ایسا تو نہیں لگ رہا کہ میں بہت جلدی میں ہوں اور سب کچھ خود ہی طے کرتا جا رہا ہوں، دراصل میری لائف بہت سیدھی سی ہے میں ایک سمپل انسان ہوں ایم بی اے کے بعد فیملی بزنس، اپنا الگ گھر، فیملی اگر آپ ہاں کر دیں تو میری یہ عامر کی زندگی بہت خاص ہو جائے گی، ویسے بھی آٹھ کلاس کے بعد سے میری کوئی گرل فرینڈ نہیں ہے۔" عامر نے اپنے بارے میں آج کچھ سنجیدہ سے انداز میں بات کی اور آخری بات کرتے ہوئے جانے کیوں وہ مسکین سا لگا۔

"مطلب تب تھی؟" ماہا نے بھی آخری بات پر ہی ردعمل دیا۔

"ہاں اور وہ کافی کیوٹ تھی پر جب میں نے اسے آئی لو یو کہا تو اس نے اپنا ہینڈ بیگ میرے منہ پر دے مارا، امید ہے آپ ایسا نہیں کریں گی آپ کا ہینڈ بیگ بھی خاصا بھاری لگ رہا ہے۔" عامر نے ماہا کے پرس کو ڈر کر دیکھتے

ہوئے کہا جیسے وہ اسے اپنے چہرے پہ سلامی دیتا ہوا محسوس ہو گیا ہو۔

"نہیں میں ایسا نہیں کروں گی۔" ماہا نے بمشکل اپنی مسکراہٹ چھپا کر کہا۔

"شکر ہے بچ گیا میں، دیکھیں اب تو میں نے آپ کو اپنا ماضی بھی بتا دیا ہے۔" عامر کے اس انداز پر اب ماہا سے خود پر قابو نہ ہوا وہ بے ساختہ ہنس دی، عامر کب سے یہ ہی تو چاہ رہا تھا کہ ماہا مسکرائے اسے ایسے مسکراتے دیکھ کر عامر کے دل کو سکون ملا۔

"آپ مسکراتی ہوئی بہت خوبصورت لگتیں ہیں۔" عامر نے جیسے ہی کہا ماہا سنجیدہ ہو گئی اور سامنے دیکھنے لگی۔

"جب بھی میں آپ کی تعریف کرتا ہوں آپ چپ ہو جاتی نہیں، کیا برا مان جاتی ہیں؟" عامر نے فکر مند ہو کر پوچھا وہ کسی بھی وجہ سے ماہا کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"نہیں۔" ماہا نے بس اتنا ہی کہا۔

"Are you sure۔" عامر نے پوچھا۔

"یس۔" ماہا نے یقین دلانے والے انداز میں کہا۔

(مجھے خوشیوں سے ڈر لگتا ہے عامر یہ کبھی مجھے راس نہیں آتیں، ہنسنے سے مسکرانے سے ڈرنے لگی ہوں، اگر میں تمہارے ساتھ اس راہ پر چلنا نہیں چاہتی تو مجھے آج یہاں تک بھی نہیں آنا چاہیے تھا اور اگر اب چلی ہی آئی ہوں تو یہ سب سوچ کر کیوں خود کو قصور دے رہی ہوں، مجھے کیا کرنا ہے کیا نہیں میں سمجھ ہی نہیں پا رہی)۔ ماہا نے خود سے کہا۔

عامر نے کار اپنے گھر کے باہر روکی کار کی آواز سن کر عامر کی مام اور چھوٹا بھائی جس کی عمر سولہ برس ہو گی باہر آئے، ماہا نے دور سے ان کو دیکھا۔

"یہ ہے آپ کی فیملی؟" ماہا نے مسکرا کر پوچھا ماہا جانتی تھی کہ عامر کے والد صاحب اب حیات نہیں تھے۔

"ہاں یہ ہے میری فیملی۔"

"ہیلو فیملی۔" عامر نے مسکرا کر کہا، ماہا آگے بڑھنے ہی لگی تھی کہ اچانک بہت سے لوگ ایک ساتھ گھر سے باہر آنے لگے، مرد، عورتیں، بچیاں وہ کم سے کم بھی چالیس لوگ ہونگے ماہا کا منہ تو کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"آئیں۔" عامر نے تمیز سے کہا وہ محسوس کر رہا تھا کہ ماہا تھوڑی نروس ہو گئی تھی۔

ماہا نے دیکھا ان سب کے چہروں پر مسکراہٹ تھی وہ سب تو ماہا کو ایسے دیکھ رہے تھے جیسے ماہا کی عامر سے شادی ہو گئی ہے اور وہ سب اسے ریسیو کرنے کے لئے کھڑے ہیں۔

عامر نے اپنی زبان میں تعارف کروایا ماہا سب سے ملی عامر کی دو خالہ تھیں ان کی فیملی اور دو ماموں کے بیوی بچے دوست بھی تھے اور دادی جان بھی جو ماہا سے بہت محبت سے ملی۔

سب اس بڑے ہال میں بیٹھے جہاں سب کے بیٹھنے کے لئے کرسیاں لگائی گئی تھی اور ماہا کو درمیان میں ایک ایسی جگہ بٹھایا گیا جہاں سے سب اسے دیکھ سکیں، عامر ماہا کے ساتھ ہی بیٹھا تھا۔

"یہ سب لوگ اس گھر میں ہی رہتے ہیں؟" ماہا نے پوچھا ایسا لگ تو نہیں رہا تھا گھر چالیس لوگوں کے حساب سے چھوٹا تھا۔

"ارے نہیں میں اس فیملی کا اکلوتا جوان بیٹا ہوں اس لئے سب دیکھنا چاہتے تھے کہ میں نے اپنے لئے کس کو پسند کیا ہے اس لئے سب دور دور

سے آئیں ہیں ورنہ یہاں تو صرف ہم تینوں ہی ہوتے ہیں، آپ گھبرا تو نہیں رہیں؟" عامر نے پوچھا۔

"نہیں۔" ماہا نے کہا اور سب کی طرف ایک نظر دیکھا وہ سب تو اسے ایسے متوجہ ہو کر دیکھ رہے تھے جیسے ماہا کچھ بھی بول دے گی تو وہ خوش ہو جائیں گے، عامر کی امی نور بی بی آگے بڑھی اور ماہا سے باتیں کرنے لگی ان کو بھی اردو بولنا آتی تھی ان کے پوچھنے پر ماہا نے بتایا کہ ایک خالہ ہی ہیں بس فیملی میں۔

"فکر نہ کرو اب ہم سب ہیں نا تمہاری فیملی۔" نور بی بی نے پیار سے کہا۔

"مام...... وہ صرف دوست ہے میری۔" عامر نے فوراً ان کو ٹوکا۔

"اچھا، بتاؤں میں ماہا کو کہ کیسے تم دن رات بس اس کے بارے۔" نور بی بی بول رہی تھی کہ عامر نے ان کو آنکھوں کے اشارے سے روکا، وہ مسکرا کر وہاں سے چلی گئیں۔

ماہا نے عامر کی طرف دیکھا [illegible]س نے نظرے پھیر لی اور ماہا کی طرف جوس کا گلاس بڑھایا ماہا سے عامر کی خالہ نے کچھ پوچھا۔

"وہ کیا پوچھ رہی ہیں؟" ماہا نے عامر سے پوچھا۔

"وہ پوچھ رہی ہیں میں آپ کو کیسا لگتا ہوں؟" عامر قدرے شرمندہ سا لگا۔

"میں کیا کہوں؟"

"اگنور کر دیں۔" دونوں کلاس میں بیٹھے نالائق بچوں کی طرح آپس میں باتیں کر رہے تھے کچھ دیر بعد پھر کسی خاتون نے ماہا سے کوئی سوال کیا اب ماہا کو جواب نا دینا مناسب نہیں لگا، ماہا نے ہاں میں سر ہلا دیا اور اگلے ہی پل سب ایک ساتھ خوشی سے کھلا کھلا اٹھے۔

"میں نے کیا کہا؟" ماہا نے فکر مند ہو کر پوچھا۔

"انہوں نے پوچھا آپ مجھ سے شادی کریں گی اور آپ نے ہاں کہہ دیا۔" عامر بھی فکر مند لگا۔

"واٹ؟" ماہا اچھل ہی پڑی۔

"کوئی بات نہیں میں بعد میں سب کو سمجھا دوں گا۔" عامر نے کہا اور ماہا نے ان خاتون کی طرف دیکھا جو خوشی سے مسکراتے ہوئے عامر اور ماہا کی بلائیں لے رہی تھیں، اب ماہا مسکرا دی ماہا نے آس پاس دیکھا کتنی رونق لگی ہوئی تھی۔

سب خاص طور پر اس سے ملنے آئے تھے، بچے خوشی سے بھاگ رہے تھے وہاں تو جیسے عید کا سما تھا، کھانے کے ٹیبل پر ہزار قسم کی ڈشز تھیں ماہا کو تو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کھائے کیا نہیں؟

"ماہا بیٹی یہ کھاؤ نا یہ عامر کو بہت پسند ہیں۔" نور بی بی نے کباب جیسی دکھنے والی کوئی چیز اٹھا کر ماہا کی پلیٹ میں رکھی۔

"مام رہنے دیں ناں۔" عامر نے منع کیا۔

"کیوں بھلا؟" نور بی بی نے کہا عامر نہیں بولا، ماہا نے کھائی تو اسے اچھی تو لگی پر وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ سبزی تھی یا گوشت کی کوئی ڈش تھی۔

"کیسی لگی؟" نور بی بی نے پیار سے پوچھا۔

"بہت اچھی ہے۔" ماہا نے مسکرا کر جواب دیا۔

"جیتی رہو۔" نور بی بی نے کہا۔

"عامر ویسے یہ ہے کیا؟" ماہا نے عامر سے پوچھا۔

"مچھلی۔" عامر نے بتایا۔

ماہا کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، وہ تو مچھلی

کے نام سے ہی دور بھاگتی تھی۔

سب نے اسے پیار اور دعائیں دیں اور تحفے بھی جو انہوں نے پہلے سے پیک کر کے رکھے ہوئے تھے جیسے ماہا کی سالگرہ ہو، اب وہ منع بھی کیسے کرتی وہ ان سب کا پیار تھا جو ماہا کو بہت اچھا لگا ماہا کو بھی خاندان کا سکھ نہیں ملا تھا اور حنا بی بی سے بھی وہ دو سال سے نہیں ملی تھی، اسے یہ سب اچھا لگا تھا۔

"عامر نہیں تو ماہا بہت پسند ہے اور ماہا یہ بھی بہت اچھا ہے، اس کی گارنٹی ہم سب دیتے ہیں۔" نور بی بی نے پیار سے کہا، دونوں ہی چپ تھے۔

ماہا سب سے ملی اور اب عامر اسے واپس ہوسٹل چھوڑنے جا رہا تھا۔

"آپ کو میری فیملی کیسی لگی؟ ویسے بات تو میری ہے جب میں ہی پسند نہیں آیا تو فیملی کا کیا جواز۔" عامر نے خود ہی سوال کر کے خود جواب دے دیا وہ یہ کہتے ہوئے اداس لگا، ماہا مسکرا دی۔

"آپ کی فیملی بہت اچھی ہے۔" ماہا نے دل سے مسکرا کر کہا۔

"اور میں؟" عامر کے سوال کرنے پہ ماہا خاموش ہو گئی، دو پل خاموشی کی نظر ہوئے۔

"ماہا آپ میرے بارے میں سوچیں گی ناں، میں آپ کو بہت پسند کرتا ہوں اور اب یہ صرف پسند نہیں رہی I, m in love with you۔" عامر ایک پل کو بھی گھبرایا ہوا نہیں لگا، اب وہ بھی بے حد سنجیدہ تھا، اس نے اچانک کار ایک طرف روکی اور ماہا کی طرف متوجہ ہوا۔

"طے کر لیتے ہیں کہ ہمیں آگے جانا ہے یا نہیں؟" عامر نے مسکرا کر پوچھا، ماہا نے دو پل اسے دیکھا۔

"اگر انکار کر دوں تو؟" ماہا نے جیسے خود سے سوال کیا۔

"مجھے تو یہ سن کر ہی ڈر لگ رہا ہے ماہا۔" عامر نے ماہا کو پکارا کر کہا، ماہا نے گہری سانس لی اور سامنے دیکھنے لگی۔

"مجھے نہیں لگتا میں آپ کے لئے ایک درست انسان ہوں میرا ایک ماضی ہے اور....." ماہا بول رہی تھی کہ۔

"اور اس ماضی کو ماضی میں ہی رہنے دیتے ہیں کیا آپ کو لگتا ہے کہ مجھے ایسی بات سے فرق پڑے گا، مجھے تو آپ کے حال سے مطلب ہے اور میں آپ کے مستقبل کا حصہ بننا چاہتا ہوں، اگر آپ اجازت دیں تو۔" عامر نے بہت سلیقے سے کہا ماہا کو اس کی بات بہت اچھی لگی اور کتنا آزمایا جا سکتا تھا ایک انسان کو عامر کی آنکھیں اس کے دل کا حال بیان کرنے والا آئینہ تھی۔

ماہا اسے دو سال سے جانتی تھی اور اب اس کے بارے میں سب جان گئی تھی۔

"مجھے یقین ہے ہماری آنے والی زندگی بہت شاندار ہو گی بالکل کسی خوبصورت خواب کی تعبیر جیسی، ہماری جوڑی بھی اچھی ہے آپ بہت خوبصورت ہیں اور میں بھی ٹھیک ٹھاک ہوں اور دیکھیں آپ کی آنکھیں سبز ہیں اور میری نیلی ہمارے بچے بہت پیارے ہوں گے۔" عامر نے نارمل انداز میں کہا وہ زیادہ دیر تک سنجیدہ رہ ہی نہیں سکتا تھا۔

"اوکے میں سوچوں گی۔" ماہا نے کہا ہی تھا کہ۔

"بچوں کے بارے میں؟ ماہا ابھی سے، تو یہ اتنی جلدی ہے آپ کو؟" عامر نے حیران ہو کر کہا ماہا سے ہنسے بنا رہا نہ گیا۔

"آج کے دن اور ان ساری محبتوں کے

لئے شکریہ۔" ماہا نے مسکرا کر کہا۔

"نو پرابلم مائے لیڈی۔" عامر نے ادا سے سر جھکا کر کہا، وہ لوگ پھر سے روانہ ہوئے ماہا جانے لگی کہ۔

"ماہا!" عامر نے اسے پکارا۔

"جی۔" ماہا نے پلٹ کر کہا۔

"آئی لو یو۔" عامر نے سنجیدہ ہو کر کہا اور فوراً کار کی طرف ایسے پلٹا جیسا ماہا سچ میں اپنا پرس اس کے منہ پر دے مارے گی، عامر نے تو پلٹ کر دیکھا بھی نہیں یہ ماہا آسمان کی طرف دیکھ بس دی تھی۔

☆☆☆

رات کے نو بج رہے تھے جب روشان اچانک دروازہ کھلنے کی آواز پر چونک کر جاگا وہ صوفے پر بیٹھے بیٹھے وہاں ہی سو گیا تھا، صنم اندر داخل ہوئی۔

"ہائے۔" صنم نے نارمل انداز میں کہا روشان نے جواب نہیں دیا، اس کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ وہ خفا ہے پر صنم نے ابھی تک اس پہ دھیان ہی نہیں دیا تھا۔

روشان اور صنم کی زندگی شروع کے مہینوں میں تو بہت اچھی رہی پر اس کے بعد آہستہ آہستہ سب بدلنے لگا صنم نے پاکستان شفٹ ہونے سے انکار کر دیا اور حنا بی بی کا ان کے ساتھ رہنا بھی صنم کو کچھ خاص پسند نہیں تھا، روشان دونوں بار صنم کی بات مانتے ہوئے صبر کا مظاہرہ کیا۔

صنم نے گھر سے زیادہ آفس کو ٹائم دینا شروع کر دیا اتنا کہ روشان اپنا کام ختم کر کے گھر آ جاتا پر صنم آفس ہی ہوتی یا گھر آتی بھی تو کام میں مصروف رہتی۔

وہ گھر گھر نہیں ایک سرائے بن چکا تھا جہاں پہ دونوں صرف رات میں آرام کرنے کے لئے آیا کرتے تھے روز جو بھی ہوتا تھا روشان برداشت کر لیتا تھا پر آج ان کے لئے ایک اہم دن تھا جس کے ختم ہونے میں صرف تین گھنٹے باقی تھے۔

"صنم میں نے تمہیں رات کو کہا تھا کہ آج ہم آفس نہیں جائیں گے۔" روشان نے آرام سے پوچھا صنم اوپن کچن میں کھڑی پانی پی رہی تھی۔

"ہاں مجھے یاد ہے، پر میں یہ بھول گئی تھی کہ آج ایک ضروری میٹنگ تھی اور مجھے جانا ہی پڑا۔" صنم نے بھی نارمل انداز میں کہا۔

"او کے یہ سب چھوڑ فریش ہو کر تیار ہو کر تیار ہو جاؤ ہم ڈنر پر چلتے ہیں۔" روشان نے صنم کو اپنی طرف موڑا اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کر پیار سے کہا۔

"ڈنر؟" صنم نے ایسے کہا جیسے اس کا پانچ فیصد بھی موڈ نہیں ہے جانے کا۔

"ہاں آج ہماری زندگی کا ایک خاص دن ہے صنم کیا تم اسے مزید خاص نہیں بنانا چاہتی؟" روشان نے پیار سے پوچھا۔

"روشان میں بہت تھک گئی ہوں۔" صنم کا انداز التجا کرنے والا تھا کہ اسے بخش دیا جائے اور وہ آرام کرے۔

"پر کیا تمہیں بھوک نہیں لگی کم آن، چلتے ہیں یار۔" روشان نے منانے والے انداز میں کہا۔

"میں نے آفس میں کھانا کھا لیا تھا اور تم سے میں بہت تھک گئی ہوں ہم ایک کام کرتے ہیں ہم کل چلیں گے ڈنر پر اوکے؟" صنم روشان کو کسی معصوم بچے کی طرح بہلا کر وہاں سے جانے لگی کہ روشان نے اس کی کلائی پکڑ کر اسے روکا صنم نے پلٹ کر دیکھا۔

''کل ہماری شادی کی سالگرہ نہیں ہو گی صنم۔'' اب روشان بے حد سنجیدہ تھا۔

''سو واٹ؟ What,s a big deal? اس میں کون سی بڑی بات ہے۔'' صنم نے نارمل انداز میں کہا روشان حیران ہوا اور صنم کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

''گڈ نائٹ۔'' صنم کہہ کر وہاں سے چلی گئی، روشان تو اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

☆☆☆

ماہا اپنے کمرے میں تھی وہ کپڑے بدل کر فریش ہوئی اور اپنے بستر پہ آ کر بیٹھی اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔

ماہا کی نظر کھڑکی سے نظر آنے والے چاند پر پڑی وہ کھڑکی کے قریب گئی اور چاند کو دیکھنے لگی۔

''دو سال اور درد کے ہزاروں لمحے، وقت گزر رہا ہے ماہا اور یوں ہی گزرتا رہے گا، اسی کو تو زندگی کہتے ہیں، وہ بھی تو آگے بڑھ گیا تمہیں چھوڑ کر۔'' ماہا نے خود سے کہا۔

''اسے تم سے محبت نہیں تھی۔'' جیسے خود محبت نے ہی دلیل دی۔

''ہاں اور مجھے محبت ہے، پر محبت ثابت کر دینے سے محبت مل نہیں جاتی، اگر انتظار کرنے سے بل آخر محبت مل جایا کرتی تو کیا برا تھا انتظار میں، رونے سے دل کی مرادیں ملتی تو آنسو برے نہیں تھے، اب وہ کیسے مل سکے گا، مجھے وہ تو کسی اور کا ہو چکا ہے، کیا اب وقت آ گیا ہے؟ میں آگے بڑھ جاؤں؟''

''اپنی اس کمزور کشتی کو چھوڑ دوں جو کب سے برباد ہو چکی ہے اور اب صرف بھنور میں گھوم رہی ہے، دل جو چاہتا ہے وہ آج بھی چاہتا ہے پر جو ناممکن ہے وہ آج بھی ناممکن ہے، تو کیا میں بھول جاؤں اسے؟ ہٹ جاؤں اس راہ سے جس کے سامنے منزل ہے ہی نہیں، پہلے میں صرف روشان کے لئے جینا چاہتی تھی پھر اس کی خوشی کے لئے جیتی رہی اس سے دور ہو کر بھی زندہ رہی اب میں اپنے لئے جیوں گی شاید یہ ہی دوست فیصلہ ہے۔'' ماہا نے خود سے کہا اور ارادہ کر لیا اور حنا بی بی کو کال کی وہ جانتی تھی رات کافی ہو چکی ہے پر اسے بنا ان سے بات کیے نیند نہیں آنی تھی، ماہا نے حنا بی بی کو ساری بات بتائی وہ آرام سے سنتی رہی اور کچھ دیر سوچ کر بولیں۔

''اس کا ہاتھ تھام لو ماہا۔'' ماہا نے جواب نہیں دیا اور حنا بی بی کو اس کے رونے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

''تمہیں ایک بات بتاؤں ماہا وہ جب بھی مجھے کال کرتا ہے خدا کی قسم ایک بار بھی یہ نہیں پوچھتا کہ تم کیسی ہو؟'' حنا بی بی نے کہا تھا، ماہا کا دل اچانک سے بیٹھا۔

''باتوں باتوں میں، میں تمہارا ذکر کر بیٹھوں تب اسے یاد آتا ہے کہ بھی ہو یا تو وہ بہت شرمندہ ہے اور یا پھر بہت خود غرض اور جو بھی ہو تمہیں سمجھ جانا چاہیے کہ تمہیں کیا کرنا ہے، اگر خدا نے تمہیں ایک اچھے انسان سے ملوایا ہے جو تم سے محبت بھی کرتا ہے تو تمہیں اور کیا چاہیے ماہا، اب تو خود پر رحم کرو میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں یہ جانتی ہوں کہ تمہاری حالت بدلی نہیں ہو گی۔'' حنا بی بی نے پہلے سمجھایا اور پھر یقین سے کہا۔

''بدل تو گئی ہوں میں خالہ کسی اور کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔'' ماہا نے ایسے کہا جیسے وہ کوئی گناہ کر رہی ہے بے وفائی کر رہی ہے۔

''تو کیا ساری زندگی اس بے قدرے کے لئے روتی رہو گی، جسے تمہاری فکر تک نہیں ہے مجھے قسمیں واسطے دینے پہ مجبور نہ کرو ماہا، اپنی

زندگی برباد کرنا بند کرو۔'' حنا بی بی نے ڈانٹ کر کہا وہ بھی رونے لگی۔

''آگے بڑھ جاؤ۔'' حنا بی بی نے جیسے آخری بار التجاء کی تھی، ماہا نے آہ بھری اور آنسو صاف کر لئے۔

عامر اور ماہا کے فائنل پیپرز شروع ہو گئے عامر نے اس موضوع پہ ماہا سے کوئی بات نہیں کی ماہا بھی نہیں بولی بس دونوں پڑھائی کے حوالے سے بات کرتے اور پڑھائی پر دھیان دیتے جس دن آخری پیپر تھا عامر اس دن بہت بے چین تھا کچھ بولنے کی کوشش کرتا رہا پر ماہا پیپر دینے کے فوراً بعد وہاں سے چلی گئی۔

عامر اپنے روم میں تھا اور بے حد پریشان تھا اب تو ان کے پاس کالج میں ملنے کا آپشن بھی نہیں تھا اور وہ ماہا کو جانتا تھا وہ کبھی خود سے ملنے کا نہیں کہتی۔

''اب کیا کروں، نہ میری طبیعت خراب ہے نہ ہی میری برتھ ڈے اور ماہا سے ملنا ہے تو کسی چھوٹے بہانے سے کام نہیں چلے گا، کال کروں اسے، پر کہوں گا کیا پہلے تو کسی بات کا بہانہ بنا کر بات کر لیتا تھا کہ فلاں لیکچر کی سمجھ نہیں آئی اب کیا کہوں گا؟'' عامر فون پکڑے اپنے روم میں ادھر سے ادھر چکر لگا رہا تھا۔

''ماہا تم ہی کال کر لو مجھے۔'' عامر نے فون کی طرف دیکھ کر ایسے التجاء کی جیسے پیغام ماہا تک پہنچ گیا ہے۔

ماہا نے موبائل اسکرین کی طرف دیکھا۔

''میں کال کروں یا میسج کر دوں۔'' ماہا نے خود سے سوال کیا وہ عامر کو فائنل جواب دے دینا چاہتی تھی اس لئے اسے کہیں ملنے کا کہنا چاہ رہی تھی ارادہ تو اس کا شام میں کال کرنے کا تھا پر سوچتے ہوئے رات ہو گئی۔

شگفتہ شگفتہ ـــــ رواں دواں

ابن انشاء

اچھی کتابیں

پڑھنے کی عادت ڈالیں

ابن انشاء کی تازہ تصنیف

دخل در معقولات

شائع ہو گئی ہے

آج ہی اپنے قریبی بکسٹال یا براہ راست ہم سے طلب فرمائیں

لاہور اکیڈمی

چوک اردو بازار لاہور

042-3731797, 37321690

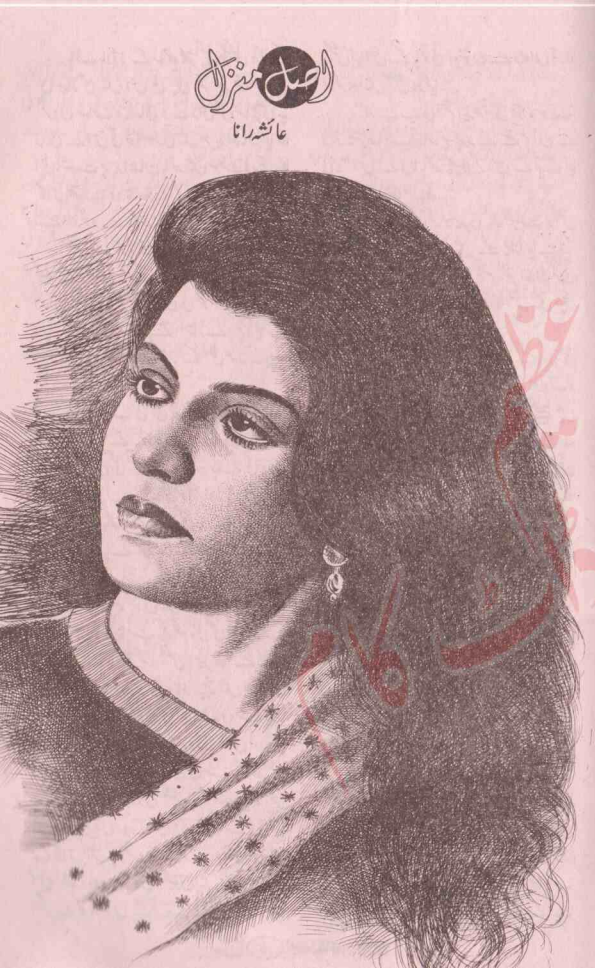

اصل منزل

عائشہ رانا

''ایسے اچانک اسے کال کروں گی تو وہ کیا سوچے گا؟'' ماہا نے خود سے کہا۔

''میں تو سوچ ہی نہیں پا رہا، عامر کریم تمہیں ماہا سے محبت ہوگئی ہے، اب کچھ بھی آسان نہیں ہے، یہ راہ تو بہت مشکل ہے، ہمت پکڑو۔'' عامر نے خود کو تسلی دی اور اچانک دونوں ہاتھوں سے موبائل کو پکڑ کر کہا۔

''مجھے ماہا سے بات کرنی ہے۔'' عامر نے تو ایسے کہا جیسے وہ فون نہیں اللہ دین کا چراغ ہے یہاں عامر نے حکم دیا اور وہاں کام ہو جائے گا۔

دو پل گزرے تھے کہ فون بجا عامر کی آنکھوں نے ماہا کالنگ کا اشارہ دیکھا اور گھبراہٹ اور حیرانگی کے ملے جلے تاثر میں فون عامر کے ہاتھوں سے پھسل گیا عامر فوراً فون کی طرف بڑھا اسکرین ٹوٹ گئی تھی موبائل دم توڑ گیا تھا۔

''نہیں۔'' عامر پرانی فلموں کی ہیروئن کی طرح بولا، ماہا نے پھر سے کال ملائی پر کوئی جواب نہیں ملا، ماہا حیران ہوئی کہ ابھی تو بیل جا رہی تھی کیا عامر نے فون ہی بند کر دیا۔

''ویسے بھی یہ وقت ٹھیک نہیں تھا صبح بات کر لوں گی۔'' ماہا نے خود سے کہا اور فون سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر سونے کے لئے بستر میں لیٹ گئی۔

ماہا کی آنکھ لگ گئی کہ اسے ایک آواز نے نیند کی وادیوں سے کھینچا اور وہ آواز تھی۔

''میاؤں۔'' ماہا کی نیند کچی تھی وہ سمجھ گئی کہ بلی کی آواز ہے، کروٹ لے کر پھر سے سونے لگی کہ آواز پھر سے آئی اور اس بار کافی قریب سے۔

''ماہا......؟'' کوئی سرگوشی میں بولا، ماہا نے ایک جھٹکے سے آنکھیں کھولیں اور سامنے دیکھا کھڑکی کے باہر کوئی تھا ماہا اٹھ کر بیٹھی لیمپ آن کیا اور غور سے دیکھا، وہ عامر تھا، ماہا حیران رہ گئی شال اٹھا کر کھڑکی کے پاس آئی اور کھڑکی کھولی۔

''عامر آپ ایسے؟'' ماہا تو گنگ رہ گئی ماہا کا روم دوسری منزل پر تھا جانے عامر وہاں تک کیسے آیا تھا، ماہا نے عامر کو اندر آنے کا راستہ دیا۔

''آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟ وہ بھی ایسے؟'' ماہا نے مدھم آواز میں پوچھا۔

''سوری آپ نے کال کی تھی پر عین وقت پر میرا فون ٹوٹ گیا، کوئی ضروری بات تھی؟'' عامر نے پہلے وضاحت دی اور پھر بہت فکر مند ہو کر پوچھا وہ بھی مدھم آواز میں بول رہا تھا، ماہا تو عامر کو دیکھتی ہی رہ گئی وہ صرف یہ بتانے اور پوچھنے کے لئے وہاں آیا تھا وہ بھی ایسے اور اس وقت وہ چاہتا تو کسی اور کے نمبر سے کال بھی تو کر سکتا تھا۔

پھر اتنی دیوانگی کیوں؟ ماہا جانتی تھی اس سوال کا جواب اس لئے اس نے سوال نہیں کیا محبت تو ایسی ہی ہوتی ہے اپنے محبوب کے بارے میں تو دن رات سوچتی ہے پر اس کے علاوہ زیادہ نہیں سوچتی، ماہا نے بھی تو ایسے ہی محبت کی تھی بنا سوچے سمجھے۔

''سوری مجھے یہاں ایسے نہیں آنا چاہیے تھا۔'' عامر نے ماہا کو خاموش دیکھا تو اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

''نہیں اٹس او کے مجھے آپ کو یہ کہنا تھا کہ کیا ہم کل لنچ پہ مل سکتے ہیں؟'' ماہا نے سنجیدہ ہو کر سوال کیا، عامر نے دو پل ماہا کو دیکھا۔

''لنچ پہ؟ ہم دونوں؟'' عامر اپنا شک دور کرنے کے لئے پوچھ رہا تھا۔

''جی۔'' ماہا نے نارمل انداز میں کہا۔

''ہاں ہاں ضرور It would be so good۔''

(باقی آئندہ ماہ)

ہاف بلاؤز کے ساتھ بھڑکیلی چمکیلی بلیک کلر کی ساڑھی میں اس کی پتلی کمر اور خوبصورت گردن صاف دیکھائی دے رہی تھی ساڑھی پہ زری نے اس کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کیا تھا اپنی نشست پر براجمان ہاتھ میں سوفٹ ڈرنک کا گلاس تھامے وہ نا جانے کن سوچوں میں گم تھی اپنے اردگرد سے بیگانہ۔

تقریب میں موجود تیز چکا چوند روشنیوں تیز بھڑکیلے کپڑوں ڈارک میک اپ ذرہ چہروں اور انواع اقسام کی پھیلی کلون کی خوشبوئیں شوبز کی دنیا میں چمکتے ابھرتے ستارے پرڈیوسرز، ڈائریکٹرز اور مختلف برانڈز کے اعلیٰ عہدے دار بھی موجود تھے۔

وہ ان سب کی ہی تو خواہش مند تھی اسی منزل کو پانے کے لئے تو وہ سرپٹ دوڑی تھی اور پھر دوڑتی چلی گئی تھی، آگے بڑھ جانے کی دوڑ، سب کچھ حاصل کر لینے کی دوڑ اور پھر اس دوڑ میں اپنا سب کچھ داؤ پر لگاتی گئی۔

''کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا پڑتا ہے۔''

کسی کے منہ سے ادا کیئے گئے جملے کی بازگشت اس کی سماعتوں میں ٹکرائی تھی لیکن پانے کی چاہ میں وہ اپنا سب کچھ کھو چکی تھی، مومنہ سے مومل ناز تک کا سفر کتنا کٹھن امیز تھا کتنے کشٹ اٹھائے تھے اس نے مومل ناز بننے میں اور جس منزل کی اس نے چاہ کی تھی اس نے وہ سب پالیا تھا وہ موجودہ دور کی نامور معروف ماڈل اور فلمی دنیا کی سپر سٹار ہیروئن بن چکی تھی سب کچھ حاصل ہو جانے کے باوجود دل مضطرب کو چین نا تھا صحرا میں بھٹکتی پیاسی روح آج بھی بے آب تھی اس نے گلاس ٹیبل پر دھر دیا اور سگریٹ سلگائی اور پھر اپنی سفید دودھیا مخروطی انگلیوں میں تھامیں نے، سگریٹ کو ہونٹوں کے قریب لے جا کر ایک لمبا کش لیا اس کے یاقوتی ہونٹوں سے دھواں آزاد ہو کر ہوا میں معلق ہو گیا۔

''ارے بے بی! تم ایدھر بیٹھی ہو سو سویٹ! ڈائریکٹر صاحب تمہارا پوچھ رہے تھے کم آن بے بی۔'' اس نے اپنا ہاتھ پھیلا کر اس کے آگے کیا تا کہ وہ اسے تھام سکے۔

''تم معذرت کر لو میری کچھ طبیعت بوجھل ہو رہی ہے میرے خیال میں مجھے چلنا چاہیے۔'' بوبی کے پھیلے ہوئے ہاتھ کو یکسر نظر انداز کرتی ہوئی وہ گویا ہوئی اور پھر سگریٹ کا کش لیتی اپنی نشست سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''لیکن میری جان تم اس طرح کیسے جا سکتی ہو؟ اتنی بڑی پارٹی کو تم کیسے اگنور کر سکتی ہو لوگ تو ایسی پارٹی میں مدعو ہونے کے خواب دیکھتے ہیں جبکہ اس وقت تم اس پارٹی کی جان بنی ہوئی ہو، ٹینا اور سپر سٹار رملہ اور نا جانے کتنی ہیروئن ڈائریکٹر جاوید ملک کا کنٹریکٹ سائن کرنے کے لئے مری جا رہی ہیں لیکن جاوید صاحب کی دلی منشاء یہ ہے کہ ان کا کنٹریکٹ صرف سپر سٹار مومل ناز ہی سائن کریں اور تم ہو کہ پارٹی چھوڑنیکی بات کر رہی ہو۔'' اس نے بڑی ادا سے ہاتھوں کو اِدھر اُدھر لہراتے ہوئے بات کی جو کہ اس کا بات کرنے کا مخصوص زنانہ انداز تھا وہ اس کا میک اپ ارٹسٹ بوبی تھا اور مومل کا خاص دوست بھی، مومل کی شوبز کی دنیا میں کامیابی میں کچھ ہاتھ بوبی کا بھی تھا۔

''میں نے کہا ناں میری طبیعت ٹھیک نہیں کنٹریکٹ کل بھی سائن ہو سکتا ہے میں کہیں بھاگی تو نہیں جا رہی۔'' بڑے لاپرواہ انداز میں کہتے ہوئے وہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی بوبی حیرت میں ڈوبا اسے دیکھتا ہی رہ گیا ایک وقت تھا جب مومل جاوید ملک کی فلم میں کام کرنے کے لئے

بہت ایکسائیٹڈ تھی لیکن آج اس کا انداز بوبی کے لئے بہت حیران کن تھا۔

ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے وہ تیز رفتار گاڑی کو بے مقصد ہی دوڑائے جا رہی تھی جس تقریب کو وہ اپنے پیچھے چھوڑ آئی تھی وہ اس سے بہت دور جانا چاہتی تھی وہ راہ فرار چاہتی تھی اپنے پیچھے چھوڑے ہر منظر کو وہ فراموش کرنا چاہتی تھی وہ نا صرف نظروں سے وہ اپنے دماغ سے بھی کھرچ دینا چاہتی تھی وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ خود سے فرار چاہتی ہے یا ان منظروں سے۔

کار اجنبی راستوں پر رواں دواں تھی وہ اس لمحے عجیب یاسیت بھری کیفیت میں مبتلا تھی وہ نہیں جانتی تھی اس کی منزل کیا ہے جیسے دماغ ماؤف ہو گیا تھا یا پھر وہ جان بوجھ کر سوچوں کی بھٹکا رہی تھی لیکن سوچیں یادوں کا پیراہن لئے کنڈلی مار کر بیٹھ گئی تھی اسے ڈسنے کے لئے، نجانے کتنے ہی دکھ پھر سے جاگ گئے تھے۔

☆☆☆

''اری او کمبخت مولوی عبدالرحمٰن کی بیٹی ہو تم جس کی نیکی کے قصے جہاں بھر میں مشہور ہیں۔'' سپارے پڑھتے بچوں کو چھٹی کا سندیسہ سنا کر ماں کچن میں آئی تھی اور جب کچن کا حال دیکھا تو ہر کام ویسے کا ویسے پڑا تھا مومنہ نے کسی کام کو ہاتھ نہیں لگایا تھا اور ہاتھ میں فیشن میگزین تھامے بڑے انہماک سے اس پر جھکی کوئی نمبر نوٹ کر رہی تھی۔

''امام مسجد کی بیٹی ہو کر تم کن خرافات میں گھسی ہوئی ہو۔'' اس کے ہاتھ میں موجود میگزین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ بولی۔

توبہ استغفار کا ورد کرتی ماں آخر کار دلبرداشتہ ہو کر خود ہی کھانا پکانے میں جت گئی لیکن مومنہ کے ردوبدل میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی اور ناں ہی ماں کے ڈانٹنے کا اس نے کوئی اثر قبول کیا تھا ماں اور باپ دونوں کی لاڈلی اکلوتی بیٹی تھی ضرورت سے زیادہ لاڈ اور پیار نے اسے بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔

مولوی صاحب مدرسے میں بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم دیتے تھے ان کی خواہش تھی کہ وہ اپنا ایک مدرسہ بنائے جس میں ان کے بعد ان کی بیٹی مومنہ یہ نیک کام سرانجام دیں لیکن زندگی نے انہیں مہلت ہی نا دی کہ اپنی اس خواہش کو تکمیل کیے بغیر ہی وہ دنیا سے رخصت ہو گئے ان کے بعد ان کی بیوی بچوں کو قرآن پاک کا سبق دیتی تھی لوگوں کے گھروں سے ہدیہ کے طور پر آئے معاوضے سے ہی ان کے گھر کا چولا چلتا تھا لیکن مومنہ اپنی موجودہ زندگی سے بے حد بیزار تھی وہ ہدیہ میں آئی روٹی کھا کر اور ہدیہ میں دیئے گئے لباس کو زیب تن کر کے زندگی نہیں گزارنا چاہتی تھی اس نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی تھی اللہ نے اسے بے پناہ حسن سے نوازا تھا اور اسے اپنی خوبصورتی پر بے حد ناز تھا وہ گھٹ گھٹ کر نہیں جینا چاہتی تھی، وہ آزاد پنچھی کی طرح آزاد فضا میں اونچی اڑان اڑنا چاہتی تھی لیکن اس اڑان کی خواہش میں وہ اڑتے اڑتے بہت دور نکل آئی تھی۔

''خوابوں کے پیچھے بھاگنے والے اکثر تباہ برباد ہوتے ہیں۔'' نصیحت بھری آواز آج بھی اسے بے بس کر گئی تھی، پلکوں کی باڑھ پھلانگتے آنسو اب اس کے رخسار بھگونے لگے تھے موتیوں جیسے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر اب رخسار بھگوتے اس کی صراحی دار گردن چومنے لگے موٹی خوبصورت گھنگھریالی لٹوں کے ہالے میں اس کا زرد چہرہ یکدم دکھی دیکھائی دینے لگا۔

''کون ہے یہ؟'' چمکتے چاند نے سرگوشی کی

بادلوں کی ٹولی نے یکدم چاند کو اپنے گھیرے میں لے لیا وہ مچل کر بادلوں سے نکلتا پھر سوالیہ ہوا۔

''یہ دنیا کی مایا ناز ہستی ہے ایک کامیاب ماڈل ایک کامیاب فنکارہ، سب کچھ تو ہے اس کے پاس عزت، شہرت، دولت، مقام، پیسہ، پھر ایسی بے بسی کیوں؟ نادان چاند بعض دفعہ سب کچھ ہو کر بھی انسان کے پاس کچھ نہیں ہوتا جیسے دل کے بنا دھڑکن اور جسم کے بنا روح نہ ہو تو انسان، انسان نہیں ہوتا۔'' بادلوں کی راگنی اس کے سر پر سے گزر گئی، گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑی جیسے وہ کسی جائے پناہ کی تلاش میں ہو۔

''سب کچھ ہونے کے باوجود میں آج بھی خالی ہاتھ ہوں تہی داماں تہی دست۔'' اسے اپنا آپ کبھی کبھی اک فقیر جیسا لگتا ایسا فقیر جس کے کشکول میں زندگی نے سب کچھ ڈال کر بھی جیسے کچھ نا ڈالا ہو بالکل خالی، ایک فقیر کے کشکول جیسا، وہ دوبارہ گاڑی میں آکر بیٹھ گئی اس نے گاڑی سٹارٹ کرنا چاہی لیکن گاڑی سٹارٹ ہونے سے انکاری ہو چکی تھی، وہ گاڑی سے باہر نکل آئی اس موبائل فون بیٹری ختم ہو جانے کی وجہ سے وہ بھی آف ہو چکا تھا، اس نے اردگرد نظر دوڑائی عجیب و ویران سی جگہ تھی اسے بہت دور فاصلے پر بلبوں کی روشنیاں جگنو کی طرح اندھیرے میں چمکتی کسی آبادی کے وجود کا ثبوت دے رہی تھی پھر اندھیرے میں اسے کچھ قدموں کے فاصلے پر اک جھونپڑی نظر آئی جس سے مدھم مدھم سی آتی روشنی کی ذی روح کے وہاں ہونے کی گواہی دے رہی تھی اپنی اضطرابی کیفیت میں وہ کہاں سے کہاں آ نکلی تھی اسے اپنی غلطی کی شدت سے احساس ہوا وہ قدم قدم چلتی ہوئی جھونپڑی کی طرف بڑھی، اس کے جوتے کی ہیل کی ٹک ٹک نے سوئی ہوئی خاموش فضا میں ارتعاش پیدا کر دیا تھا۔

''کوئی ہیں؟ سنیئے یہاں کوئی ہیں۔'' اس کے دو تین بار پکارنے پر جب اسے اس کا کوئی مطلوبہ جواب نا ملا تو جھونپڑی کے اندر داخل ہونے کے لئے اس نے قدم بڑھائے، بڑھتے قدموں کے ساتھ اک عجیب و انجانا سا ڈر اس کے وجود میں سرائیت کر گیا، اس نے جھونپڑی میں جھانکا تو جھونپڑی کے اندر ایک طرف جائے نماز بچھائے ایک بزرگ نماز ادا کر رہا تھا اس کے پاس رکھا اک دیا تواتر سے جل رہا تھا جس کی روشنی نے جھونپڑی کو روشن کر رکھا تھا اس بزرگ کو دیکھ لینے کے بعد موحل کا اٹکا ہوا سانس بحال ہوا تھا اپنے پکارے جانے پر کوئی بھی جواب نا پا کر وہ کچھ مایوس سی ہو گئی تھی، لیکن جھونپڑی سے آتی مدھم نارنجی روشنی نے اسے جو آس کی ڈور تھمائی تھی وہ اسی آس کے سہارے جھونپڑی میں قدم رکھ چکی تھی جیسے ہی بزرگ نے نماز ادا کر لینے کے بعد سلام پھیرا اور پھر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اس لمحے دعا مانگتے ہوئے بزرگ کے نورانی چہرے پر جو کیفیت طاری تھی اسے دیکھتے ہوئے وہ اک بار پھر ماضی میں جا پہنچی تھی وہ جتنا ماضی سے بھاگتی تھی اتنا ہی ماضی ایک سائے کی طرح اس کا پیچھا کیا کرتا تھا اس کے ابا بھی تو اسی طرح دعا مانگا کرتے تھے کس قدر خشوع خضوع کے ساتھ بہت لمبے عرصے بعد اس نے کسی کو نماز کی حالت میں دیکھا تھا وہ جھونپڑی میں بچھی ایک طرف چٹائی پہ جا بیٹھی اس کی نظریں بدستور اس بزرگ پر جمی تھی اس لمحے جب وہ اپنے رب کے حضور فریاد کناں تھا۔

''جب ہم قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں تو رب اپنے بندے سے ہم کلام ہوتا ہے اور جب ہم نماز ادا کرتے ہیں تو ہم اپنے رب سے

ہم کلام ہوتے ہیں۔'' اس کی ماں کے منہ سے ادا کیے گئے جملے اس کی سماعتوں میں گونج رہے تھے اس وقت وہ بزرگ اپنے رب سے ہم کلام تھے اپنے رب کی بارگاہ میں اس کی حاضری کا وقت تھا اس لمحے اسے اپنی موجودگی بے مصرف اور بے وقعت سی محسوس ہوئی گناہ گاروں کی صف میں اسے اپنا ناپاک وجود اس پاکیزہ جگہ پر ناقابل قبول محسوس ہوا وہ تیزی سے باہر جانے کے لئے اٹھی۔

''کون ہو تم بیٹی؟'' مشفقانہ لہجے میں استفسار کیا گیا، باہر کی طرف اٹھنے والے قدم اس کے وہی تھم گئے، اس نے بزرگ کو بتایا کہ وہ راستہ بھٹک چکی ہے بزرگ نے سب سے پہلے دیوار پر لٹکی چادر اس کی طرف بڑھائی۔

''بیٹی اس چادر کو اوڑھ لو۔'' اس نے جلدی سے چادر پکڑ کر اپنے اوپر اوڑھ لی، اس لمحے اسے اپنے نامکمل لباس سے شرم محسوس ہوئی پہلی بار اسے اپنا لباس ناموزوں لگا تھا جب اس نے بتایا کہ اس کی گاڑی خراب ہو چکی ہے تو بزرگ نے کہا۔

''بیٹی گھبراؤ مت ایک لڑکا میرے لئے کھانا لینے گیا ہے جیسے ہی وہ آتا ہے میں اسے کہتا ہوں وہ دیکھ لے گا کیونکہ وہ لڑکا ورکشاپ میں کام کرتا ہے اور بہت سمجھ دار ہے وہ تمہاری گاڑی ضرور ٹھیک کر دے گا اتنی دیر میں تم یہاں آرام سے بیٹھو۔'' موحل کا اٹکا ہوا سانس بحال ہوا تھا اور اس نے دل ہی دل میں رب کا شکر ادا کیا تھا۔

''لیکن بیٹی تم نے اپنا نام نہیں بتایا اور اس وقت تم اکیلی کہاں جا رہی تھی؟''

''نام؟ میرا نام؟'' خلا میں دیکھتے ہوئے وہ سوچنے لگی کہ وہ اپنے کس نام سے اپنی شناخت کروائیں۔

''مومنہ یا پھر موحل ناز۔''

''مومنہ!'' جس شناخت کو عرصہ پہلے اپنی ماں کی قبر کے ساتھ ہی دفنا چکی تھی۔

''موحل ناز۔'' وہ شناخت جو اس کے وجود میں اس کی رگوں میں زہر بن کر گردش کر رہی تھی زہر کی تکلیف وجود کو تڑپانے لگی تھی۔

''کچھ خوابوں کی تعبیر بہت بھیانک ہوتی ہے انسان کو مار دینے والی، اور مجھے ڈر ہے تمہیں تمہارے خوابوں کی تعبیر مار کر کہیں ایسی جگہ نہ پھینک دے جہاں پہ کوئی نہ ہو بچانے والا ہاتھ بڑھا کر تھام لینے والا، جہاں صرف اندھیرا ہو، تنہائی ہو، وہ تنہائی جو عذاب جان ہو ہر طرف بکھیری تمہارے خوابوں کی کرچیاں تمہیں زخمی کریں اور تم چاہ کر بھی خود کو ان سے بچا نہ سکو۔'' ایسے ہی روح کو تڑپانے والے روح کو جھنجھوڑ کر رکھ دینے والے الفاظوں کی بازگشت اس کا پیچھا کیا کرتی تھی۔

''کیا سوچ رہی ہو بیٹی؟''

''میں ایک بنت آدم ہوں بابا۔'' اپنے خیال میں اس نے اپنی شناخت بیان کی۔

''میری منزل...... شاید کہیں کھو دی ہے میں نے اپنی منزل۔''

جب شیطان انسان کو گمراہ کرتا ہے تو وہ ہمیشہ اسی طرح بھٹک جایا کرتا ہے اپنے صحیح راستوں کا تعین کرنے کے بجائے وہ بھٹکے ہوئے راستوں پر چل نکلتا ہے اور پھر اس کی منزلیں کھو جاتی ہے جیسے کہ اس لمحے وہ اپنی منزلیں کھو چکی تھی۔

''کیا بات ہے بیٹی بہت اداس اور مضطرب معلوم ہوتی ہو۔'' اس کے سامنے چٹائی پہ بیٹھتے ہوئے بزرگ نے اپنے سابقہ سوالوں کو فراموش کرتے ہوئے اسے ایک نیا سوال تھمایا تھا۔

"روح کو سکون نہیں ہے بابا عجب اضطراب ہے۔" اس کے چہرے پر دکھ اور دردکی تحریر رقم تھی وہ بکھرنے لگی تھی۔

"آپ تو بہت نیک انسان ہے اللہ کے نیک بندے اللہ کے بہت قریب، میرے لئے دعا کریں بابا میری تڑپتی روح کو سکون آجائے یا پھر مجھے دم کردیں شاید اس طرح ہی میرے بے چین دل میں جو ہلچل مچی ہے وہ طوفان تھم جائے۔" ٹوٹے بکھرے اداس و یاسیت بھرے لہجے میں بولتی اس لمحے وہ بہت قابل رحم لگ رہی تھی۔

"نماز پڑھتی ہو بیٹی؟" اس کی حالت کو محسوس کرتے ہوئے بزرگ نے اس سے اگلا سوال کیا۔

"نماز؟" اس نے شرمندگی سے نظریں اور گردن جھکا کر نفی میں سر ہلایا۔

"بیٹی نماز ادا کیا کرو، خدا کی قسم تمہاری بے چین روح کو سکون آجائے گا، اس کے قریب ہونے کے لئے کوئی پہاڑ یا چوٹی سر نہیں کرنی پڑتی وہ تو خود تمہاری شہ رگ کے قریب ہے، اس سے مانگو روح کا سکون جس نے ہر ذی روح کی تخلیق کی ہے اور بحیثیت مسلمان فرمایا گیا ہے۔"

"کافر اور مسلمان میں فرق نماز ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے، جو شخص نماز نہیں پڑھتا پھر وہ جو چاہے کرے۔"

"اپنی آنکھیں بند کرو بیٹی اور اپنی روح کے سکون کو اپنے اندر تلاش کرو۔" اس نے اپنی آنکھیں بند کی تو بزرگ نے بلند آواز میں درود پاک پڑھا اور پھر سورۃ رحمٰن کی تلاوت کی اور پھر اس کی بند آنکھوں کے پیچھے اندھیرا چھٹنے لگا اک سرشاری سی اترنے لگی جیسے جیسے بزرگ تلاوت کررہا تھا اسے یوں لگ رہا تھا جیسے تپتے صحرا میں بھٹکتی پیاسی روح پر بارش کی بوندیں ٹپک پڑیں ہو اس کی جل تھل روح کو ٹھنڈی پھوار نے پرسکون کردیا ہو مومل نے اپنی آنکھیں کھولی تو تشکر سے آنسو لبالب تو اتر سے اس کے چہرے کو بھگونے لگے اس کی روح اس لمحے سیراب ہورہی تھی، سکون کی دیوی اس پر مہربان ہوچکی تھی اور پھر وہ لڑکا جو بزرگ کے لئے کھانا لینے گیا تھا جب وہ آیا تو بزرگ کے کہنے پر اس نے اس کی گاڑی ٹھیک کردی تھی اور پھر وہ واپس چلی گئی سکون کی جو چادر اس بزرگ نے اس پر اوڑھی تھی وہ اب بھی اس کے وجود کو اپنے حصار میں لئے ہوئی تھی وہ گھر آئی تو بہت عرصے بعد نیند کی دیوی اس پر مہربان ہوئی تھی اپنی نرم ملائم سکون دے آغوش میں اسے تھپکتے سہلاتے نیند کی وادیوں میں سیر کے لئے لے کر نکل کھڑی ہوئی تھی۔

☆☆☆

ایک لمبی سکون بھری نیند لے کر وہ اٹھی تھی بغیر کسی تھی سلیپنگ پلس کے بہت عرصے بعد اسے اتنی بھرپور نیند آئی تھی رات کا سارا منظر اس کی آنکھوں کے آگے گھوم گیا تھا بزرگ کی اوڑھائی ہوئی چادر اب بھی اس کے گرد لپٹی ہوئی تھی رات اس قدر سرشاری میں وہ کھوئی ہوئی تھی بغیر چینج کیے وہ جیسے آئی تھی ویسے ہی آکر لیٹ گئی تھی اس نے وہ چادر اتار کر اچھے سے تہہ لگا کر الماری میں رکھ دی شاور لینے کی غرض سے باتھ روم میں گھس گئی شاور لینے کے بعد وہ فریش ہوکر باہر آئی تو حسب معمول ڈرائینگ روم میں بوبی اس کا منتظر تھا۔

"ہائے بے بی، ہاؤ آر یو؟" یہ کہتے ہوئے بوبی اپنی نشست سے مومل ناز کو گلے لگانے کے لئے اٹھا، لیکن وہ جواب میں صرف فائن کہتی ہوئی سامنے والے صوفے پر بیٹھ چکی تھی اور یہ پہلی بار

ہی ایسا ہوا تھا ورنہ مومل تو ہمیشہ اسے بہت محبت بھرے انداز میں ملا کرتی تھی۔

"کیا بات ہے بے بی! آر یو اوکے؟"

"یس آئی ایم فائن، ہاں بتاؤ کوئی کام تھا؟"

"ہاں یہ کنٹریکٹ کی فائل تم اچھے سے دیکھ لو، رات کو جاوید ملک کے فام ہاؤس میں ایک پارٹی ہے اور اس پارٹی کی گیوسٹ سلیبریٹی تم ہی ہو اپنی نئی فلم کے اعزاز میں وہ یہ پارٹی کررہا ہے بے بی جاوید ملک بہت بڑا ڈائریکٹر ہے اس کی فلم تمہیں کہاں سے کہاں پہنچا دے کی تم اندازہ بھی نہیں کرسکتی، ہاں لیکن جاوید ملک ہے بڑا کمینہ انسان۔" بوبی اپنے مخصوص انداز میں بولے ہی چلا جارہا تھا۔

"بوبی! کیا پارٹی میں جانا ضروری ہے؟"

"کیسی باتیں کررہی ہو مومل، جبکہ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ یہ شوبز کا حصہ ہے۔"

"ہاں میں جانتی ہوں ڈائریکٹرز کی یہ پارٹیاں شوبز کا حصہ کیوں ہے ابن آدم کی گندی نفسیاتی خواہشات کو یہی پر تو تسکین ملتی ہے پارٹی تو بس ایک بہانہ ہوتی ہے ان پارٹیوں پر لاکھوں روپے لگاتے ہیں تو ہم جیسی کئی گھ پتلیاں ان کے بستر کی زینت بنتی ہیں۔" الفاظ تھے یا نشتر، اس کے لہجے میں درد کی امیزش شامل تھی، اتنے میں نوکرانی فریش جوس لئے حاضر ہوئی جس کا گلاس ہونٹوں کو لگاتے ہوئے بوبی کو پہلی بار اس کے لہجے میں اک عجیب سا بدلاؤ محسوس ہوا تھا، مومل ناز جوس کا گلاس ہاتھ میں تھامے کھڑکی کے پاس چلی آئی تھی۔

"اماں! دنیا کی بہت سی لڑکیاں ماڈلنگ کرتی ہیں اور پھر اس میں بہت پیسہ ملتا ہے ہمارے دن بدل جائیں گے ہمارے پاس اچھا گھر ہوگا گاڑی ہوگی سب کچھ ہوگا اور یہ جو تو عزت کا ڈھنڈورا پیٹتی ہے ناں، آج اس کی عزت ہے جس کے پاس پیسہ ہے۔"

"خدا کے عذاب سے ڈر مومنہ تو مولوی عبد الرحمٰن کی بیٹی ہے تیرے باپ نے خواب دیکھا تھا کہ تو مدرسے میں دین کی تعلیم دیں کتنا اچھے سے اس نے تجھے قرآن پاک پڑھایا تھا تاکہ تو بھی اسی طرح دوسروں کو پڑھا سکیں تاکہ تو نیکی کا کام کریں اور تیری آخرت سنور سکیں لیکن تو تو گناہ کی دلدل میں گرنا چاہتی ہے خدا کے لئے اس گناہ کی دلدل میں خود کو گرنے سے بچالیں، بیٹی اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے لئے گڑھا نا کھود۔" ماں کے مرنے سے پہلے ماں کی آخری نصیحت کو اسنے کیسے جھٹلایا تھا اپنے خوابوں کے پیچھے وہ اس قدر اندھی ہوچکی تھی کہ یہ جانے بغیر کہ وہ واقعی اپنے لئے دلدل کا راستہ چن چکی تھی آنسو بے قابو ہونے لگے اسے اپنا آپ گہرے پاتال میں گرتا محسوس ہورہا تھا نیچے بہت نیچے جہاں سیاہ رات جیسی سیاہی کے سوا کچھ نہیں تھا، سوائے ٹوٹے خوابوں کی کرچیوں کے اور اب وہ کرچیاں اس کے جسم میں گھس گھس کر اسے زخمی کرنے لگیں تھیں اس کا پورا وجود لہولہو ہونے لگا وہ خود کو بچانے کی کوشش میں مزید زخمی ہوتی گئی وہ مررہی تھی، لمحہ بہ لمحہ آہستہ آہستہ اور پھر..... وہ مرگئی ہاں ایک کامیاب ایکٹریس ایک کامیاب ماڈل مرگئی تھی خود اپنے ہی اندر خاموش، بے موت مرنا کیسا ہوتا ہے یہ کوئی اس سے پوچھتا، کھڑکی کے اس پار سورج اپنی تمام تر تمازت کے ساتھ چمک رہا تھا روشنی اس قدر تیز تھی کہ آنکھوں کو چندھانے کے لئے کافی تھی، خود کو پرسکون کرنے کے لئے اس نے آنکھیں بند کرلیں۔

☆☆☆

کنٹریکٹ کی فائل اس کے سامنے ٹیبل پر موجود تھی ہاتھ میں ڈرنک تھامے جاوید ملک کی ہوس زدہ نظریں اس کے وجود کے آر پار گزر رہی تھی جیسے جام کی طرح وہ اسے بھی پی جانا چاہتا ہو۔

''کیا ہی اچھا ہو بے بی اگر آج کی شام تم ہمارے نام کر دو۔'' وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے سرگوشی میں بولا تو اس کی بدبودار گرم سانسیں اسے اپنے وجود پر محسوس ہوئی۔

''اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مسلمان عورتوں سے فرمادیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔''

رات کی تاریکی کو چیرتی بزرگ کی آواز دور تک پھیلنے لگی اس کے ساتھ اس کے آنسو بھی جو بڑی روانی سے بہتے اندر کا میل کچیل صاف کرتے نور جگا رہے تھے اور جس کے اندر نور جاگ اٹھے وہ خوش قسمت ترین ہوتا ہے قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

''وہ عورت جو تیار ہو کر نامحرموں میں اترا اترا کر چلتی ہے بروز قیامت وہ مجسم تاریکی ہوگی جہاں نور کی کرن تک نہ ہوگی۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''کہ شب معراج میں، میں نے عورتوں کو عذاب میں دیکھا۔'' ایک پل کو اسے اپنے جسم میں کپکپی دوڑتی محسوس ہوئی۔

''میں نے دیکھا عورتیں بالوں سے لٹکی ہوئی ہے اوران کا دماغ کھول رہا ہے جیسے پانی کھولتا ہے (توبہ استغفار) یہ ان کی سزا تھی جو اپنے بال نامحرموں کو دیکھاتی تھیں اگر تمہیں اپنی زندگی میں ایسا ایک عمل بھی نظر آئے تو تم سمجھ لو کہ تم مسلمان ہو مومن نہیں، کیونکہ مسلمان اور مومن میں بہت فرق ہے مومن وہ ہے جو اپنے لئے پسند کرے وہی اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی اور جو وہ اپنے لئے ناپسند کرے وہی دوسروں کے لئے ناپسند کرے۔'' آنسو قطرہ قطرہ گرتے اس کے گناہوں کو مٹانے لگے ہر طرف نور چمکنے لگا۔

''کیونکہ اللہ بڑا رحمٰن ورحیم میرا پاک رب ہے۔'' وہ تیزی سے اٹھی اور پارٹی کے اس بڑے سے ہال سے نکلتی چلی گئی، اسے لگا جیسے کوئی آواز ہوا میں گونجتی ہوئی اس کا پیچھا کر رہی ہو۔

''اے خوابوں کے پیچھے بھاگنے والی نادان لڑکی کہیں ایسا نہ ہو کہ تم انہی خوابوں کے ہاتھوں ایسے ٹوٹ کر بکھرو کہ تمہیں اپنی ہی کرچیاں زخمی کر دیں تمہاری روح کو چھلنی کر دیں تم فرار چاہو اور تمہیں فرار نا ملے۔'' اس نے تڑپ کر اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیا لیکن آواز کی بازگشت بدستور گونجتی ہی رہی کیونکہ یہ آواز تو کہی اس کے اپنے اندر سے آرہی تھی، وہ تیز گاڑی کو دوڑاتی ہوئی گھر آئی، عورت کی عزت کانچ کے برتن جیسی ہوتی ہے جو اگر ایک بار ٹوٹ جائے تو اسے جوڑ بھی لو تب بھی اس میں دراڑ پڑ جاتی ہے رات کی تاریکی اسے کھا گئی یا پھر شاید اس کے اپنے ہی خواب، وہ ایک جیتے جاگتے وجود سے کھلونا بنا دی گئی جس کا دل آتا اس سے کھیلتا پھر قدموں تلے مسل کر چلا جاتا، وہ روتی تو آنسو تک نا نکلتے سسکیاں اندر ہی کہیں دم توڑ گئیں ہاں لیکن ضمیر کبھی کبھی اسے سنگ باری کرتا کرتا تھک جاتا اور وہ ضمیر کا گلا گھونٹ دیتی لیکن آج...... آج اس کا ضمیر جیت گیا تھا آج وہ چیخ چیخ کر روئی تھی کھڑکی کے اس پار بادلوں کی اوٹ میں کبھی چھپتا کبھی نمودار ہوتا چاند بھی اس کے ساتھ رویا تھا وہ روتی رہی بلکتی کرلاتی رہی، بے چین دل میں جو تکلیف دے سمندر ٹھاٹھے مار رہا تھا، جو کب سے بہہ جانے کے لئے بے تاب تھا وہ آخر کب تک اس پر بندھ

باندھ سکتی تھی، وہ آنسوؤں کے راستے بہہ نکلا وہ ساری رات اس نے آنسو بہاتے ہوئے گزار دی، ایک سیاہ رات وہ اس سیاہ رات کی سیائی آنسوؤں سے وہ خود کو دھونے لگی کالی سیاہ رات کی سیاہی میں روشن صبح کی صاف ستھری روشنی کے انتظار میں خود کو بھگوتی رہی، وہ نڈھال سی پڑی تھی کہ آذان کی آواز گونجی۔

اللہ اکبر......اللہ سب سے بڑا ہے۔

اللہ اکبر......اللہ سب سے بڑا ہے۔

وہ ایک نئے عزم کے ساتھ اٹھی اس نے غسل کیا ایک مکمل اور عام سا لباس زیب تن کیا جو اس لمحے اسے سب سے زیادہ خاص محسوس ہو رہا تھا اور پھر وہ وضو کرنے کھڑی ہوگئی۔

''اپنا سکون اپنے اندر تلاش کرو بیٹی اس کے قریب جانے کے لئے کوئی پہاڑ توڑنے نہیں پڑتے۔''

''وہ تمہاری شہ رگ کے قریب ہے۔''

''اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ شفا اور سکون نماز میں رکھا ہے۔'' بزرگ کی بازگشت ایک بار پھر اس کی سماعتوں میں ٹکرائی اس نے جائے نماز بچھائی اور نماز ادا کی اور پھر سجدہ ریز ہو کر رو رو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگی، وہ شرمندہ جھکی نظروں برستے آنسوؤں اور لرزتے ہاتھوں کے ساتھ وہ اپنے رب کی بارگاہ میں حاضری دے رہی تھی اپنے گناہوں پر شرمندہ معافی کی طلب گار تھی۔

''بابا! کیا وہ اپنے گناہ گار بندوں کی بھی سنتا ہے؟''

''بیٹی وہ تو ستر ماوؤں سے بھی زیادہ اپنے بندے سے پیار کرتا ہے کبھی مانگ کر تو دیکھو اس کی رحمت کے خزانوں میں کمی نہیں وہ نوازنے پہ آتا ہے تو جھولیاں بھر بھر کر نوازتا ہے۔''

☆☆☆

گزشتہ شام اپنے وجود میں ان گنت روشنیاں لئے اتری تھی، کبھی کبھی بڑھتی تاریکی میں یوں گماں ہوتا ہے جیسے کسی نے شہر تاریک کے احاطے میں دیئے جلا رکھے ہو، ننھے ننھے مٹی کے دیئے کو لو ٹمٹماتی رنگ بدلتی ہو کبھی سرخ ہوتی اور کبھی نارنجی رنگ میں ڈھلتی اسے دیئے کی مدھم سروں جیسی پرسکون روشنی نے اسے اس کی اصل منزل تھمادی تھی وہ منزل جس کی وہ متلاشی تھی اس نے شوبز کی دنیا کو خیرباد کہہ دیا اور گمنامی کی زندگی گزارنے کا فیصلہ کرلیا۔

وہ اسی بزرگ کے پاس چلی آئی جہاں اسے پہلی بار سکون میسر ہوا تھا اس نے ایک مدرسہ بنایا اور بچوں کو قرآن پاک پڑھانے اور خصوصا نوجوان بچیوں کے لئے دینی تعلیم وتربیت کا انتظام کروایا وہ اس بزرگ بابا کی صحبت میں دینی علوم سیکھتی رہی اور پھر وہی سیکھے ہوئے علم کی مشق بچوں کے ساتھ دہراتی، اس نے اپنی زندگی جینے کا مقصد حاصل کرلیا تھا۔

مومنہ سے موٹل ناز کا سفر اور پھر اب موٹل ناز سے مومنہ کا سفر واپسی کا سفر، اک خوشگوار تاثر لئے جینے کی نئی امنگ لئے، بے چینی سے سکون تک کا سفر، راستہ بھٹکنے سے منزل تک کا سفر۔

اگر سوچا جائے تو انسان دنیا میں لحد سے مہد تک سفر ہی کرتا ہے ہر انسان اپنی زندگی میں اک سفر کر رہا ہے، صرف دیکھنا یہ ہے کہ وہ کس راستے کا تعین کرتا ہے اس کی اصل منزل کیا ہے؟

☆☆☆

ہلالِ عید مسکرایا

فوزیہ سرور

"واؤ شاندار، کتنا خوبصورت گھر ہے نا، ہمارے فادرز نے بہت شاندار گھر پسند کیا ہے۔" نیلم نے ستائش بھری نگاہوں سے بڑے سے شاندار محل نما گھر کو گھوم پھر کر دیکھنے کے بعد عقب میں کھڑی دو عدد نازک اندام حسیناؤں تجل اور ماہا کو مخاطب کیا۔

"کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو نیلی، یہ گھر واقعی بہت بڑا اور شاندار ہے۔" ماہا جھوم کر بولی۔

"چلو آؤ اب لان کا جائزہ لیں، پچھلا لان تو ہم دیکھ چکیں، جہاں لان میں تو پھل دار درخت لگے ہیں، اب گیٹ کے سامنے والے لان کا تو جائزہ لیں۔" تجل لان کی طرف بڑھ گئی جہاں کیاریوں میں رنگ برنگے پھولوں کی گویا بہار اتری تھی۔

اپریل کے مہینے کا آغاز تھا، تینوں کچھ پل محبت اور شوق بھری نگاہوں سے پھولوں کو دیکھتی رہیں کہ سبز لش گرین گھاس پر چلتے انہیں نرمی بھرا جو احساس ملا تھا وہ انہیں اندر تک شانت کر گیا تھا۔

"کتنا خوبصورت لان ہے نا اور گھر بھی بہت بڑا ہے۔" تجل دھپ سے لان چیئر پر گرنے والے انداز میں بیٹھتے ہوئے اپنے گلابی لبوں کو مسکرانے کے انداز میں پھیلا کر بولی۔

"مزے مزے، اب آئیں گے مزے، رانجھا رانجھا کر دی۔" ڈرامے کے بھولے کے ڈائیلاگ دہراتیں ماہا اور نیلم لان چیئر پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئیں، پھر تینوں کا مشترکہ جلترنگ بجاتا قہقہہ گونجا، رنگ برنگ بہار دکھاتے پھولوں، پودوں کے ساتھ ساتھ اس حسین قہقہے کی بازگشت ساتھ والے گھر کے لان میں پودوں کو پانی دیتے دس سالہ لڑکے کی سماعتوں کو گویا لرزا گئی، اس کے ہاتھوں میں کپکپاہٹ، نگاہوں میں

سلسلہ ناول

...دل پر لرزہ طاری ہو گیا، خوف سے تھوک نگلتا پانی کے پائپ کو گھاس پر چھوڑ کر وہ سرپٹ دوڑتا گھر کے اندرونی حصے کی جانب بھاگا۔

''چاچو چاچو۔'' اس کی زبان پر لفظ چاچو کی گردان کرتے، کمرے کے وسط میں کارپٹ پر گر ہی تو گیا، صوفوں پر کسلمندی سے آڑے ترچھے لیٹے تین عدد چاچوؤں نے اپنے دس سالہ بھتیجے علی کے زرد پڑتے چہرے کو دیکھا تو کرنٹ کھا کر اچھل کر کھڑے ہوئے۔

''کیا ہوا علی، خیریت، اتنے خوفزدہ کیوں ہو یار۔'' چاچو نمبرون نے علی کا چہرہ تھام کر گھبرا کر استفسار کیا۔

''وہ چاچو۔'' علی نے خوف سے پھر تھوک نگلا تھا۔

''بولو نا یار، پریشان کر رہے ہو اب۔'' چاچو نمبر ٹو نے پیار سے علی کو ساتھ لگا کر نرمی سے کہا۔

''وہ چاچو میں نے کچھ سنا ہے۔'' علی کی گھبرائی ہوئی خوفزدہ آواز بالآخر حلق سے برآمد ہو ہی گئی۔

''کیا سن لیا میرے بزدل ہیرو نے۔'' چاچو نمبر تھری نے طنز کا ننھا سا تیر پھینکا جو بزدل ہیرو کے دل کے گویا آر پار ہو گیا، وہ تڑپ ہی تو اٹھا۔

''میں نہیں ہوں بزدل، آپ تینوں بھی ڈر جائیں گے، جو میں آپ کو بتاؤں گا۔'' بزدل ہیرو نے منہ بسورا۔

''چلو اب بتا بھی دو، تاکہ ہم بھی تھوڑا سا ڈر لیں۔'' چاچو نمبرون پرسکون سا ہو کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''یقیناً علی کسی بلی کی آوازوں سے ڈر گیا ہو گا، بلیاں ساتھ والے خالی گھر میں بہت خوفناک آوازیں نکال کر اگر بولتی سنائی دیتی تھیں تب علی ڈر جاتا تھا۔''

''وہ چاچو۔'' علی اتنا کہہ کر پھر چپ۔

''اب کہہ بھی چکو۔''

''وہ چاچو...... وہ چاچو کی گردان ہی ختم نہیں ہو رہی تمہاری۔'' چاچو نمبر ٹو نے گھور کر علی کو دیکھا تھا۔

''ساتھ والے گھر میں چڑیلیں قہقہے لگا رہی تھیں، اف چاچو آواز بہت حسین تھی لیکن تھی چڑیلوں کی، میں بہت ڈر گیا ہوں۔'' علی واقعی خوفزدہ تھا۔

''ساتھ والا گھر تو سالوں سے خالی پڑا ہے، اس میں تو کوئی رہتا ہی نہیں، تم نے کون سی چڑیلوں کو ہنسی سن لی، وہ بھی دل موہ لینے والی، علی بچپنے کی بھی کوئی حد ہوتی ہے، کب بڑے ہو گے تم۔'' چاچو نمبر تھری کے ترکش میں طنز کے تیروں کا خاصا بھاری ذخیرہ ہمہ وقت موجود رہتا تھا، علی نے منہ لٹکا کر چاچو نمبر تھری کو دیکھا۔

''کیا ہے چاچو، سچ کہہ رہا ہوں میں، خود جا کر سن لیں، آیئے میرے ساتھ۔'' بزدلی کا چولا اتار کر پھینکتے علی کا لہجہ اب نڈر تھا۔

''چلو اٹھو بھائیو دیکھ لیتے ہیں حسین چڑیلوں کو بھی اور ان کی ہنسی کو بھی، ایک تو ہماری سی آئی ڈی آج کل غیر حاضر ہے، وگرنہ ساتھ والے گھر میں تازہ تازہ مقیم چڑیلوں کی خیر خبر مل ہی جاتی، نمبرون ذرا دوربین پکڑ لینا، چڑیلیں ایسے تھوڑی نظر آئیں گی۔'' چاچو نمبر ٹو علی کے ساتھ کمرے سے باہر نکلتے نکلتے چہرہ پیچھے کر کے بولا۔

''او کے تم لوگ چلو میں ابھی آیا نمبر تھری کاہل اور بزدل کو لے کر۔'' چاچو نمبرون اٹھ کر اپنی الماری کی جانب بڑھتے ہوئے بولا، چاچو نمبر تھری نے گھور کر نمبرون کو دیکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''بزدل ہو گا تو۔'' نمبر تھری کب ادھار رکھتا تھا، دگنا آگ لگاتا تھا، نمبرون دانت پیس کر آگے بڑھ گیا۔

''اب اپنی چونچ بند کر کے میرے ساتھ چلنا وگرنہ اگر الفاظ تمہارے پاس ہیں تو کم میرے پاس بھی نہیں ہیں۔'' چاچو نمبرون کے کرارے جواب پر نمبر تھری محض غصے سے اسے دیکھ کر رہ گیا، وہ جب وہ دونوں گھروں کی مشترکہ دیوار کے قریب پہنچے تو علی اور نمبر ٹو کو اپنا منتظر پایا، چڑیلوں کے ہنسنے کی آواز تو اب نہیں آ رہی تھی پھر بھی جائزہ لینے کے لئے وہ تینوں بھائی دوربین اپنی آنکھوں سے لگائے دیوار پار دوسرے گھر میں دیکھنے لگے، اپنے چاچوؤں کو دوسرے گھر میں جھانکتا دیکھ کر علی ان کی چیخوں کا منتظر ادھر اُدھر ٹہل رہا تھا۔

''یار گھر تو خاصا صاف ستھرا لگتا ہے، لگتا ہے کوئی واقعی موجود ہے گھر میں۔'' نمبرون نے گھر کی صفائی ستھرائی ملاحظہ کی تو خیال آرائی کی۔

''چڑیلوں پر ہی فوکس کیا ہے میں نے، اب وہ نظر نہیں آ رہیں تو کچھ اور دیکھنا ممنوع ہے کیا۔'' جلا کٹا جواب نمبرون کی جانب سے حاضر تھا، نمبر ٹو نے دوربین کے پار سے نمبرون کو گھورا اور پھر جائزہ لینے لگا، نمبر تھری البتہ خاموش رہا وہ گہری سوچ میں گم لان میں ست رنگا آنچل دیکھے گیا جس پر غالباً نمبر ٹو اور نمبر تھری کی نظر نہیں پڑی تھی۔

☆☆☆

سجل، ماہا اور نیلم کے قہقہوں کا مدھر جلترنگ لاؤنج میں سامان کارٹن سے نکالتی ماؤں کی سماعتوں تک پہنچا، تو ان کا فشار خون آن واحد میں بلند ہوا تھا، وہ دونوں ایک ساتھ وسیع و عریض لاؤنج سے نکلیں اور لان میں ان کے سر پر جا پہنچیں، خشمگیں نگاہوں نے جب ان نازک اندام حسیناؤں کو گھورا تو ان کے قہقہوں کو وہیں بریک لگ گئی۔

''کچھ شرم لحاظ ہے تم تینوں میں کہ نہیں، مائیں کاموں میں ہلکان ہو رہی ہیں اور تم تینوں ہڈ حرام ناکارہ، مجال ہے اپنے کمرے میں اپنا سامان سیٹ کر دو، بس گھر میں داخل ہوتے ہی مٹر گشت شروع۔'' سجل کی مما دردانہ بیگم نے تینوں کو اپنی نظروں اور لفظوں کی وہ مار ماری کہ وہ تینوں منہ بسورتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''نوری سے کروائیں نا کام، وہ کس مرض کی دوا ہے۔'' ماہا اپنی تازہ تازہ بے عزتی سے خاصی ناخوش تھا، ماہا کی بات پر سونیا بیگم جو نیلم اور ماہا کی مما تھیں، سیخ پا ہو گئیں۔

''کیوں نوری بارہ ہاتھوں اور بارہ ٹانگوں والا کوئی جن ہے جو پورے گھر کی سیٹنگ تن تنہا کرے گی، اٹھ جاؤ اب تم تینوں کی سزا یہ ہے نوری کے ساتھ مل کر سب کمرے، ڈرائنگ روم سیٹ کرو، کام ختم کرنے سے پہلے اپنی شکل نہ دکھانا۔'' سونیا بیگم کا حکم نامہ سن کر تینوں کو ٹھنڈے پسینے آ گئے، گھر میں شفٹ ہونے سے قبل نوری اور مالی گھر کی حالت سدھار گئے تھے، رات سارا سامان شفٹ ہوا تھا اور اب ان کی شامت آ گئی تھی، ان کے والد محترم بھی گھر نہ تھے وگرنہ کچھ بچت ہو جاتی چار و ناچار تینوں نے لاؤنج میں جا کر نوری کو اپنی خونخوار گھوریوں سے مارنے کی سر توڑ کوششیں کرتے کام کی ابتدا کر دی۔

☆☆☆

''تم تینوں یہاں کیا کر رہے ہو۔'' حیرانگی بھرے استفسار پر وہ تینوں گڑبڑا کر سیدھے ہوئے دوربینیں ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچیں،

پھر انہوں نے پلٹ کر اپنی والدہ محترمہ بجیلہ بیگم کو دیکھا جو اپنے بے حد سمارٹ، ڈیشنگ پرسنالٹی کے حامل وجیہہ و شکیل سپوتوں کو بہت حیرانگی سے دیکھ رہی تھی، وہ بس یونہی نمبر ون بوکھلاہٹ میں بس اتنا ہی بول سکا۔

"وہ بس یونہی کیا، تم تینوں کب سدھرو گے، بس یونہی منہ اٹھا کر کسی کے گھر جھانکتے شرم نہیں آتی۔" بجیلہ بیگم کو اپنے بیٹوں کی اس حرکت پر تپ چڑھ گئی تھی۔

"وہ دادو اس گھر سے چڑیلوں کی ہنسی کی آواز آ رہی تھی، چاچو ان چڑیلوں کو دیکھ رہے تھے۔" علی نے چاچوؤں کو مشکل میں دیکھ کر جھٹ معصومیت سے وضاحت دی، بجیلہ بیگم کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ امڈی۔

"نالائق ہو تم سب، یہ گھر کسی نے خرید لیا ہے، رات دیر تک سامان شفٹ ہوتا رہا ہے، گھر کی صفائی ستھرائی اور لان کی کانٹ چھانٹ تو سامان کی آمد سے قبل ہی ہو گئی تھی، تم تینوں ایک تو آفس سے دو دن بعد آئے ہو اور آتے ہی جو گدھے گھوڑے بیچ کر سوئے ہو تو دن کے بارہ بجے سو کر اٹھتے ہو، تم لوگوں کو کیا خبر تمہارے آس پاس کیا ہو رہا ہے اور ان دنوں بھولا بھی چھٹی پر ہے وگرنہ تم سب کو ساری خبر مل جاتی، اب تم سب اپنی شکل گم کرو، میں کچن میں ناشتہ بنانے جا رہی ہوں، بھولا آج شام تک آ جائے گا، اب تم تینوں ریڈی ہو جاؤ ورنہ پھر رات آفس میں ہی بسر ہو گی۔" بجیلہ بیگم تفصیل اپنے صاحبزادوں کے گوش گزار کر کے علی کو ساتھ لئے لابی کی جانب بڑھ گئیں۔

"آج ہمیں آفس نہیں جانا، بابا نہ جانے کب واپس آئیں گے، کام اتنا زیادہ ہے کہ کہ مت ماری جاتی ہے، آج ہم گھر پر ریسٹ کریں گے، کل سے آفس جائیں گے۔" نمبر ٹو نے پیچھے سے ہانک لگائی تو بجیلہ بیگم نے جاتے جاتے پلٹ کر اپنے دوسرے نمبر والے بیٹے کو مسکرا کر دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا، وہ تینوں خوشی سے اچھل پڑے۔

آج کا دن وہ اپنے کمرے میں صرف آرام کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، بجیلہ بیگم کے پیچھے جاتے وہ یہ بات سوچ رہے تھے۔

"یقیناً ساتھ والے گھر میں لڑکیوں کی بہار اتری ہے، اب کتنی لڑکیاں تھیں کیسی تھیں، کبھی نہ کبھی تو سامنا ہو گا ہی۔" بقول علی ہنسنے کی آواز زیادہ چڑیلوں کی تھی یعنی لڑکیاں زیادہ تھیں۔

☆☆☆

"اف جوڑ جوڑ دکھا دیا اس مشقت نے۔" نیلم اپنی نازک کمر پر ہاتھ رکھ کر تھکاوٹ زدہ آواز میں کراہی۔

"ہاں یار گھر تو سدھر گیا لیکن اپنا حشر نشر ہو گیا ہے۔" ماہا دھپ سے کارپٹ پر گرتے ہوئے بولی، تینوں کے کپڑے، چہرہ، ہاتھ پاؤں گرد آلود تھے حالانکہ نوری گھر کی صفائی کر کے گئی تھی پھر بھی اتنی گرد نہ جانے کہاں سے آ گئی تھی، ان میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اپنی مشکل ہی اس گرد کے طوفان سے برآمد کرنے کے لئے واش روم کا رخ کر لیں۔

"ہائے میرے اللہ، مجھے تو زوروں کی بھوک لگی ہے۔" تجل دھپ سے بیڈ پر گر گئی۔

"تجل کی بچی، گندے کپڑوں کے ساتھ بیڈ کی صاف ستھری چادر پر گر گئی ہو، اٹھو فوراً میں خود کارپٹ پر بیٹھی ہوں اور تم بیڈ پر، نو نیور۔" ماہا نے کھڑے ہو کر تجل کا ہاتھ پکڑ کر اسے بیڈ سے اٹھا کر دم لیا۔

"دفع دور، صفائی کی جانشین، کمر اکڑ گئی میری تمہیں صاف چادر کی پڑی ہے۔" تجل نے اچھا خاصا برا منایا تھا۔

"اب کچھ کھا پی لیں تا کہ اپنے بوتھے مانجھنے کی ہمت پیدا ہو جائے۔" نیلم اپنے پیٹ میں ہونے والی گڑگڑ کی آواز کو دباتے ہوئے بولی، وہ تینوں ہمت کر کے کچن میں گئیں تو صاف ستھرا لش پش کرتا کچن ان کا منہ چڑا رہا تھا، تینوں کا دل بیٹھنے لگا، اتنی بھوک اور کھانے کا نام و نشان نہیں۔

"اف اس کچن کو کسی نے نہیں بتایا کہ یہ صاف ستھرا تب ہی اچھا لگتا ہے، جب پیٹ بھرا ہوا ہو۔" تجل نے بھوک سے بدحال ہو کر بونگی ماری۔

"اب فی الحال کچن کو لیکچر دینے کا وقت نہیں ہے آؤ احتجاج کریں۔" وہ تینوں لاؤنج میں جا کر کھڑی ہو گئیں۔

"نوری نوری۔" تینوں نے ایک ساتھ نوری کو پکارا۔

"نوری تھک گئی ہے، اس کو آرام کرنے دو۔" بلند آواز سونیا بیگم کے کمرے کے کھلے دروازے سے برآمد ہوئی ان کے اور دردانہ بیگم کے کمرے کا دروازہ لاؤنج میں کھلتا تھا۔

"ہم بھی تھک گئی ہیں، ہمیں بھوک لگی ہے۔" تجل نے اپنی حالت زار سے اپنی چھوٹی مما کو آگاہ کیا۔

"فریج میں چکن اور مٹن رکھا ہے کھا لو، اللہ نے ہاتھ دیے ہیں استعمال میں لاؤ۔" یہ کڑاکے دار آواز دردانہ بیگم ماہا اور نیلم کی بڑی مما کے کمرے کے کھلے دروازے سے نکل کر ان کی سماعتوں تک پہنچی تو ان کی امید کے سارے دیئے بجھ گئے۔

"یعنی کہ اب اتنی مشقت کے بعد کھانا بھی پکائیں، آپ دونوں ہماری سوتیلی مائیں ہیں کیا، بابا کو شکایت لگائیں گی ہم۔" ماہا اور تجل نے شکایت کے ساتھ دھمکی دی، جواباً خاموشی رہی، تو تینوں دل مسوس کر کے پھر کچن میں آ گئیں۔

"نہا کر بوتھا فریش کرنے کی ہمت نہیں اب یہ کھانا پکانا۔" نیلم تو گرنے والی تھی بس، اسی وقت نوری کچن میں داخل ہوئی، نوری ان کے مالی کی بیٹی تھی، سرونٹ کوارٹر میں اپنے باپ کے ساتھ رہتی تھی کام تو نوری نے سب سے زیادہ کیا تھا، لیکن چونکہ وہ کام کرنے کی عادی تھی اس لئے اس وقت ان کو بہت فریش لگی وہ۔

"کیا کام ہے مجھ سے۔" نوری کا انداز ہی [illegible] الگ تھا یقیناً وہ ان کی ماؤں کے ہاتھوں ہونے والی عزت افزائی حرف بہ حرف ملاحظہ کر چکی تھی [illegible] اس لئے بڑا جتاتا ہوا انداز تھا۔

"نوری پلیز کھانا بنا دو۔" تجل کا لہجہ ملتجی [illegible] تھا۔

"ٹھیک ہے بنا دیتی ہوں کھانا، لیکن اس [illegible] کے بدلے میں آپ تینوں مجھے اپنے اپنے [illegible] لان کے برانڈڈ سوٹ دیں گی۔" نوری نے مو[illegible] سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہا۔

"کیا؟" وہ تینوں آنکھوں پھاڑے ایک [illegible] ساتھ چیخی تھیں۔

نوری ان کی ہم عمر تھی اور اتنی چالاک [illegible] کہ اس کی ان کے قیمتی سوٹوں پر نظر تھی، وہ تینو[illegible] بھوک سے نڈھال کھانا پکانے کی سکت کہاں [illegible] لاتیں۔

"او کے نوری، تم بے شک ہماری چڑیا[illegible] بھی لے لو، بس مزے دار سا کھانا بنا دو۔" [illegible] تجل نے زبان کھولی، نیلم اور ماہا نے اس کی [illegible] زور تائید کی تھی، نوری فریج کی جانب بڑھ گئی، [illegible] تینوں کچن سے نکل گئیں، فریج میں کوئی بھی پھ[illegible] موجود نہ تھا، کل پھلوں اور گروسری کی شاپ[illegible]

پھر انہوں نے پلٹ کر اپنی والدہ محترمہ بجیلہ بیگم کو دیکھا جو اپنے بے حد سمارٹ، ڈیشنگ پرسنالٹی کے حامل وجیہہ وشکیل سپوتوں کو بہت حیرانگی سے دیکھ رہی تھی، وہ بس یونہی نمبر ون بوکھلاہٹ میں بس اتنا ہی بول سکا۔

''وہ بس یونہی کیا، تم تینوں کب سدھرو گے، بس یونہی منہ اٹھا کر کسی کے گھر جھانکتے شرم نہیں آتی۔'' بجیلہ بیگم کو اپنے بیٹوں کی اس حرکت پر تپ چڑھ گئی تھی۔

''وہ دادو اس گھر سے چڑیلوں کی ہنسی کی آواز آ رہی تھی، چاچو ان چڑیلوں کو دیکھ رہے تھے۔'' علی نے چاچوؤں کو مشکل میں دیکھ کر جھٹ معصومیت سے وضاحت دی، بجیلہ بیگم کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ امڈی۔

''نالائق ہو تم سب، یہ گھر کسی نے خرید لیا ہے، رات دیر تک سامان شفٹ ہوتا رہا ہے، گھر کی صفائی ستھرائی اور لان کی کانٹ چھانٹ تو سامان کی آمد سے قبل ہی ہو گئی تھی، تم تینوں ایک تو آفس سے دو دن بعد آئے ہو اور آتے ہی جو گدھے گھوڑے بیچ کر سوئے ہو تو دن کے بارہ بجے سو کر اٹھتے ہو، تم لوگوں کو کیا خبر تمہارے آس پاس کیا ہو رہا ہے اور ان دنوں بھولا بھی چھٹی پر ہے وگرنہ تم سب کو ساری خبر مل جاتی، اب تم سب اپنی شکل گم کرو، میں کچن میں ناشتہ بنانے جا رہی ہوں، بھولا آج شام تک آ جائے گا، اب تم تینوں ریڈی ہو جاؤ ورنہ پھر رات آفس میں ہی بسر ہو گی۔'' بجیلہ بیگم تفصیل اپنے صاحبزادوں کے گوش گزار کر کے علی کو ساتھ لئے لابی کی جانب بڑھ گئیں۔

''آج ہمیں آفس نہیں جانا، بابا نہ جانے کب واپس آئیں گے، کام اتنا زیادہ ہے کہ کمر ماری جاتی ہے، آج ہم گھر پر ریسٹ کریں گے، کل سے آفس جائیں گے۔'' نمبر ٹو نے پیچھے سے ہانک لگائی تو بجیلہ بیگم نے جاتے جاتے پلٹ کر اپنے دوسرے نمبر والے بیٹے کو مسکرا کر دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا، وہ تینوں خوشی سے اچھل پڑے۔

آج کا دن وہ اپنے کمرے میں صرف آرام کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، بجیلہ بیگم کے پیچھے جاتے وہ یہ بات سوچ رہے تھے۔

''یقیناً ساتھ والے گھر میں لڑکیوں کی بہار اتری ہے، اب کتنی لڑکیاں تھیں کیسی تھیں، کبھی نہ کبھی تو سامنا ہو گا ہی۔'' بقول علی ہنسنے کی آواز زیادہ چڑیلوں کی تھی یعنی لڑکیاں زیادہ تھیں۔

☆☆☆

''اف جوڑ جوڑ دکھا دیا اس مشقت نے۔'' نیلم اپنی نازک کمر پر ہاتھ رکھ کر تھکاوٹ زدہ آواز میں کراہی۔

''ہاں یار گھر تو سدھر گیا لیکن اپنا حشر نشر ہو گیا ہے۔'' ماہا دھپ سے کارپٹ پر گرتے ہوئے بولی، تینوں کے کپڑے، چہرہ، ہاتھ پاؤں گرد آلود تھے حالانکہ نوری گھر کی صفائی کر کے گئی تھی پھر بھی اتنی گرد نہ جانے کہاں سے آ گئی تھی، ان میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اپنی شکل ہی اس گرد کے طوفان سے برآمد کرنے کے لئے واش روم کا رخ کر لیں۔

''ہائے میرے اللہ، مجھے تو زوروں کی بھوک لگی ہے۔'' سجل دھپ سے بیڈ پر گر گئی۔

''سجل کی بچی، گندے کپڑوں کے ساتھ بیڈ کی صاف ستھری چادر پر گر گئی ہو، اٹھو فوراً میں خود کارپٹ پر بیٹھی ہوں اور تم بیڈ پر، نو نیور۔'' ماہا نے کھڑے ہو کر سجل کا ہاتھ پکڑ کر اسے بیڈ سے اٹھا کر دم لیا۔

''دفع دور، صفائی کی جانشین، کمر اکڑ گئی میری تمہیں صاف چادر کی پڑی ہے۔'' سجل نے اچھا خاصا برا منایا تھا۔

''اب کچھ کھا پی لیں تا کہ اپنے بوتھے مانجنے کی ہمت پیدا ہو جائے۔'' نیلم اپنے پیٹ میں ہونے والی گڑگڑ کی آواز کو دباتے ہوئے بولی، وہ تینوں ہمت کر کے کچن میں گئیں تو صاف ستھرا الش پش کرتا کچن ان کا منہ چڑا رہا تھا، تینوں کا دل بیٹھنے لگا، اتنی بھوک اور کھانے کا نام ونشان نہیں۔

''اف اس کچن کو کسی نے نہیں بتایا کہ یہ صاف ستھرا تب ہی اچھا لگتا ہے، جب پیٹ بھرا ہوا ہو۔'' سجل نے بھوک سے بدحال ہو کر بونگی ماری۔

''اب فی الحال کچن کو لیکچر دینے کا وقت نہیں ہے آؤ احتجاج کریں۔'' وہ تینوں لاؤنج میں جا کر کھڑی ہو گئیں۔

''نوری نوری۔'' تینوں نے ایک ساتھ نوری کو پکارا۔

''نوری تھک گئی ہے، اس کو آرام کرنے دو۔'' بلند آواز سونیا بیگم کے کمرے کے کھلے دروازے سے برآمد ہوئی ان کے اور دردانہ بیگم کے کمرے کا دروازہ لاؤنج میں کھلتا تھا۔

''ہم بھی تھک گئی ہیں، ہمیں بھوک لگی ہے۔'' سجل نے اپنی حالت زار سے اپنی چھوٹی مما کو آگاہ کیا۔

''فریج میں چکن اور مٹن رکھا ہے کھا لو، اللہ نے ہاتھ دیے ہیں استعمال میں لاؤ۔'' یہ کڑاکے دار آواز دردانہ بیگم ماہا اور نیلم کی بڑی مما کے کمرے کے کھلے دروازے سے نکل کر ان کی سماعتوں تک پہنچی تو ان کی امید کے سارے دیئے بجھ گئے۔

''یعنی کہ اب اتنی مشقت کے بعد کھانا بھی پکائیں، آپ دونوں ہماری سوتیلی مائیں ہیں کیا، بابا کو شکایت لگائیں گی ہم۔'' ماہا اور سجل نے شکایت کے ساتھ دھمکی دی، جواباً خاموشی رہی، تو تینوں دل مسوس کر کے پھر کچن میں آئیں۔

''نہا کر بوتھا فریش کرنے کی ہمت نہیں اب یہ کھانا پکانا۔'' نیلم تو گرنے والی تھی بس، اسی وقت نوری کچن میں داخل ہوئی، نوری ان کے مالی کی بیٹی تھی، سرونٹ کوارٹر میں اپنے باپ کے ساتھ رہتی تھی کام تو نوری نے سب سے زیادہ کیا تھا، لیکن چونکہ وہ کام کرنے کی عادی تھی اس لئے اس وقت ان کو بہت فریش لگی وہ۔

''کیا کام ہے مجھ سے۔'' نوری کا انداز ہی الگ تھا یقیناً وہ ان کی ماؤں کے ہاتھوں ہونے والی عزت افزائی حرف بہ حرف ملاحظہ کر چکی تھی، اس لئے بڑا جتاتا ہوا انداز تھا۔

''نوری پلیز کھانا بنا دو۔'' سجل کا لہجہ ملتجی تھا۔

''ٹھیک ہے بنا دیتی ہوں کھانا، لیکن اس کے بدلے میں آپ تینوں مجھے اپنے اپنے نئے لان کے برانڈڈ سوٹ دیں گی۔'' نوری نے موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہا۔

''کیا؟'' وہ تینوں آنکھوں پھاڑے ایک ساتھ چیخی تھیں۔

نوری ان کی ہم عمر تھی اور اتنی چالاک یعنی کہ اس کی ان کے قیمتی سوٹوں پر نظر تھی، وہ تینوں بھوک سے نڈھال کھانا پکانے کی سکت کہاں سے لاتیں۔

''او کے نوری، تم بے شک ہماری چڑیاں بھی لے لو، بس مزے دار سا کھانا بنا دو۔'' بالآخر سجل نے زبان کھولی، نیلم اور ماہا نے اس کی پر زور تائید کی تھی، نوری فریج کی جانب بڑھ گئی، وہ تینوں کچن سے نکل گئیں، فریج میں کوئی بھی پھل موجود نہ تھا، کل پھلوں اور گروسری کی شاپنگ

کرنے جانا تھا ان کی ماؤں نے، وہ پچھلے لان کی طرف آ گئیں، شاید کسی پھل دار درخت پر کوئی پھل ہی لگا ہو جو صبح لان کا جائزہ لیتے وقت نظروں سے اوجھل رہ گیا ہو، وہ تینوں پچھلے لان میں درختوں کو پھلوں سے خالی دیکھ کر وہیں گھاس پر ڈھے گئیں، گھر میں کوئی بسکٹ نمکو تک نہ تھا، ان کا گھر تین کنال پر مشتمل تھا، گیسٹ روم کی کھڑکی اور دروازہ پچھلے لان میں کھلتا تھا، گیسٹ روم باقی رہائشی حصے سے قدرے ہٹ کر تھا، ان کے ساتھ والے گھر کا نقشہ بھی سیم ان کے گھر جیسا تھا، ان کے بابا نے بتایا تھا یہ دونوں گھر دو بھائیوں نے ایک جیسے نقشے پر بنوائے تھے، پھر وہ دونوں بھائی ابروڈ چلے گئے، اچانک ان تینوں کی نظر ساتھ والے گھر کے پچھلے لان میں لگے تین شہتوت کے درختوں پر پڑی، وہ تینوں درخت ایک دوسرے سے اتنے فاصلے پر تھے کہ درختوں کی شاخیں دوسرے درختوں کی شاخوں کو چھوتی تھیں، مدغم نہ ہوتی تھیں، لیکن جو بات ان کے منہ میں بھر بھر پانی لانے کا باعث بنی، وہ ان شہتوت کے درختوں پر لمبے لمبے کالے سیاہ شہتوتوں کا لٹکنا تھا۔

"واؤ" وہ تینوں ایک ساتھ خوشی سے چلا ئیں، اس وقت بھوک کی شدت نے تینوں حسیناؤں کی عقل کو زوردار لات ماری، وہ دونوں تینوں گھروں کی قدرے نیچی درمیانی دیوار کے قریب آ گئیں، ہلکے پھلکے وزن کی حامل وہ تینوں با آسانی دیوار پر چڑھ سکتی تھیں۔

ان کا خاندان پہلے گاؤں میں مقیم تھا، گاؤں میں ان کے دادا دادی کے پھلوں کے باغات تھے، وہ جب بھی گاؤں جاتیں تو درختوں کی خوب شامت آتی، سجل کے والد رانا اکبر اور نیلم اور ماہا کے والد رانا اصغر ان کے دادا دادی کی زندگی میں ہی شہر شفٹ ہو گئے تھے، اب دادا دادی بھی حیات نہ تھے، رانا اکبر اور رانا اصغر نے زمین اور باغات بیچ کر بزنس سٹارٹ کر لیا تھا، درختوں پر چڑھنے کا تجربہ ان کا خاصا پرانا تھا، سو تینوں نے یہ طے کیا، وہ خاموشی سے شہتوت کھا کر واپس آ جائیں گی، شدید بھوک کی حالت میں یہ چوری ان کو معاف ہے، یہ ان کے دلوں کا فتویٰ تھا جس پر وہ صدق دل سے ایمان لے آئی تھیں۔

"چل نیلی بسم اللہ کر۔" ماہی نے نیلی کے کندھے پر گویا جناتی تھپکی دی تھی۔

نیلی نے اس جناتی تھپکی کے زیر اثر زوردار جمپ لگا کر دیوار پر چڑھنے کی سعی کی اور دھڑام سے نیچے گھاس پر آ گری۔

"ہمت کرنی ہو گی ہمیں، اتنی مزیدار کالی کالی رس بھری Berries کھانے کے لئے۔" سجل نے نیلی کے بے عزتی کے احساس کو کم کرنے کے لئے جوش دلایا، پھر واقعی تینوں کو جوش آ گیا، جوش میں وہ ہوش کھو بیٹھیں، تینوں ایک دوسرے کی مدد سے دیوار پر نہ صرف چڑھ گئیں بلکہ دوسری سمت لش گرین نرم نرم گھاس پر چھلانگ بھی لگا دی، لان میں ہو کا عالم تھا، آسمان پر سورج اپنی آرام گاہ کی جانب گامزن تھا، دن ڈھل رہا تھا، گھر میں اتنی خاموشی تھی، گویا اس گھر میں کوئی رہتا ہی نہ ہو، وہ تینوں گربہ پائی سے چلتیں درختوں کے نیچے آ کھڑی ہوئیں، کالے کالے لمبے لمبے شہتوت اپنی دسترس میں دیکھ کر ان کا دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا۔

"نیلی تم اس درخت پر چڑھ جاؤ اور ماہا تم اس درخت پر اور میں اس والے درخت پر چڑھوں گی۔" سجل نے اپنی طرف سے انتہائی سمجھداری کا مظاہرہ کیا تھا۔

"اوہ تو تم نے اپنے لئے دیوار کی طرف والا درخت منتخب کیا تا کہ بھاگنے میں آسانی ہو، ماہا کو درمیان والا درخت دیا اور مجھے وہ والا درخت اگر میں بھاگنا چاہوں تو لازمی ٹھڈا کھا کر گر جاؤں۔" نیلی کو یہ تقسیم ایک آنکھ نہ بھائی تھی، وہ بنا سجل کا جواب سنے دیوار کی طرف والے درخت پر چڑھ گئی، ماہا درمیان والے درخت پر اور سجل کو اس درخت پر چڑھنا پڑا جو نیلی کے لئے منتخب کیا تھا، کھانا پکانے کی نسبت پکے پکائے شہتوت کھانے کے لئے کوشش کرنا انہیں اچھا لگا تھا، کھانا بناتے ہوئے تو انہیں موت پڑ رہی تھی، درختوں کے درمیان میں مضبوطی سے قدم جما کر پھر جو انہوں نے شہتوت کھانے شروع کیے، وہ اس بات کو ہی فراموش کر گئیں کہ وہ دوسرے گھر کے لان میں ہیں، وہ ندیدوں کی طرح شہتوتوں پر ٹوٹ پڑی تھیں، وہ نہیں جانتی تھیں شہتوت کھاتے ہوئے کیسے نقش و نگار ان کے چہروں پر بن رہے تھے، ایک تو وہ پہلے ہی برے حلیے میں تھیں، اب شہتوتوں کے رنگ، وہ کچھ ہی دیر میں کارٹون بن چکی تھیں، لیکن شہتوت کھانے سے وہ باز نہ آئی تھیں، وہ کھائے جا رہی تھیں یہ جانے بنا کہ اس گھر کے تین عدد لڑکے اپنے بھتیجے کے ساتھ عین درختوں کے نیچے پہنچ چکے ہیں۔

☆☆☆

"یار، آج گھر میں ریسٹ کر کے مزہ آ گیا، صد شکر پاپا ناراض نہیں ہوئے، ڈنر آج ماما کے ساتھ مل کر کریں گے۔" چاچو نمبر ون واش روم سے فریش ہو کر نکلا اور پچھلے لان میں کھلنے والی دیوار گیر گلاس ونڈو کے قریب آ کھڑا ہوا اور بلائنڈز اوپر اٹھاتے ہوئے بولا۔

"یہ تو ہے۔" چاچو نمبر ٹو اور چاچو نمبر تھری جو بیڈ کے اوپر آڑے ترچھے لیٹے تھے، بول اٹھے، ان تینوں بھائیوں کا کمرہ مشترکہ تھا، ان کا کمرہ پورے گھر کا سب سے بڑا کمرہ تھا، ان تینوں کی ایک ایک گھنٹے کے وقفے سے دنیا میں آمد ہوئی تھی، ایک ہی دن ایک گھنٹے کے فرق سے پیدا ہونے والے تینوں بھائیوں میں بہت محبت تھی، وہ ایک دوسرے کے بغیر نہ رہ سکتے تھے، ان تینوں کے نام ان کے پاپا کے چچا نے رکھے تھے، کیونکہ ملک سجاد اپنے چچا سے بے حد محبت کرتے تھے، ان کی بات نہیں ٹالتے تھے، چاچو نمبر ون کا نام عبدالکریم، چاچو نمبر ٹو کا نام عبدالرحیم اور چاچو نمبر تھری کا نام عبدالرشید تھا، شومئی قسمت ان کے گھر میں کام کرنے والے مالی کا نام عبدالکریم، ڈرائیور کا نام عبدالرحیم اور گارڈ کا نام عبدالرشید تھا وہ تینوں اپنے ماں باپ سے شکوہ کر چکے تھے، ہمارے اتنے بزرگوں والے نام کیوں رکھے ہیں، ان کے مالی، ڈرائیور اور گارڈ خاندانی ملازم تھے، وہ ان کو کام سے نکال بھی نہیں سکتے تھے، اکثر عبدالکریم مالی کو کوئی مخاطب کرتا تو عبدالکریم بول اٹھتا، ڈرائیور کو بلایا جاتا تو عبدالرحیم جواب دیتا، یہی حال عبدالرشید کے ساتھ تھا، تینوں بھائی اس صورتحال سے خاصے ناخوش تھے، اکثر سبکی مہمانوں کے سامنے بھی اٹھانی پڑ جاتی، یوں تنگ آ کر عبدالکریم نمبر ون، عبدالرحیم نمبر ٹو، عبدالرشید نمبر تھری کہلوانے لگا، ان کے والد ملک سجاد اور والدہ جمیلہ بیگم کا تعلق گاؤں سے تھا، ان کا خاندان بہت امیر کبیر تھا۔

سجاد اور جمیلہ کے چار بیٹے تھے، بڑا بیٹا عادل دس سال بڑا تھا ان کے تینوں بیٹوں سے، بیٹی کی کمی ان کو بہت محسوس ہوتی تھی، لیکن وہ رب کی رضا میں راضی تھے، جب بڑے بیٹے عادل کی شادی نائمہ سے ہوئی تب تینوں پندرہ پندرہ سال کے تھے، عادل کی بیوی نائمہ بہت ہنس مکھ اور محبت کرنے والی لڑکی تھی، علی کی پیدائش پر

تینوں سولہ سال کے تھے، علی تین سال کا تھا، جب خوفناک روڈ ایکسیڈنٹ میں جاول اور نائمہ اس دنیا سے منہ موڑ گئے، ان کی فیملی کو یہ سانحہ خون کے آنسو رلا گیا، تینوں بہنیں گم صم رہے، ننھے علی نے ان کے غمزدہ دلوں پر مرہم کے پھاہے کا کام کیا، سب علی کی خاطر زندگی کی طرف لوٹ آئے جو عادل کی نشانی تھی، تینوں نے علی کو ہتھیلی کا چھالا بنا لیا تھا، بجیلہ بیگم اور ملک سجاد کی پوتے میں جان تھی، اب علی دس سال کا تھا تینوں چاچو چھبیس کے ہندسے تک پہنچ چکے تھے، ان تینوں کی جلد از جلد شادیاں کرنے کی خواہش مند بجیلہ بیگم اپنے شوہر ملک سجاد کی منتظر تھیں، جو بزنس کے سلسلے میں ایک ماہ کے بزنس ٹور پر تھے، علی آج کل دادا کے نہ ہونے کے باعث بجیلہ بیگم کے کمرے میں رہتا تھا۔

اس وقت وہ تینوں کھانے کے انتظار میں تھے کب بجیلہ بیگم کی طرف سے شام کے کھانے کا بلاوا آئے اور وہ جائیں، بھولے کے نہ ہونے سے بجیلہ بیگم پر کچن کے کاموں کا بوجھ بڑ گیا تھا، اس گھر میں لڑکے ہونے کی وجہ سے بجیلہ بیگم نے سارے ملازم مرد رکھے تھے، بھولا صفائی اور کچن کا کام کرتا تھا، کھانا لیٹ تھا اور وہ تین چاچو اور بھتیجا بھوکے تھے، علی کی نظر وہڈ کے شیشے کے پار پچھلے لان میں لگے شہتوت کے درختوں پر پڑی، تو اس کا دل شہتوت کھانے کو مچل اٹھا۔

"چاچو عبدالرحیم۔" علی کا میٹھی لہجہ چاچو نمبر ٹو کی ساعتوں سے ٹکرایا تو وہ کرنٹ کھا کر بیڈ سے اٹھا تھا۔

"افوہ چاچو یہاں ڈرائیور عبدالرحیم موجود تھوڑی ہیں۔" علی کو ان کا کرنٹ کھا کر اٹھنا بادر کرا گیا وہ ان کے نام لے چکا ہے۔

"اُف اوکے یار، بس خواہ مخواہ اپنے بزرگ ہونے کا احساس حاوی ہونے لگتا ہے، اپنا نام سن کر۔" چاچو نمبر ٹو مسکرا کر بولا۔

"چاچو مجھے شہتوت کھانے ہیں اور آپ تینوں تو مجھے درختوں پر چڑھنے نہیں دیتے، اٹھیں آج آپ تینوں توڑیں گے اور میں کھاؤں گا۔" علی کا لہجہ ضد سے اٹا تھا۔

"اوہ یار علی کیا یاد کرو گے، آج تمہاری خواہش پوری کر ہی دیتے ہیں، خود بھی منہ میں ڈال لیں گے، بھوک تو مٹ ہی جائے گی۔" چاچو نمبر دو یعنی عبدالکریم اٹھ کھڑا ہوا، عبدالرحیم اور عبدالرشید محبت بھری نگاہوں سے علی کو دیکھتے اٹھ کھڑے ہوئے، کچھ ہی لمحوں میں وہ تینوں علی کے ساتھ شہتوت کے درختوں کے نیچے کھڑے تھے، عبدالکریم اس درخت کی طرف بڑھا جس پر کچل پڑھی تھی اور ابھی تک اس کا منہ چل رہا تھا، عبدالرحیم اس درخت کی طرف بڑھا جس پر ماہا تھی، عبدالرشید، نیلم جس درخت کے شہتوتوں پر حملے کر رہی تھی، اس طرف بڑھا، علی کو شہتوت کھانے تھے وہ بھی ایک چاچو کو درخت پر چڑھتے دیکھتا، کبھی دوسرے چاچو کو اور کبھی تیسرے چاچو کو، کچھ ہی لمحوں میں تینوں چاچو درختوں کی گھنی شاخوں میں غائب ہو چکے تھے، پھر تینوں درختوں سے چیخنے کی آوازیں آئیں تو علی وہیں گھاس پر بیٹھ کر خوفزدہ نگاہوں سے درختوں کو دیکھنے لگا، چاچوؤں کی آوازوں کے ساتھ چڑیلوں کی بھی آوازیں بھی نمایاں تھیں یہ اس کا خیال تھا۔

☆☆☆

عبدالکریم جب درخت کے درمیان میں پہنچا تو کچل نے آہٹ پر جھٹ پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس کے حلق سے اجنبی ہینڈسم شاندار پرسنالٹی والے نوجوان کو دیکھ کر چیخ نکل گئی، کچل کا حلیہ

پہلے ہی خستہ حال تھا بال بھی اڑے اڑے تھے، شہتوتوں کے رنگ اس کے چہرے کو مسخرہ خیز بنا چکے تھے، وہ ایک کارٹون لگ رہی تھی، عبدالکریم اس کی موجودگی کی توقع مر کر بھی نہیں کر سکتا تھا، وہ بھی اسے چڑیل سمجھ کر چیخ اٹھا، پھر اپنی بزدلی پر خود ہی تاؤ آ گیا اور کڑک کر استفسار کیا۔

"کون ہو تم؟"

"میں..... میں کیوں بتاؤں، ت..... تم کون ہو۔" کچل گھبرا کر ہکلانے لگی، ان کو بھی ابھی شہتوت کھانے تھے، دل ہی دل میں اس نے سامنے کھڑے لال پیلے ہوتے لڑکے کو کوسا۔

"میں اس گھر کا شہزادہ ہوں، مجھے لگتا ہے تم کوہ قاف کی چڑیل ہو لیکن تم یہاں کیا کر رہی ہو۔" عبدالکریم نے اس کی حالت سے حظ اٹھایا، وہ جان گیا تھا یہ ساتھ والے گھر کی چڑیل ہے جس کی ہنسی کی آواز علی نے سنی تھی، یہ لڑکی ان کے گھر چوری چھپے داخل ہوئی تھی تو چڑیل ہی ہوئی۔

"تم ہو گے جن بلکہ زکوٹا جن۔" کچل خود کو چڑیل کہنے پر بھڑک اٹھی اور جوابی گولہ فوراً داغ دیا۔

"اوہ تو تمہیں اتنا حسین نوجوان زکوٹا جن لگتا ہے۔" عبدالکریم کے لہجے میں تاسف تھا، کچل لب بھینچ کر محض اسے گھور کر رہ گئی۔

"دل تو چاہا کہ دے ہی تمہیں چڑیل لگتی ہوں۔" لیکن جانتی تھی اس وقت وہ کیسی لگ رہی ہو گی، اس لئے بنا اس بدتمیز نوجوان سے الجھنے کے بجائے درخت سے نیچے اترنے لگی، گھبراہٹ میں وہ جلدی چھلانگ لگانے کی غلطی کر گئی، عبدالکریم نے چوں کو ہٹا کر جھک کر اسے دیکھا جو خونخوار نگاہوں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی، عبدالکریم ہونٹ سیٹی کی مانند سکوڑ کر درخت سے نیچے اترنے لگا، عبدالرحیم جب درخت پر چڑھا تو ماہا کے ہونٹوں پر نیلا پیلا رنگ دیکھ کر اس کی چیخ نکل گئی، وہ صحیح معنوں میں چڑیل لگ رہی تھی، الجھے بکھرے بال، بالوں میں اٹکے شہتوت، گرد آلود چہرے پر شہتوت اس کے رنگ وہ اچھی خاصی خوفناک لگ رہی تھی، ماہا نے جب اتنے خوبصورت، شاندار پرسنالٹی کے حامل نوجوان کو چیخنے دیکھا تو ناگوار سلوٹوں کا اس کی پیشانی پر جال سا بچھ گیا۔

"بزدل انسان چیخنا ضروری تھا، کانوں کے پردے پھاڑ دیے میرے۔" ماہا نے ٹھیک ٹھاک بے عزتی کر ڈالی عبدالرحیم کی۔

"بزدل، تم نے مجھے بزدل کہا۔" خوفناک چڑیل عبدالرحیم سے بزدلی کا طعنہ ہرگز برداشت نہ ہوا تھا، عبدالرحیم نے خوفناک چڑیل کہہ کر ماہا سے اپنی بے عزتی کا گویا بدلہ لیا، ماہا نے دانت پیس کر اس کے خوبصورت چہرے پر پھیلتے مذاق اڑانے والے تاثرات کو دیکھا اور درخت کی ٹہنیاں احتیاط سے پکڑتی نیچے اترنے لگی۔

"میں مدد کروں، خوفناک چڑیل، ویسے چڑیلیں تو غائب ہو جاتی ہیں کیوں مشقت کر رہی ہیں، غائب ہی ہو جائیں۔" عبدالرحیم مذاق اڑانے سے باز نہ آیا تھا، ماہا نے نیچے اترتے اترتے پلٹ کر اسے خونخوار نگاہوں سے دیکھا اور غصے میں چھلانگ لگا دی، عبدالرشید جب درخت پر چڑھا تو نیلی شہتوتوں کو توڑ توڑ کر نگلنے میں مصروف تھی اس کی لمبی گھنے بالوں کی چٹیا اس کی نازک کمر پہ ادھر اُدھر جھول رہی تھی، اس کا بس نہ چل رہا تھا وہ درخت پر ایک شہتوت بھی نہ چھوڑے، کھٹے میٹھے شہتوت نہ جانے پھر کھانے کو ملیں یا نہیں، عبدالرشید اس کے گلے میں جھولتا وہی ست رنگا آنچل دیکھ کر وہیں جم سا گیا۔

''ہمسایوں کی لڑکی۔'' اس کے دماغ میں جھماکا ہوا، نیلی کی عبدالرشید کی جانب پشت تھی، وہ اس کی ناگن کی طرح بل کھاتی چٹیا کو دیکھے گیا، نگاہوں کی تپش نے نیلی کو پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کر دیا، حلیہ تو اس کا تجل اور ماہا جیسا ہی تھا لیکن عبدالرشید کی نظر اس کی نیلگوں سمندر جیسی آنکھوں پر پڑی تو وہ کھو سا گیا، لیکن نیلی کے اوسان خطا ہو گئے، یہ کون خوبصورت نوجوان تھا جو گہری نگاہیں اس پر مرکوز کیے ہوئے تھا، اس کی نیلگوں آنکھوں نے خوف کا ذائقہ چکھا۔

''ک...... ک...... کون ہو تم۔'' عبدالرشید کی نگاہوں کی گرمی کی تاب نہ لا کر نیلی ہکلانے لگی، نیلی کی سریلی آواز نے عبدالرشید کا دل دھڑکا دیا۔

''آپ بتائیں آپ کون۔'' عبدالرشید چاچو نمبر تھری جو اپنے مزاج کے باعث اپنے بھائیوں کے نزدیک سڑیل تھا اس وقت شہد کا چھتہ بنا بیٹھا تھا۔

''م...... میں کیوں بتاؤں۔'' نیلی نیچے جانے کے لئے کوشش کرتے ہوئے بولی، لہجے میں تیکھا پن تھا، اسی وقت زمین پر دھڑام سے کسی کے گرنے کی آواز آئی تو اس نے دھڑکتے خوفزدہ دل سے پتوں کو ہٹا کر نیچے دیکھا، گھاس پر تجل اور ماہا ایک دوسرے سے فاصلے سے گری ہوئی تھیں، نیلی بہت احتیاط سے نیچے اتری اور ان کی جانب بھاگی، عبدالرشید بھی فوراً درخت سے نیچے اترا، عبدالکریم اور عبدالرحیم تجل اور ماہا کے گرتے ہی درختوں سے نیچے اتر آئے تھے، نیلی تجل اور ماہا کو بمشکل اٹھانے میں کامیاب ہوئی، تینوں خوبصورت جوان شہزادے ان کے سروں پر ملک الموت بن کر کھڑے تھے، ان کو اسی پل ایسا ہی لگا تھا، علی ہونقوں کی طرح سب کو دیکھ رہا تھا، وہ تینوں دیوار کی جانب نظریں چراتی ہوئی بڑھیں تو عبدالرشید بول اٹھا۔

''تم تینوں اپنا نام بتائے بنا نہیں جا سکتیں۔'' عبدالکریم اور عبدالرحیم نے چونک کر عبدالرشید کو دیکھا۔

''یہ تو کہیں سے سڑا ہوا نہیں لگ رہا۔'' وہ دونوں بھائی حیران اور علی پریشان تجل نے پلٹ کر تینوں کو دیکھا وہ اپنی جون میں واپس لوٹ چکی تھی۔

''کیوں ہمارے ناموں کا تم نے اچار ڈالنا ہے۔'' لہجہ کھا جانے والا تھا۔

''کم از کم ہمیں پتہ تو چلے ہمارے شہتوتوں کو چرانے والی لڑکیوں کا نام کیا ہے۔'' اب کے عبدالرحیم نے ان کو ڈھکے چھپے لفظوں میں چور ہی کہہ ڈالا، تینوں نے ایک ساتھ پلٹ کر تینوں کو گھور کر دیکھا، عبدالکریم کی نظر تجل پر تھی، جس کا دل عبدالکریم کی گچی مروڑنے کو چاہ رہا تھا، اس کی وجہ سے چھلانگ لگانا پڑی تھی، پاؤں میں اچھا خاصا درد تھا، ماہا پر عبدالرحیم کی مذاق اڑاتی نگاہیں تھیں، ماہا کا دل چاہا عبدالرحیم کی آنکھوں میں مرچیں ڈال دے، مسلسل نگاہوں ہی نگاہوں میں مذاق اڑا رہا تھا، نیلم عبدالرشید کی مسلسل اشتیاق بھری نگاہیں خود پر مرکوز پا کر سلگ ہی تو اٹھی۔

''میرا نام نیلم ہے، جان لیا میرا نام، گھورنا بند کریں پورے جوکر لگ رہے ہیں۔'' لہجہ بے حد غصیلا تھا، جواباً عبدالرشید ہنس پڑا، عبدالکریم اور عبدالرحیم بے ہوش ہوتے ہوتے بچے۔

''لگتا ہے یہ کام سے گیا۔'' عبدالکریم، عبدالرحیم کی سماعت میں گھسا، عبدالرحیم نے جھٹ اثبات میں سر ہلا دیا۔

''آپ دونوں بھی بتا دیں اپنا نام اور گیٹ سے چلی جائیں ایسا نہ ہو دوسرا پاؤں بھی فریکچر ہو

جائے۔'' تجل عبدالکریم کے بولنے پر مڑی اور سرد لہجے میں بولی۔

''میرا نام تجل، یہ ماہا اور نیلم اپنا نام بتا چکی ہے اور ہم چلی جائیں گی اور میرا پاؤں فریکچر نہیں ہوا اور اب اپنا منہ بند کریں، منہ کو سکون ہی نہیں دے رہے۔'' کرارا سا جواب دے کر تجل نے ماہا اور نیلم کو اشارہ کرتے ہوئے جمپ لگائی اور دیوار کو مضبوطی سے پکڑ کر چڑھ گئی اور پھر دوسری طرف اتر گئی، ماہا اور نیلم بھی دوسری طرف اتر گئیں، تینوں چہروں پر دلکش مسکراہٹ سجائے اس سمت دیکھنے لگے جس طرف وہ تینوں لڑکیاں گئی تھیں، دل نے اس وقت الگ ہی راگ سنایا تھا جسے نہ وہ سمجھنا چاہتے تھے اور نہ ان کو سمجھ آئی تھی، ان کو بہت جلد اس کی سمجھ آنے والی تھی۔

☆☆☆

''تجل...... تجل اٹھ جاؤ نیستی کی ماری قوم، واک کرنے جانا ہے ہمیں، گھر کے سامنے پارک ہونے کا فائدہ کیوں نہ اٹھائیں، صبح کی سیر کرنا کتنا ضروری ہے کیا تم نہیں جانتی، بچپن سے اب تک صبح کی سیر کا مضمون پڑھتے آئے ہیں۔'' ماہا بیڈ پر گدھے گھوڑے بیچ کر سوئی تجل کو جھنجھوڑتے ہوئے بولی۔

ماہا اور نیلم جاگرز اور ٹریک سوٹ پہنے ریڈی کھڑی تھیں، ریشمی بالوں کی پونیاں دونوں نے کس لی تھیں، تجل اٹھنے کا نام نہیں لے رہی تھی جب تجل ہنوز ننھے ننھے خراٹے لینے میں مگن رہی تو دونوں نے ایک دوسرے کی سمت دیکھا اور مخصوص اشارہ کیا، اب انہیں تجل پر وہ خاص طریقہ اپلائی کرنا تھا جس سے نہ صرف وہ اٹھ جاتی بلکہ سیکنڈ لگاتی ریڈی ہونے میں، نیلم تجل کے پاؤں کے پاس بیڈ پر بیٹھ گئی، ماہا تجل کا سر گود میں لے کر بیٹھ گئی، پھر ماہا نے تجل کے ناک اور منہ پر ہاتھ رکھ دیا، نیلم نے اس کی ٹانگیں مضبوطی سے پکڑ لیں، تجل کا سانس بند ہوا تو اس کا وجود پھڑ پھڑانے لگا، نیلم کے قبضے میں ٹانگیں ہلنے سے قاصر، تجل نے پورا زور لگا کر خود کو نیلم اور ماہا سے چھڑایا اور پھر لمبے لمبے سانس کھینچ کھینچ کر لینے لگی۔

''اب سانس لینا بند کرو اور فٹافٹ تیار ہو جاؤ۔'' نیلم نے چٹکی بجاتے ہوئے حکم دیا۔

''مرو تم دونوں، میری جان کی دشمن ہو تم دونوں، اگر میں اللہ کو پیاری ہو جاتی تو۔'' تجل نیلم اور ماہا کے اس خونخوار طریقے سے بہت عاجز تھی۔

''تو ہم اناللہ پڑھ لیتے۔'' جواباً ماہا کے لہجے میں بے نیازی تھی، تجل نے کھا جانے والی نگاہوں سے اپنی دونوں حسین کزنوں کو دیکھا اور بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اگر ایک منٹ کے اندر اندر تم تیار ہو کر باہر نہ آئیں تو اگلی بار تم واقعی ہمارے ہاتھوں زندہ نہ بچو گی۔'' واش روم میں داخل ہوتی تجل کو دھمکی دے کر نیلم ماہا کا بازو پکڑ کر کمرے سے باہر لے گئی، دھمکی کا خاطر خواہ اثر ہوا، اگلے پانچ منٹ کے اندر اندر وہ سرسبز وسیع و عریض پارک کے واکنگ ٹریکس پر واک کر رہی تھیں، تینوں نے عبایا پہن کر سر پر اسکارف اوڑھ رکھا تھا، عبایا کے نیچے وہ ٹریک سوٹ پہنتی تھیں، بلیک سکارف کے ہالے میں ان کے چہرے گویا روشنی بکھیر رہے تھے، اچانک تینوں کے قدموں کو زوردار بریک لگی جب تینوں کے سامنے وہی تینوں بھائی جاگنگ کرتے سامنے آ گئے، عبدالکرم کی نگاہ تجل پر پڑی جس کے چہرے پر خاصی بے زاری چھائی تھی اس پل عبدالکریم کو دیکھ کر، ماہا نے عبدالرحیم کو دیکھ کر برا سا منہ بنایا، نیلم تو عبدالرشید کی کچھ

کہتی نگاہوں سے خائف ہو کر نگاہ جھکا گئی، ہونا تو یہ چاہیے تھا وہ تینوں بھائی جاگنگ کرتے آگے گزر جاتے کیونکہ وہ تینوں انتہائی شرافت کا مظاہرہ کرتے ٹریک سے ہٹ کر گھاس پر کھڑی ہو چکی تھیں لیکن ان تینوں ہینڈسم شہزادوں کے تو قدم اٹھنے سے انکاری ہو گئے، خواہ مخواہ دانت نکالتے وہ بھی ٹریک چھوڑ کر ان کے سامنے جا کھڑے ہوئے جیسے صدیوں سے ایک دوسرے کے شناسا ہوں تینوں خوبصورت نازک اندام لڑکیوں کا خون کھول گیا، ان تینوں کی اس حرکت پر۔

''اب آپ شہتوت کھانے کب آئیں گی۔'' عبدالرشید نے براہ راست نیلم کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے استفسار کیا، نیلم اس کے دل کو بری طرح بھا گئی تھی، عبدالرشید پہلی نظر کی محبت کے تیر سے بری طرح گھائل ہو چکا تھا لیکن نیلم تو اس کو گھاس ہی نہیں ڈال رہی تھی، اس وقت بھی وہ عبدالرشید کے بے تکے سوال پر پیچ و تاب کھا اٹھی۔

''آپ کی بارات پر آؤں گی شہتوت کھانے۔'' نیلم نے جل کر بے تکا جواب داغا، عبدالرشید کا شریر قہقہہ یہ سن کر فضا برد ہوا۔

''میرے بارات والے دن تو آپ کی بھی شادی ہو گی، آپ کسی اور دن کھانے آیئے گا مجھے خوشی ہو گی آپ کو اپنے ہاتھوں سے شہتوت کھلا کر۔'' عبدالرشید اپنے دونوں بھائیوں اور نیلم کی بہنوں کی موجودگی کی پرواہ کیے بنا اپنے دل کی کہے جا رہا تھا، نیلم کا دل اس کے سر کے بال اکھاڑنے کو چاہ رہا تھا، لیکن بال کم بخت بہت ہی پیارے تھے اس نے فوراً ادارہ ترک کیا تھا، عبدالکریم اور عبدالرحیم ہونقوں کی طرح عبدالرشید کو دیکھ رہے تھے، یہ سڑیل انسان اتنا بدل جائے گا انہیں یقین نہ آ رہا تھا، جبکہ تجل اور ماہا نیلم اور عبدالرشید کی گفتگو کو بڑے ضبط سے ہضم کر رہی تھیں۔

''یہ تینوں تو ڈھیٹ بن کر ہمارے سامنے زمین کے ساتھ چپک ہی گئے ہیں، ہمیں ہی یہاں سے ہٹنا ہو گا۔'' تجل عبدالکریم کی نگاہ میں اپنے لئے اترتے پسندیدگی کے رنگوں کو اس کے منہ پر مارتی آگے بڑھ گئی، عبدالکریم کے دل نے مسکرا کر اس طرح دار حسینہ کو دیکھا تھا جو زبان سے گولے داغنے میں خاصی ماہر تھی، ماہا نے عبدالرحیم کی نرم نرم نگاہوں کے جواب میں اپنی نگاہوں سے شرارے اگلے تھے اور تجل کے پیچھے چلنے لگی، نیلم عبدالرشید پر نگاہ غلط ڈالے بنا ماہا کے پیچھے چل دی، وہ تینوں اپنے اپنے دل کی منتخب حسیناؤں کے نقش پا پر اپنے دل کو پیچھے چلنے سے نہ روک پائے، تینوں بھائی تینوں لڑکیوں کے پیچھے جاگنگ کرنے لگے، تجل نے جب پیچھے مڑ کر ان تینوں کو اپنے پیچھے آتے دیکھا تو نیلم اور ماہا کو اپنی چلنے کی رفتار تیز کرنے کو کہا، وہ تینوں تیز تیز چلنے لگیں، تینوں بھائی بھی جاگنگ میں تیز ہو گئے، جب درمیانی فاصلہ کم ہوا تو تجل، ماہا اور نیلم نے باقاعدہ دوڑ لگا دی اور پارک کے گیٹ سے باہر نکل کر ہی دم لیا، لیکن اپنے عقب میں ان کے دلکش قہقہوں کی گونج کو وہ دل پر اثر انداز ہونے سے نہ روک پائیں، صد شکر پارک میں ان تینوں لڑکیوں کے علاوہ وہ تینوں نمونے ہی موجود تھے وگرنہ ان کے دوڑنے کا اچھا خاصا تماشا بن جاتا اپنے گھر کے ذیلی گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہوئے ان تینوں نے پلٹ کر پارک کی سمت دیکھا تو ان تینوں کو اپنی جانب دیکھتے پا کر وہ سرعت سے گھر کے اندر غائب ہوئی تھیں، تینوں بھائیوں کے لبوں کی تراش کو دلکش اور دل موہ لینے والی مسکراہٹ نے چھوا تھا، تینوں بھائی محبت کی حسین وادی میں قدم رکھ چکے تھے، اب انہوں نے ان تینوں کو بھی اس حسین وادی میں بلانا تھا، لیکن وہ نہیں جانتے تھے، ان کی محبت پا کر بھی وہ ان کو پانے سے محروم رہنے والے تھے۔

☆☆☆

صبح کی خوبصورتی اس خوبصورت کالونی میں ہر سو پھیلی تھی، فضا میں گلاب کے پھولوں کی مہک رچی تھی، ہر سو گہرا سبزہ اپنی چھب دکھلا رہا تھا، ملک ہاؤس کے گیٹ کو بھولا پائپ سے تیز دھار کی صورت نکلتے پانی سے دھو رہا تھا، لیکن اس کی نگاہ بار بار بھٹک جاتی تھی، وجہ اس کے ہمسائے والے گھر یعنی رانا ہاؤس کے باہر ریمپ کو دھوتی چھیل چھبیلی لڑکی تھی، جو شڑاپ شڑاپ جھاڑو سے ریمپ دھو رہی تھی، لڑکی کے انداز میں بے نیازی کوٹ کوٹ کر بھری تھی، بھولے کی نظر بار بار مایوس لوٹتی تھی، وہ اس کی جانب متوجہ تک نہ تھی، بھولا چھٹی پر تھا، چھٹی سے واپس آیا تو اس کی نگاہ نے تب ہی ہمسائے میں کام کرنے والی ملازمہ کو تاڑ لیا تھا، وہ اس کے دل کو اچھی لگی تھی، اب وہ تب ہی گیٹ اور ریمپ دھوتا جب نوری ریمپ دھو رہی ہوتی، وہ بہت سلجھی ہوئی صاف ستھری لڑکی تھی، لیکن وہ اسے منہ تک نہ لگاتی تھی ابھی بھی وہ مسلسل بار بار گیٹ کو دھوتے ہوئے اس کی جانب دیکھ رہا تھا جب ذیلی گیٹ سے عبدالرحیم نکلا، اسی وقت نوری کو بلانے ماہا گیٹ پر آئی تھی، عبدالرحیم کی نظر ماہا پر نہیں پڑی تھی بلکہ وہ بھولے کو دیکھنے لگا جو دھوئے ہوئے گیٹ کو بار بار دھو رہا تھا۔

''بھولے کیا سارا پانی یہیں بہا دو گے کب سے گیٹ دھو رہے ہو، ماما بلا رہی ہیں تمہیں۔'' عبدالرحیم نے قدرے سخت لہجے میں بھولے کو مخاطب کیا، بھولا جو اپنے دل کی دنیا میں مست تھا، بوکھلا گیا، بوکھلاہٹ میں بھولے سے پانی والے پائپ کا رخ آفس کے لئے تک سک سے تیار عبدالرحیم کی جانب ہو گیا، پانی سے بچنے کے لئے عبدالرحیم اُچھلا، پھر ہنسی کی جھنکار گونجی تھی جو اس کے اُچھلتے وجود کو ساکت کر گئی، عبدالرحیم کی نگاہ نے ہنسی کی جھنکار کی سمت نگاہ اٹھائی تو دل مہک اٹھا، ماہا اپنے نازک مرمریں ہاتھ کو اپنے لبوں پر رکھے ہنسی کے سر بکھیر رہی تھی، جب عبدالرحیم کے ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے پر اس نے اپنی ہنسی کا نہ صرف گلا گھونٹ دیا بلکہ وہ پلک جھپکتے میں گھر کے اندر غائب ہو گئی، عبدالرحیم کا دل محبت کے سروں پر دھمالیں ڈالنے لگا، ماہا کا عکس اس کی نگاہوں کی پتلیوں میں سما گیا تھا، وہ گنگناتا ہوا گھر کے اندر چلا گیا، بھولا دلگرفتگی سے پائپ اکٹھا کر رہا تھا، اس بات سے بے خبر کہ رانا ہاؤس کا گیٹ بند کرتی نوری نے اسے نظر بھر کر دیکھا تھا۔

☆☆☆

''توبہ ہے، ہمسائے میں تو انتہائی بدتمیز لڑکے رہتے ہیں، جب بھی سامنا ہوتا ہے، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگتے ہیں، تمیز تہذیب تو چھو کر نہیں گزری۔'' تجل کو دو دن پہلے صبح کی سیر کے دوران ان تینوں سے سامنا ہونے والا واقعہ بھول ہی نہ رہا تھا، اس دن کے بعد وہ پارک میں ہی نہ گئی تھیں، اس وقت وہ تینوں کزنز سر سبز لان میں خوشگوار موسم کا لطف اٹھانے کے لئے لان چیئرز پر بیٹھی تھیں، ان کی مائیں گھر کے وسیع لاؤنج میں ایک دوسرے کے ساتھ محو گفتگو تھیں، دیورانی جٹھانی میں محبت سگی بہنوں سے بڑھ کر تھی، یہی وجہ تھی گھر میں سکون تھا، خوشحالی تھی، ان دونوں کے لئے وہ تینوں ان کی اپنی بیٹیاں تھیں، کوئی فرق نہ رکھا تھا ان تینوں میں، وہ تینوں اس وقت لان میں ہمسایوں کے لڑکوں کے تصور میں

گم بیٹھی تھیں، سجل تو عبدالکریم کی نگاہوں کی گستاخیوں پر سیخ پا ہو رہی تھی، اپنے غصے میں اس نے دھیان ہی نہ دیا، ماہا اور نیلم آپ ہی آپ مسکرائے جا رہی تھیں، ماہا کو عبدالرحیم کی نگاہوں سے چھلکتی محبت اپنا اسیر کر گئی تھی، جبکہ نیلم بھی عبدالرشید کی محبت سے دامن نہ جھٹک پا رہی تھی، اسی وقت نوری ان کے لئے کچھ مرسلاد لے کر آئی، اس کے چہرے پر بڑی میٹھی میٹھی مسکان تھی، وہ تینوں کچھ مرسلاد بہت شوق سے کھا رہی تھیں، یہ نوری کی ڈیوٹی تھی وہ ان کی بنا کر دیتی تھی، سجل کی نگاہ نے نوری کی انوکھی مسکراہٹ کو پل میں تاڑ لیا، نیلم اور ماہا کی جانب ابھی دھیان نہ تھا۔

''تمہیں کیا ہوا، بڑی خوش لگ رہی ہو، کوئی خزانہ ہاتھ لگ گیا ہے کیا۔'' سجل نے طنزیہ لہجے میں استفسار کیا، نوری جواباً چپ رہی گویا سنا ہی نہ ہو، اس کی مسکراہٹ ابھی تک اس کے لبوں سے چپکی ہوئی تھی، سجل نے نوری سے نگاہ ہٹا کر نیلم اور ماہا کو مخاطب کرنے کے لئے منہ کھولنا چاہا، تو اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا، وہ دونوں گویا کسی اور ہی جہان میں پہنچی ہوئی تھیں اور بڑی پیاری مسکراہٹ ان کے سرخ یاقوتی لبوں پر رقصاں تھی۔

''ہیں، انہیں کیا ہوا، تم تینوں پاگل تو نہیں ہو گئی، خود ہی مسکرائے جا رہی ہو، کوئی جن ون تو نہیں آ گیا تم تینوں پر۔'' سجل کو نوری، نیلم اور ماہا کی فکر دامن گیر ہو گئی تھی، وہ بلند آواز میں چلا اٹھی تھی، تینوں نے مسکراتی نگاہوں سے متفکر ہوتی سجل کو دیکھا اور چپ رہیں، وہ سجل کو کیا بتاتیں کہ۔

''محبت کا جن آ گیا ہے ان پر۔'' نوری چینی کا پیالہ رکھ کر واپس مڑ گئی، جبکہ نیلم اور ماہا پیالہ پکڑ کر سلاد کھانے لگیں، وہ تینوں ایک ہی پیالے سے مل کر کھاتی تھیں، حیرت اور صدمہ سجل کی تب ہوا جب سجل کو چمچ پکڑانے کی زحمت دیئے بنا وہ دونوں پورا پیالہ چٹ کر گئیں۔

''اب تو مجھے واقعی یقین آ گیا ہے تم لوگوں پر واقعی جن آ گیا ہے، ندیدہ یہ میرا حصہ بھی چٹ کر گئی ہو۔'' سجل دونوں کی کھانے کی پلیٹ پر پہلے حیران تھی، اب خالی پیالہ دیکھ کر صدمے میں گھری بیٹھی تھی، وہ پیر پٹختی چیئر سے اٹھ کھڑی ہوئی اور پچھلے لان کی طرف چلی گئی، ماہا اور نیلم مسکراتے ہوئے اس کو دیکھنے لگیں، محبت نے واقعی ان کی سدھ بدھ کھو دی تھی، وہ کھوئی کھوئی سی وہیں بیٹھ رہ گئیں، یہ جانے بنا کہ سجل تن تنہا ہمسایوں کے گھر شہتوت کھانے نکل کھڑی ہوئی تھی۔

☆☆☆

عبدالرحیم اور عبدالرشید آفس جا چکے تھے، بھولا کچن صاف کر کے اب پورے گھر کو چمکا رہا تھا بجیلہ بیگم اپنی بیمار رشتے کی خالہ کی عیادت کرنے ہاسپٹل گئی تھیں، بھولے کی وجہ سے وہ خاصی مطمئن رہتی تھیں کیونکہ بھولے نے پورے گھر کو بہت اچھی طرح سنبھالا ہوا تھا، بھولا تھا بھی ہر کام میں ماہر، بھولے کے ماں باپ تو تھے نہیں چچا نے پالا پوسا اور بڑا کیا، ملک سجاد کے گھر نوکر رکھوا دیا، اب بھولا گھر کے فرد کی حیثیت رکھتا تھا، وہ گنگناتے ہوئے کام نمٹا رہا تھا جب عبدالکریم کو ایک ہاتھ میں چھوٹی سی باسکٹ پکڑے اس نے لاؤنج کے گلاس ڈور کو کھلتے دیکھا۔

''کہاں جا رہے ہیں نمبر دن چاچو۔'' بھولا بھی علی کی طرح ان کو بھی بگھار مذاق میں چاچو کہہ لیتا تھا، عبدالکریم نے پلٹ کر تیکھے تیوروں سے بھولے کو دیکھا۔

''تمہارا چاچو میں کب سے ہو گیا، مجھ سے بھی بڑے ہوشیار دار آئندہ مجھے چاچو کہا تو۔'' عبدالکریم کے تیکھے لہجے پر بھولا اپنا سا منہ لے کر رہ گیا، عبدالکریم نے آج آفس سے چھٹی کی تھی، علی کی طبیعت خاصی خراب تھی، سو عبدالکریم کو علی کی وجہ سے آج آفس سے آف کرنا پڑا تھا۔

''یہ تو بتا دیں جا کہاں رہے ہیں۔'' بھولا بھی باز نہ آیا تھا۔

''بھڑوں نے دعوت دی ہے مجھے، آجاؤ انہوں نے بطور خاص تمہیں مدعو کیا ہے، کہ بھولے کو لازمی لانا، ہم نے اس کا منہ چومنا ہے۔'' عبدالکریم نے گویا بھولے کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا، بھولا بلبلا اٹھا۔

''عبدالکریم بھائی کن منحوسوں کا نام لے دیا، آپ شہتوت کے درختوں پر جا رہے ہیں، دھیان سے جایئے گا، کہیں وہ آپ کا منہ نہ چوم لیں۔'' بھولے کو یاد تھا کس طرح اس نے شہتوت کے درخت پر بھڑوں کے چھتے کو غلطی سے چھیڑ دیا تھا، پھر تلوں میں تیل نہ رہا تھا، پھر پورا ہفتہ وہ اپنا سوجا ہوا منہ اور بدن لئے منہ چھپاتا پھرتا تھا۔

''بے فکر رہو، وہ ہم جیسے شہزادوں کو دور سے سلام کرتے ہیں، اس لئے فکر ناٹ بھولے، ویسے بتا دیتا ہوں، علی نے فرمائش کی ہے کالے کالے شہتوت کھانے کی، وہی لینے جا رہا ہوں۔'' عبدالکریم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور لاؤنج سے نکل گیا۔

☆☆☆

سجل نے دیوار پر چڑھ کر ہمسایوں کے پچھلے لان کی صورتحال ملاحظہ کی، بہار کے موسم میں ہلکی ہلکی تپش کا آغاز تھا، لان میں ہو کا عالم تھا، میدان صاف دیکھ کر سجل نے گھاس پر چھلانگ لگا دی، لیکن آواز تک پیدا ہونے نہ دی تھی، پھر وہ ادھر ادھر دیکھتی قدموں کی چاپ تک پیدا کیے بنا درختوں کے قریب آ گئی، سب سے پہلے درخت پر وہ تنے کے ساتھ چپک چپک کر اوپر چڑھ گئی، گھنا درخت کالے شہتوتوں سے لدا ہوا تھا، وہ اپنے ہی دھیان میں موٹی سی ٹہنی پر مضبوطی سے قدم جما کر کھڑے ہونے کے لئے آگے کو ہوئی تو اس کا پاؤں رپٹا، قریب تھا کہ وہ پتوں اور ٹہنیوں کی بلائیں لیتے نیچے جا گرتی، دو مضبوط ہاتھوں نے سرعت سے بازو تھام کر اپنی جانب کھینچا وہ مضبوط سینے سے جا لگی تھی، اچانک گرنے کے خوف کے زیر اثر سجل کا سانس دھونکنی کی مانند چل رہا تھا اس نے اپنی اس سوچ پر لعنت بھیجی جو اسے یہاں تک لے آئی تھی اور تڑپ کر پیچھے ہٹی تھی لیکن مضبوط ہاتھوں کی گرفت اتنی کمزور ہرگز نہ تھی وہ محض اس کے ہاتھوں کی گرفت میں مچل کر رہ گئی۔

''چوٹ تو نہیں آئی آپ کو۔'' نرم گرم لہجہ اس کی سماعتوں کو لرزا گیا، اس نے پوری قوت سے خود کو چھڑایا تھا لیکن اب کی بار قدم مضبوط رکھے مبادا پھر گر نہ جائے لیکن اس کے لبوں نے بڑا لٹھ مار جواب اگلا تھا، گرتی تو چوٹ لگتی، جواباً عبدالکریم دلکشی سے مسکرایا اور معنی خیز انداز میں جواب دینا ضروری سمجھا۔

''میں گرنے دیتا تو چوٹ لگتی، تو پھر پوچھا کیوں، چوٹ تو نہیں لگی۔'' سجل نے منہ بگاڑ کر نقل اتاری، عبدالکریم کا بے ساختہ قہقہہ بلند ہوا۔

''آپ تینوں بھائی واقعی پاگل ہیں، اپنی بے عزتی کو بھی انجوائے کرتے ہیں۔'' سجل کا لہجہ طنزیہ تھا وہ دونوں آمنے سامنے موٹی موٹی ٹہنیوں پر کھڑے تھے، سجل کو درخت سے نیچے اترنے کے لئے پر تولتے دیکھ کر عبدالکریم بے تابی سے بول

اٹھا۔

”شہتوت تو کھا لیں، مجھے نہیں کھانے شہتوت، جب بھی کھانے آؤ تم ٹپک پڑتے ہو۔“ سجل کو شہتوت نہ کھا سکنے کا دکھ تھا جو اس نے عبد الکریم پر نکال دیا۔

”تم بیٹھو یہاں اور یہ شہتوت کھاؤ۔“ عبد الکریم نے علی کے لئے توڑے جانے والے شہتوتوں کی چھوٹی سی ٹوکری سجل کے سامنے کر دی، سجل نے پہلے شہتوتوں سے بھری ہوئی فروٹ باسکٹ کو دیکھا پھر اس ہینڈسم بلا کے خوبصورت نوجوان کو، جس کے لبوں پر بڑی میٹھی مسکان تھی اس کی روشن پیشانی پر سیاہ سلکی بال بکھرے تھے، اس کی رنگت سرخ وسفید تھی۔

”بندے کو عبدالکریم کہتے ہیں۔“ سجل کو اپنا جائزہ لیتے دیکھ کر وہ شوخی سے بولا۔

”ہیں بزرگوں والا نام۔“ سجل بے ساختہ بولی۔

”ہم تینوں بھائیوں کے نام ہمارے پاپا کے چچا نے رکھے تھے، میرا نام عبدالکریم، مجھ سے ایک گھنٹہ چھوٹے بھائی کا نام عبدالرحیم اور دو گھنٹے چھوٹے بھائی کا نام عبدالرشید ہے۔“ سجل کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

”یعنی کہ تینوں ایک ہی دن وقفے وقفے کی پیدائش ہیں، اس لئے آپ تینوں کی شکلیں بہت زیادہ ملتی ہیں۔“ سجل اب اپنی حیرت چھپا نہ پائی تھی، دونوں کے درمیان گفتگو اتنی نارمل انداز میں ہو رہی تھی گویا وہ دونوں دوست ہوں۔

”جی اس لئے نہ صرف شکلیں ملتی ہیں، بلکہ ہماری قسمت ہماری مالی کا نام عبدالکریم، ڈرائیور کا نام عبدالرحیم اور چوکیدار کا نام عبدالرشید ہے، اس لئے ہم تینوں بھائیوں نے اپنے نام الگ رکھ کو چھوڑے ہیں، مجھے نمبر ون، عبدالرشید کو نمبر ٹو اور عبدالرشید کو نمبر تھری کہا جاتا ہے۔“ سجل کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

”امیزنگ، آپ کے گھر میں تو خوب تماشا لگتا ہو گا۔“ سجل کو عبدالکریم سے بات کرنا اچھا لگا، دو مضبوط موٹی ٹہنیوں پر قدم جما کر آمنے سامنے کھڑے وہ یوں لگ رہے تھے گویا صدیوں کی شناسائی ہو۔

”ہاں تو تماشا تو لگتا ہے، علی میرا بھتیجا ہے زیادہ تر چاچو نمبر ون، نمبر ٹو اور نمبر تھری کہتا ہے۔“ عبدالکریم کے لہجے میں علی کے لئے محبت تھی۔

”اوہ تو علی آپ کا بھتیجا ہے۔“ سجل کی آنکھوں کے سامنے علی کا شرارتی چہرہ جگمگایا تو وہ مسکرا اٹھی۔

”علی کے ماما پاپا کا ذکر نہیں کیا آپ نے۔“ سجل گویا آج ہی عبدالکریم کا شجرہ نسب کھنگالنا چاہتی تھی۔

”ان کی ڈیتھ ہو گئی ہے، علی تب تین سال کا تھا، علی کو امی نے ہی پالا ہے اور ہم اس کے چاچو بھی ہیں اور دوست بھی۔“ جواب دیتے ہوئے عبدالکریم کا لہجہ دکھ سے بوجھل تھا۔

”اوہ مجھے یہ سن کر بہت دکھ ہوا۔“ سجل کو حقیقتاً دکھ ہوا تھا یہ سن کر۔

”اٹس اوکے، اب تو ہمیں صبر آ گیا ہے، اب تم یہ شہتوت کھا لو، یہی چرانے آئی تھی نا۔“ عبدالکریم کا لہجہ شریر ہو گیا، سجل نے عبدالکریم کے ہاتھ سے کالے کالے رسیلے شہتوتوں سے بھری باسکٹ پکڑ لی، عبدالکریم کی گہری پر محبت نگاہیں خود پر مرکوز پائیں تو صحیح معنوں میں اس کا اپنی عقل پر ماتم کرنے کو دل چاہا، یعنی کہ اس طرح وہ اس سے باتیں کرنا شروع ہو گئی جیسے، دو سکھی سہیلیاں بچھڑنے کے بعد ملی ہوں، اسے ڈھیروں شرم اور غصے نے آ گھیرا، اسی پل وہ تڑخ کر

بولی۔

”کھانے کی چیز کی چوری نہیں ہوتی، بلکہ اگر کوئی آپ کے درختوں سے کھائے گا تو آپ کو بہت ثواب ملے گا، یہ شہتوت تو آپ نے مجھے خود دیے ہیں پھر چوری کیسی۔“ سجل درخت سے اترنے کے لئے پر تولتے ہوئے چہکی، عبدالکریم کے لبوں پر مسکان چمکی۔

”شہتوت چرا کر کھانے سے تو مان لیا ثواب ملتا ہے، لیکن میرا دل چرانے کا ثواب کیا ملے گا مجھے۔“ سینے پر ہاتھ باندھ کر فرصت سے احتیاط سے درخت کی موٹی ٹہنی کو ایک ہاتھ سر پکڑ کر اور دوسرے ہاتھ میں فروٹ باسکٹ پکڑتے نیچے اترتی سجل کو گمبھیر لہجے میں مخاطب کیا۔

”میرا دل۔“ یہ کہتے ہوئے سجل نے گھاس پر چھلانگ لگا دی، پھر پیچھے مڑ کر نہ دیکھا تھا، شرم اور جھجک نے آن واحد میں اس کو اس کے اپنے کمرے میں لا کھڑا کیا تھا اور عبدالکریم کو تو وہ گویا ہفت اقلیم عطا کر آئی تھی، عبدالکریم کا رواں رواں خوشی سے جھوم اٹھا تھا، گنگناتے ہوئے وہ علی کے لئے شہتوت اتارنے لگا، باسکٹ وہ سن لو دے چکا تھا، اس وقت وہ شلوار قمیض میں ملبوس تھا، تو اپنی قمیض کے دامن میں شہتوت رکھتے ہوئے وہ ہر گز شرمسار نہ تھا۔

☆☆☆

”تم کہاں مر کھپ گئی تھی سجل، پورا گھر چھان مارا ہم نے۔“ سجل کو لالو لال چہرہ لئے کمرے میں موجود پا کر بیڈ پر آڑھی ترچھی لیٹی ماہا اور نیلم نے تعجب سے دیکھا اور استفسار کا گولہ داغ دیا، سجل کے ہاتھ میں باسکٹ پر ابھی ان کی نظر نہ پڑی تھی وگرنہ وہ اس طرح بیڈ سے اترتیں گویا بیڈ پر کانٹے اگ آئے ہوں، سجل کا دل ابھی تک دھک دھک کر رہا تھا، سجل چند لمحے اپنی بے ترتیب سانسوں کو ہموار کرتی رہی۔

”تمہیں ہوا کیا ہے، کہیں کوئی پیچھے تو نہیں لگ گیا۔“ اب کہ نیلم کو سجل کا لال گلابی چہرہ دیکھ کر تشویش ہوئی تو وہ بیڈ سے اٹھ کر قریب چلی آئی، سجل نے جواب نہ دیا لیکن نیلم کی نظر شہتوتوں سے بھری باسکٹ پر پڑی تو خوشی سے اس کی چیخ نکل گئی، اس کی چیخ ماہا کو بھی بیڈ سے اتر کر قریب آنے پر مجبور کر دیا، پھر وہ بھی خوشی سے اچھلنے لگی، دونوں نے شہتوت کی باسکٹ سجل کے ہاتھ سے چھپٹنا چاہی تو سجل نے سرعت سے ہاتھ پیچھے کر لیا، دونوں ہونقوں کی طرح سجل کی اس حرکت کو دیکھ کر رہ گئیں۔

”یہ شہتوت صرف میرے ہیں، کیونکہ یہ کسی نے بہت محبت سے دیئے ہیں مجھے۔“ سجل کے لبوں پر بڑی پیاری مسکراہٹ رقصاں تھی، دونوں نے اب غور سے سجل کے انداز ملاحظہ کیے تھے۔

”اوہ تو تم بھی محبت کی راہ گزر پر چل پڑی ہو۔“ نیلم آہ بھر کر بولی۔

”نہ صرف محبت کی راہ گزر پر قدم رکھ دیا ہے بلکہ راہ گزر ساتھ پر چلنے والے نے اپنی محبت بھی مجھے دان کر دی ہے۔“ سجل کا لہجہ مہکتا ہوا تھا۔

”یعنی تم ملاقات کر کے آئی ہو، ماہا مجھے چٹکی کاٹو، یہ سڑیل مزاج نصیحتوں کے پل باندھنے والی ہماری ہمشیرہ، کہیں اس کا دماغ تو نہیں چل گیا۔“ نیلم آنکھیں پھاڑ کر سجل کو دیکھتے ہوئے پھر کراہی، ماہا نے زور سے چٹکی نیلم کے نرم گداز بازو پر کاٹی تو نیلم درد کے باعث ایک فٹ اچھل پڑی، سجل کھلکھلا کر ہنس پڑی، اس کی ہنسی میں ترنگ تھا، خمار تھا، آسودگی تھی، کھنک تھی، نیلم درد بھول کر اور ماہا اپنا نیلم پر کیا گیا ظلم بھول کر حیرت سے سجل کو دیکھنے لگیں۔

''جو محبت کی راہ کی مسافر بن کر بہت حسین لگ رہی تھی۔'' ان دونوں کو عبدالرحیم اور عبد الرشید پر اس لمحے تپ چڑھی تھی، وہ دونوں ابھی اتنی ہمت نہ کر پائے کہ دونوں کو اپنی محبت کا یقین دلا پاتے، سجل کا بات بات پر ہنسنا مسکرانا ان کا غصہ مزید بڑھا دیتا، وہ دونوں جو اپنی محبت کے خمار کو محسوس کر رہی تھیں، اب اظہار محبت سننے کو بے تاب تھیں، لیکن کیسے عبدالرحیم ماہا کو عبدالرشید نیلم کو اب کبھی نظر ہی نہ آئے تھے، سجل اتراتی پھرتی، ماہا اور نیلم اداس ہو جاتیں، یوں دن گزرتے رہے اور پھر رمضان المبارک کا مقدس اور بابرکت مہینہ اپنی رحمتوں اور برکتوں کی تجلیاں بکھیرے آ پہنچا، ہر سو سکون اور عبادت نے گٹھ جوڑ کر لیا تھا ملک ہاؤس اور رانا ہاؤس میں بھی روزے احترام اور محبت سے رکھے جا رہے تھے، چوتھا روزہ تھا، ملک ہاؤس میں تینوں بھائی آفس سے لوٹے تو بھولے نے بتایا، بیگم صاحبہ اور علی ملک سجاد کے چچا کے گھر گئے ہیں، ان کے چچا کی طبیعت بہت خراب تھی، ملک سجاد کی دو دن بعد وطن واپسی تھی، بجیلہ بیگم نے آج وہیں قیام کرنا تھا، کل گھر واپس آنا تھا، بھولا سحری اور افطاری بنا دیتا تینوں کو، انہیں گھر کی فکر نہ تھی، لیکن عبدالرحیم، عبدالکریم اور عبدالرشید اس وقت اداس بیٹھے تھے تینوں باقاعدگی سے ہر سال سارے روزے رکھتے تھے، اس وقت انہیں روزہ بھی لگ رہا تھا اور وہ تینوں چلبلی لڑکیاں بھی یاد آ رہی تھیں جن کی اس دن کے بعد ان کو شکل بھی نظر نہ آئی تھی۔

''عبدالکریم مجھے بتاؤ ہم کیسے حال دل پہنچائیں، تم نے تو سجل کے دل میں جگہ بنا لی ہے اور ہم ان کے دل کے آس پاس ہی گھوم رہے ہیں۔'' عبدالرشید نے اپنا اور عبدالرحیم کا مشترکہ دکھڑا رو دیا۔

''میں نے تو سجل کو اپنی فیملی کے متعلق سب بتا دیا تھا لیکن سجل نے مجھے اپنے متعلق کچھ نہیں بتایا۔''

''میں تو خود پریشان ہوں، ہمیں رشتہ بھیج دینا چاہیے، امی چچا کی عیادت کے ساتھ خاندان میں ہم تینوں کے لئے لڑکیاں بھی دیکھنے گئی ہیں، بھولے نے مجھے بتایا ہے میری تو نیندیں اڑ گئی ہیں، اوپر سے ہم ہمسایوں کے متعلق زیادہ جانتے بھی نہیں، جب سے روزے شروع ہوئے ہیں وہ شہتوت کھانے بھی نہیں آئیں۔'' عبدالکریم خاصا دلگرفتہ تھا، سجل سے بات تو در کنار اس کا چہرہ تک نہ دیکھا تھا اس نے۔

''ہمیں پاپا کی آمد سے قبل کچھ کرنا ہوگا، سجل تو ہاں کر گئی ہے عبدالکریم کو، ماہا اور نیلم کو بھی ہاں کرنی ہوگی، وگرنہ پاپا نے امی کی منتخب کردہ لڑکیوں سے بات چلا دینی ہے۔'' عبدالرشید کا دل نیلم کو یاد کر کر کے ٹھنڈی آہیں بھر رہا تھا۔

''آئیڈیا، ہمیں ہمسایوں کے ساتھ تعلق بنانے کی ابتدا کرنی چاہیے۔'' اچانک عبدالرحیم بول اٹھا، عبدالرحیم کے لہجے میں جوش اور آنکھوں میں انوکھی چمک تھی۔

''مثلاً وہ کیسے؟ یہ بھی بتا دو۔'' عبدالکریم کے لہجے میں طنز تھا۔

''تو پھر سنو۔'' عبدالرحیم دھیرے دھیرے انہیں بتانے لگا جسے سن کر عبدالکریم اور عبدالرشید کے چہروں پر گویا رونق آ گئی، اسی وقت عبدالکریم نے بھولے کو آواز دی تھی، جو کچن میں ابھی افطاری کی تیاری شروع کرنے والا تھا۔

☆☆☆

''تم تو بہت اترا رہی تھی، عبدالکریم کو مجھ سے محبت ہے، اب کہاں گئی محبت، کوئی اتا پتا ہی نہیں دن میں دس چکر تم پچھلے لان کے لگاتی ہو، پھر مشترکہ دیوار کے پاس کھڑی ہو جاتی ہو، ان تینوں بھائیوں نے ہم تینوں کو پکا الو بنایا ہے۔'' ماہا نے سجل اور نیلم کی اتری ہوئی شکل دیکھ کر طنزاً سجل کو مخاطب کیا، جو نرم صوفے میں دھنسی کھڑکی کے پار نیلے آسمان کو دیکھے جا رہی تھی، وہ جتنی خوش تھی اور اب اتنی ہی اداس تھی، ماہا کے طنز کے جواب میں خاموش نظر تھی جو اس نے ماہا پر ڈالی تھی اور پھر نیلے آسمان کو دیکھنے لگی۔

''مجھے بس موقع مل جائے، ان تینوں بھائیوں کو وہ مزے چکھاؤں گی کہ یاد رکھیں گے۔'' نیلم نے ٹھان لیا تھا، اب وہ تینوں ان تینوں بھائیوں کو منہ تک نہ لگائیں گی، لیکن وہ نہیں جانتی تھیں، ان کی قسمت کیسا پلٹا کھانے والی تھی، جہاں محبت بھی تھی اور نارسائی کا دکھ بھی تھا۔

☆☆☆

''وہ جی بیگم صاحبہ آپ کی مدد کی اس وقت اشد ضرورت ہے۔'' بھولا مسکین سی صورت بنائے اس وقت رانا ہاؤس کے لاؤنج میں کھڑا قیمتی نرم دبیز صوفے پر شان سے بیٹھی باوقار سونیا بیگم سے مخاطب تھا، کن اکھیوں سے سونیا بیگم کے پاؤں دباتی نوری کو بھی تاڑا جا رہا تھا جو خواہ مخواہ شرمائے جا رہی تھی، بھولا آج تشریف لایا تھا وہ خوش کیونکر نہ ہوتی۔

''کیسی مدد۔'' سونیا بیگم نے اچنبھے سے استفسار کیا، نوری نے ان کو بتایا تھا بھولا ساتھ ہمسائے کے گھر کام کرتا ہے، سونیا بیگم نے تو چھوٹا سا لڑکا جان کر اندر بلوالیا تھا، لیکن وہ تو جوان جہان تھا، تینوں لڑکیاں کچن میں تھیں، افطاری کی تیاری وہ تینوں ہی کیا کرتی تھیں، اس لئے وہ بھولے کو سن کر اب استفسار کر رہی تھیں۔

''وہ جی ہماری بیگم صاحبہ دوسرے شہر گئی ہیں، وہ ہمارا کک بھی چھٹی پر ہے، ہمارے تینوں صاحب بازار کا کھانا کھا کر پہلے ہی پریشان ہیں، اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو افطاری کے لئے کچھ پکا کر بھیج دیں۔'' بھولے نے اس وقت جھوٹ اور مسکینیت کے سارے ریکارڈ توڑ ڈالے اگر وہ تینوں بھولے کو دیکھ لیتے تو کوئی میڈل تو ضرور ہی پہناتے۔

''ٹھیک ہے تم جاؤ، افطاری سے پہلے کھانا تمہارے گھر پہنچ جائے گا۔'' سونیا بیگم نے ہمسائیوں کے حقوق کا خیال کرتے ہوئے بھولے کو مایوس کرنا مناسب نہ سمجھا، دردانہ بیگم آرام فرما رہی تھیں ان کی طبیعت کچھ ناساز تھی، سو سونیا بیگم نے تینوں کو کچن سے بلوایا اور ہمسایوں کے لئے کھانا تیار کرنے کا حکم دیا، نوری بھی ان تینوں کے پیچھے کچن میں آ گئی، جب نوری بھولے کے لاؤنج سے جانے کے بعد دروازہ بند کرنے گئی تھی تب بھولے نے نوری کو سب بتا دیا تھا، اب نوری ان تینوں کو بتا رہی تھی کہ تینوں لڑکوں نے رشتہ بھیجنے سے پہلے تعلقات بہتر بنانے کی ادنیٰ سی کوشش کی ہے سو ان تینوں نے دل لگا کر کھانا تیار کیا، ٹھیک افطاری سے بیس منٹ پہلے نوری کھانے کی ٹرے تھامے ملک ہاؤس کے گیٹ کے سامنے کھڑی تھی، رانا ہاؤس کے دروازے میں وہ تینوں لڑکیاں لائن بنائے کھانے کی تین عدد ٹرے تھامے کھڑی تھیں، دروازہ بھولے نے کھولا تو نوری نے شرما کر ٹرے آگے کی اور گویا شرم سے منمنائی۔

''بھولے یہ کھانا صرف تمہارے لئے ہے اور اب تم اپنے تینوں صاحبوں کو باری باری بھیجو، رانا ہاؤس کے گیٹ پر، ملاقات کا انتظام کر دیا ہے میں نے، سونیا بیگم اور دردانہ بیگم تسبیح میں مشغول ہیں، دونوں بڑے صاحب کی افطاری آج ان کے دوست کی طرف ہے، جلدی بھجوان

کو وقت کم ہے۔" نوری کہہ کر رانا ہاؤس کے ذیلی گیٹ کے اندر داخل ہوئی اور سجل کو آگے کر کے خود ان دونوں کو سائیڈ پر کر کے کھڑی ہو گئی، سجل کے ہاتھ میں عبدالکریم کے لئے کھانے کی ٹرے تھی، چاروں کی ٹرے میں ایک ہی جیسی کھانے کی چیزیں تھیں، پکوڑے، سموسے، املی آلو بخارے کی چٹنی، دہی بڑے، چپاتیاں اور مٹن کا سالن، عبدالکریم بوتل کے جن کی طرح سجل کے سامنے حاضر ہوا تھا، دونوں نے اتنے دنوں بعد ایک دوسرے کو دیکھا تھا، دونوں نے ایک لمحے ایک دوسرے کو دیکھا پھر سجل نے نگاہیں جھکا دیں، عبدالکریم کو اس کا شرمیلا روپ اتنا بھایا کہ وہ اردگرد سے بے گانہ ہو گیا، سجل کو جگہ اور وقت کا احساس ہوا تو جھٹ ہوش میں آئی اور اپنی جون میں واپس لوٹی۔

"یہ لو، میری طرف سے اللہ کی راہ میں خیرات قبول کرو۔" لہجہ شرارتی اور کھنک سے بھرپور تھا، عبدالکریم نے ٹرے تھامی اور گمبھیر لہجے میں گویا فسوں پھونکا تھا۔

"روز ایسی خیرات بانٹو گی تو روز مجھے حاضر پاؤ گی، لیکن میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ بہت جلد ماما اور پاپا کو رشتے کے لئے بھیجوں گا، عید الفطر پر ہماری شادی خانہ آبادی ہو گی، انشاء اللہ۔" ٹرے تھامے عبدالکریم کا لفظ لفظ سچائی میں ڈوبا تھا، اس سے قبل کہ سجل جواباً کچھ کہتی، نوری کی دھیمی کڑک آواز دونوں کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"ملاقات کا وقت ختم اب نیکسٹ عبدالرحیم صاحب کو بھیجیں۔" اور سجل کا بازو تھام کر اندر گھسیٹ لیا، عبدالکریم روح و دل میں پھیلتا سرور محسوس کرتا اپنے گیٹ کی طرف بڑھ گیا، اس نے دو منٹ ملاقات کی تھی گویا زندگی پالی ہو، اب عبدالرحیم ماہا کے روبرو تھا ماہا عبدالرحیم کو اپنے سامنے دیکھ کر سٹپٹا گئی، ساری خود اعتمادی ہوا ہو گئی، ٹرے گویا اس کے نازک ہاتھوں میں لرزنے لگی، جسے عبدالرحیم نے فوراً تھام لیا اور شوخی سے بولا۔

"آپ گھبرا رہی ہیں۔"

"م...... میں کیوں گھبراؤں گی۔" ماہا عبدالرحیم کی پر محبت نگاہوں کی تپش سے ہکلانے لگی تھی۔

"ماہا مجھے آپ سے محبت ہے اور میں انشاء اللہ بہت جلد ماما اور پاپا کو بھیجوں گا، آپ کا ہاتھ مانگنے، آپ کو اعتراض تو نہیں۔" عبدالرحیم کے پر فسوں لہجے میں مان تھا، ملاقات کا وقت بھی خاتمے کی طرف بڑھ رہا تھا اور اسے نہ صرف اپنا مدعا بیان کرنا تھا بلکہ ماہا کا حال دل اور اعتراف محبت بھی جاننا تھا، ماہا نے عبدالرحیم کی بات پر دل میں پھول کلیاں کھلتے محسوس کیا اس پل لیکن جب وہ بولی تو لہجے میں بے نیازی کی بھرمار تھی۔

"اگر مجھے اعتراض ہوتا تو کیا میں یہاں کھڑی ہوتی۔" ماہا کے جواب پر عبدالرحیم ابھی پوری طرح خوش بھی نہ ہو پایا تھا کہ ماہا کو اندر کھینچ لیا گیا، وہ بھی ٹرے تھامے اپنے گیٹ کی جانب بڑھ گیا، کچھ ہی سیکنڈز میں نیلم اور عبدالرشید آمنے سامنے کھڑے تھے، بھولے اور نوری نے ان تینوں جوڑوں کی تاریخی ملاقات کروائی تھی، نیلم نے عبدالرشید کو اپنے روبرو دیکھ کر فوراً اسے ٹرے تھما کر اپنے نازک بازوؤں کو اس بوجھ سے آزاد کیا جسے وہ کب سے اٹھائے کھڑی تھی۔

"کیسی ہیں آپ؟" عبدالرشید کے دل میں چہار سو گھنٹیاں بجا گئیں۔

"میں اب ٹھیک ہو گئی ہوں۔" معنی خیز جواب، عبدالرشید کا دل لڈیاں ڈالنے کو چاہا، یعنی

کہ اس کی محبت نے نیلم کو اپنا اسیر کر لیا تھا۔

"نیلم میں بہت جلد تمہیں اپنے نام کرنے اپنے ماما اور پاپا کو بھیجوں گا۔" نیلم کا وجود گویا کان بن گیا تھا، اس کی سماعتوں میں عبدالرشید گویا فسوں پھونک رہا تھا، جب دونوں کی سماعتوں نے سونیا بیگم کی پر جلال آواز سنی۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں۔" اسی وقت نوری نے نیلم کو اندر کھینچ لیا اور عبدالرشید ٹرے تھامے اپنے گیٹ کی جانب بجلی کی سی تیزی سے بڑھا، اس وقت ایک ہی خیال اس کے دل و دماغ کو جھنجھوڑ رہا تھا، انہیں جلد از جلد ماما اور پاپا کو بھیجنا ہو گا، رانا ہاؤس میں تینوں لڑکیاں اور نوری سونیا بیگم کے سامنے کھڑی تھیں، زبانوں پر گویا تالے لگے تھے، سونیا بیگم کے سامنے کچھ بھی کہتیں وہ سراسر جھوٹ ہوتا سو خاموشی میں عافیت جانی، لیکن وہ تینوں حیران رہ گئیں، جب نوری نے جھوٹ کا عالمی ریکارڈ توڑتے ہوئے اپنے روزے کو نقصان پہنچا کر ہی دم لیا۔

"وہ چھوٹی بیگم صاحبہ یہ تینوں خیرات کر رہی تھیں، گیٹ کے سامنے سے کام والیاں گزرتی ہیں نا، تو یہ تینوں اپنا صدقہ دے رہی تھیں، ہمسائیوں کے گھر تو گیٹ پر ہی میں نے ان کے ملازم بھولے کو کھانا پکڑا دیا تھا، آپ نے تاکید بھی تو کی تھی کہ گھر کے اندر نہیں جانا، گیٹ پر ہی پکڑا دینا۔" نوری کا انداز اتنا معصوم، وہ تینوں نوری کو دل ہی دل میں ایکٹریس مان گئیں، جب سونیا بیگم نے ان تینوں کو اور نوری کو محبت سے دیکھا اور اچھے کام پر شاباش دی، اسی وقت سب کو احساس ہوا افطاری میں بہت کم وقت رہ گیا ہے، سو وہ سب لاؤنج میں گئے جہاں ڈائننگ ٹیبل کے گرد درانہ بیگم سب کی منتظر بیٹھی تھیں، اسی وقت فضا اذان کے مقدس کلمات سے گونج اٹھی، نوری اور تینوں نے رزہ افطار کرتے وقت دل کی مراد پوری ہونے کی دعا شدت سے کی تھی۔

☆☆☆

"بابا جان! اب آپ اتنے دن کے لئے پلیز ابروڈ مت جایئے گا، اف اتنا کام کرنا پڑتا ہے ہمیں۔" عبدالرشید نازک مزاج بنا بیٹھا تھا، ملک سجاد رات ہی بزنس ٹور سے واپس لوٹے تھے، بجیلہ بیگم نے مسکرا کر اپنے شاندار اور باوقار شوہر کو دیکھا اور پھر تینوں بیٹوں اور پوتے کو جو ملک سجاد کے گرد بیٹھے تھے۔

"کیوں بھئی جب میں بوڑھا ہو کر اتنے کام کر سکتا ہوں تو تم تینوں تو جوان اور انرجیٹک ہو یار، پھر یہ شکوہ کیسا۔" ملک سجاد کے لہجے میں بیٹوں کے لئے محبت ہی محبت تھی۔

"آپ بوڑھے کب سے ہو گئے، جوان ہیں ابھی، ابھی تو آپ کو ہماری شادیاں بھی کرنی ہیں۔" عبدالکریم شوخی سے بولتا اپنے دل کی بات زبان پر لے آیا، ملک سجاد کھلکھلا کر ہنس پڑے، وہ باپ تھے سمجھ گئے۔

"بیٹے اب شادی کرنا چاہتے ہیں، ویسے بھی ان کی عمر بھی تھی شادی کی۔" ملک سجاد نے روئے سخن بجیلہ بیگم کی طرف موڑا۔

"کیوں بجیلہ پھر کیسی لگی لڑکیاں تم نے تینوں کو بتایا نہیں تم تو کل سے ان کے لئے لڑکیاں دیکھ رہی ہو اور اب بالآخر تین لڑکیاں تمہیں اپنے شہزادے بیٹوں کے لئے پسند آ گئی ہیں۔" ملک سجاد کا ہنستا مسکراتا لہجہ اور بجیلہ بیگم کا مطمئن چہرہ، تینوں کے دل کو پتنگے لگ گئے۔

"میں واقعی لڑکیاں پسند کر آئی ہوں، تینوں بے انتہا خوبصورت اور پڑھی لکھی ہیں، بس مجھے آپ کی واپسی کا انتظار تھا، بس ہم کل ہی ان

تینوں کو لے جا کر لڑکیاں دکھا دیتے ہیں، میرے بیٹوں کو یقیناً میری پسند سے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔'' بجیلہ بیگم کے لہجے میں مان بھری کھنک تھی، وہ تینوں ہونقوں کی طرح اپنے ماما اور پاپا کے مسکراتے چہروں کو دیکھنے لگے، پھر عبدالکریم نے ہمت کی۔

''لیکن ماما ہمیں یعنی ہم تینوں کو اپنی پسند سے شادی کرنی ہے۔'' بجیلہ بیگم اور ملک سجاد نے چونک کر تینوں کو دیکھا، تینوں کے چہروں پر ایک ہی بات رقم تھی، اسی وقت ملک سجاد کے گھٹنے سے لگ کر بیٹھے علی نے گویا ان کی مشکل آسان کر دی۔

''دادو ہمارے ہمسائے میں جو تین پیاری پیاری لڑکیاں ہیں نا وہ تینوں چاچوؤں کو پسند ہیں، میں بھی ان تینوں کو ہی اپنی چچی بنانا چاہتا ہوں۔'' علی کے لہجے میں معصومیت اور چاچوؤں کے لئے محبت کا سمندر موجزن تھا، عبدالکریم، عبدالرحیم اور عبدالرشید کا دل چاہا وہ علی کی بلائیں لیتے نہ تھکیں جس نے ان کا مدعا بجیلہ بیگم اور ملک سجاد تک پہنچایا تھا۔

''کیا علی صحیح کہہ رہا ہے۔'' بجیلہ بیگم کا مخاطب تینوں بیٹے تھے، ملک سجاد بھی مسکراتی نگاہوں سے بیٹوں کو دیکھ رہے تھے، ان کے باکردار اور سعادت مند بیٹے، کبھی آج تک جنہوں نے شکایت کا موقع نہ دیا تھا، ہمیشہ والدین کی اطاعت اور فرمانبرداری کی تھی، تو وہ اپنی اولاد کی خوشی کا خیال کیوں نہ کرتے، بجیلہ بیگم کے سوال کے جواب میں جب تینوں بیٹوں نے سر اثبات میں ہلائے تو ملک سجاد بڑے نارمل انداز میں بیوی سے مخاطب ہوئے۔

''ہمسایوں کے گھر جانا ہوا تمہارا، کیسے لوگ ہیں؟''

''آپ کو پتا تو ہے، کون کسی کے گھر جاتا ہے سوسائٹی میں، لیکن اگر میرے بیٹوں کی خوشی اسی میں ہے تو ہم ضرور جائیں گے رشتہ پوچھنے، بس یہ بتا دینا، کون سی لڑکی کس کے لئے مانگیں۔'' بجیلہ بیگم نے ہنستے ہوئے اپنے بیٹوں کے دل کی دنیا گویا روشن کر دی۔

''ہرا ماما پاپا دی گریٹ، وی لو یو۔'' وہ تینوں خوشی سے گویا باؤلے ہو گئے، ملک سجاد اور بجیلہ بیگم بیٹوں کے بے پایاں خوشی دیکھ کر مسرور، علی اٹھ کر اچھلنے لگا۔

''میرے چاچوؤں کی شادی ہو گی کتنا مزہ آئے گا۔'' وہ سب خوش تھے، اسی وقت یہ طے پایا کل عصر کے وقت بجیلہ بیگم اور ملک سجاد رشتہ پوچھنے جائیں گے، دونوں میاں بیوی اپنے بیٹوں کی شادی ہر صورت عید الفطر کے بعد کرنا چاہتے تھے، اب انہیں مزید دیر کرنا بھی نہیں تھی، لیکن اس چھت کے نیچے بیٹھا خوشیوں میں مسرور ہر کوئی بے خبر تھا، کل کا دن ان کے لئے کتنی بڑی قیامت لانے والا ہے، محبتیں ملنا اتنا آسان ہوتا تو ہر محبت والے کا تعلق آنسوؤں سے اتنا گہرا کیوں ہوتا۔

☆☆☆

رانا ہاؤس کے وسیع و عریض لاؤنج میں اس وقت میٹنگ چل رہی تھی، رانا اکبر اور رانا اصغر دردانہ بیگم اور سونیا بیگم کو ان تین لڑکوں کا بائیو ڈیٹا بتا رہے تھے جو وہ اپنی بیٹیوں کے لئے پسند کر چکے تھے، کل، ماہا اور فہیم کچن میں افطاری بنا رہی تھیں، نوری ان کی خاطر لاؤنج میں ہونے والی گفتگو اپنی سماعتوں میں انڈیل رہی تھی، اسے کل، ماہا اور نیلم کو رپورٹ جو دینی تھی، کیونکہ اتنے سیریس انداز میں لڑکیوں کا داخلہ لاؤنج میں ممنوع قرار دے کر بھی ان کے والدین نے گفتگو نہ کی تھی یقیناً معاملہ ان کی شادیوں کا ہو گا، نوری تو

جا سکتی تھی لاؤنج میں، سو وہ بہانے بہانے سے لاؤنج میں آ جا رہی تھی، رانا اکبر اور رانا اصغر تینوں لڑکوں سے مطمئن تھے، تینوں لڑکے بھی آپس میں کزنز تھے، ان میں بے حد محبت تھی، بڑی چھان پھٹک کر دونوں بھائیوں نے اپنی لاڈلی بیٹیوں کے لئے ایک ہی گھر کے تین لڑکے پسند کیے تھے، تینوں اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے، کل، ماہا اور نیلم سے دو تین سال ہی بڑے تھے، کل، ماہا اور نیلم نے بی ایس سی آنرز کر کے تعلیم کو ہائے بائے کہہ دیا تھا، جو لڑکے ان کے لئے رانا اکبر اور رانا اصغر نے پسند کیے تھے، وہ حال ہی میں انگلینڈ سے تعلیم مکمل کر کے لوٹے تھے، وہ جدی پشتی امیر تھے۔

''اگر لڑکے آپ کو پسند ہیں تو بسم اللہ کریں، عید کے بعد تینوں کی شادی کر دیں گے، یہ بھی اچھا ہے، تینوں ایک ہی گھر میں جائیں گی، بلا لیں ان کو کسی دن افطاری پر۔'' دردانہ بیگم نے شوہر اور دیور کی ہاں میں ہاں ملائی تو سونیا بیگم نے بھی تائید کی۔

''لیکن لڑکوں کی ماؤں نے ایک خواہش کی ہے۔'' رانا اکبر کا لہجہ دھیما ہوا۔

''وہ کیا؟'' سونیا بیگم اور دردانہ بیگم کے لبوں سے ایک ساتھ نکلا تھا۔

''وہ یہ کہ لڑکوں کی مائیں اور باپ چاہتے ہیں لڑکے ہمارے گھر چند دن رہیں، لڑکیوں کو دیکھ لیں، لڑکیاں بھی ان کو دیکھ لیں گی، یوں بچے مطمئن ہوں گے تو رشتے زیادہ پائیدار ہوں گے۔'' رانا اصغر نے وہ بات بتائی جو باوجود تینوں لڑکوں کا گھر، خاندان پسند آنے کے دونوں بھائیوں کو پسند نہ آئی تھی، وہ لڑکوں کا ان کے گھر آ کر رہنا تھا۔

''اگر آپ کو لڑکے پسند ہیں، رشتہ کرنے کا بھی ارادہ ہے تو پھر اعتراض کیوں۔'' دردانہ بیگم نے رانا اکبر سے استفسار کیا۔

''مجھے اور اصغر کو ان کا خاندان، رکھ رکھاؤ پسند آیا ہے، لیکن یہ خواہش، یہ ہماری ریت تو نہیں، چلو خیر جب کرنا ہے تو پھر اعتراض کیوں، میری بیٹیاں حد میں رہنے کی قائل ہیں، ویسے بھی وہ تینوں گیسٹ روم تک محدود رہیں گے، دو تین دن کی بات ہے، پھر اپنے بیٹوں کی رائے جان کر ان کے والدین آئیں گے اور رشتہ فائنل کر جائیں گے۔'' رانا اکبر نے بالآخر ان کی بات ماننے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا۔

''میرا بھی یہی خیال ہے بھائی صاحب لڑکوں کو آنے دیں، ہمیں بھی غلم ہو جائے گا، لڑکے کیسے ہیں، آخر باہر سے پڑھ کر آئے ہیں، کہیں کسی لعنت میں تو مبتلا نہیں۔'' رانا اصغر نے بڑے بھائی کی ہاں میں ہاں ملائی، دردانہ بیگم اور سونیا بیگم تو تھی ہیں تابعدار بیگمات سو اس بات پر میٹنگ برخاست ہوئی۔

''وہ دن تک لڑکے آ جائیں گے ان کے لئے گیسٹ روم ریڈی کر دیا جائے۔'' جونہی گفتگو کا موضوع بدلا، نوری یہ قیامت خیز خبر سنانے کچن کی جانب دوڑی تھی، تینوں لڑکیاں شدت سے نوری کی منتظر تھیں، پھر جو خبر انہیں نوری نے سنائی انہیں لگا ان کے دل بند ہو جائیں گے، لیکن انہیں ہمت اور حوصلہ کر کے اپنی ماؤں تک اپنے دل کی بات پہنچانی تھی، انہیں تو لگا تھا ان کی محبت کی راہ میں کوئی ظالم سماج حائل نہ ہو گا، لیکن یہاں تو پانسہ ہی پلٹ گیا تھا، لیکن وہ تینوں ہی نہیں جانتی تھیں، تقدیر ان کی محبت کے ملنے کی راہ میں کون سی دیوار کھڑی کرنے والی تھی۔

☆☆☆

''آپ دونوں اب جائیں نا اور ہاں بات پکی کر کے آئیے گا۔'' عبدالرشید، بجیلہ بیگم اور

ملک سجاد کو نک سک سے تیار دیکھ کر اب اتاؤلا ہو رہا تھا، یہی حال عبدالکریم اور عبدالرحیم کا تھا، ان کو قوی یقین تھا ماما اور پاپا کو وہ تینوں پسند آئیں گی اور پھر ملن ہو گا، کتنا خوبصورت احساس تھا جس میں وہ اس پل گھرے ہوئے تھے اور وہ نہیں جانتے تھے یہ احساس کتنا مختصر، زندگی رکھتا تھا۔

''جا رہے ہیں ہم کتنے بے صبرے ہو رہے ہو تم تینوں۔'' بجیلہ بیگم اپنی خوبصورت کڑھائی سے مزین چادر سے اپنے سر اور کندھوں کو قرینے اور نفاست سے ڈھانپتے ہوئے بولیں۔

ملک سجاد بھی بیٹوں کے بے صبرے پن پر ہنس پڑے لیکن وہ تذبذب کا بھی شکار تھے نہ جانے کیسے لوگ ہوں، ملک سجاد سفید براق شلوار قمیض پہنے بڑے باوقار لگ رہے تھے، وہ دونوں ہمسائیوں کے گھر جانے کے لئے بالکل تیار تھے، بھولا نوری کو اطلاع دے چکا تھا، نوری سجل، ماہا اور نیلم کو بتا چکی تھی، وہ تینوں خوش تھیں کہ انہیں اپنی ماؤں کے سامنے اپنا حال دل کہنا ہی نہیں پڑا، یقیناً آج ان کی مما بابا کو تینوں بھائی بہت پسند آئیں گے اور پھر راوی محبت اور چین ایک ساتھ لکھے گا، جب ملک سجاد اور بجیلہ بیگم گھر سے نکلے تو نیلگوں آسمان نے ترحم سے دونوں کو دیکھا تھا۔

☆☆☆

سجل، ماہا اور نیلم نے نوری کو گھر کی صفائی پر امور کر کے خود کچن میں ڈھیروں لوازمات تیار کرنے شروع کر دیے تھے، تینوں بھائیوں نے پنا وعدہ ایفا کرتے ہوئے اپنے ماما پاپا کو آج یجنا تھا، وہ شاندار کھانوں سے ان کی تواضع کا تمام کرنا چاہتی تھیں، پھر کھانا تیار ہو گیا، وہ وں اپنے کمرے میں گھس گئیں، بہترین لباس ب تن کیے حسین چہروں کو کسی مصنوعی لیپا پوتی کی چنداں ضرورت نہ تھی، سروں پر سلیقے سے دوپٹے اوڑھے وہ لاؤنج میں چلی آئیں، جو اس وقت جگمگ کر رہا تھا، دردانہ بیگم اور رانا اکبر اپنے کمرے میں تھے اور سونیا بیگم اور رانا اصغر اپنے کمرے میں، مہمانوں کا استقبال ان تینوں نے ہی کرنا تھا، پھر جب نوری نے مہمانوں کی آمد کی اطلاع دی تو وہ تینوں کچن میں چلیں گئیں، نوری معزز مہمانوں کو بصد احترام لاؤنج میں لے کر آئی، بجیلہ بیگم نے سراہتی نگاہوں سے لاؤنج کی تزئین و آرائش کو دیکھا تھا، وہ اہل خانہ کے ذوق کی قائل ہو گئی تھیں، اسی وقت سجل، ماہا اور نیلم لاؤنج میں داخل ہوئیں، بجیلہ بیگم اور ملک سجاد صوفے پر بیٹھ چکے تھے، نوری رانا اکبر، رانا اصغر اور دردانہ بیگم اور سونیا بیگم کو بلانے جا چکی تھی، تینوں من موہنی، حسین و جمیل نازک اندام لڑکیوں کو دیکھ کر بجیلہ بیگم بے اختیار اٹھ کر ان کے قریب آئیں۔

''ماشاء اللہ میرے بیٹوں کی پسند تو لاجواب ہے۔'' بجیلہ بیگم کے لہجے میں پسندیدگی اور خوشی کی مہکار تھی۔

''تم نے ٹھیک کہا، بجیلہ بیگم، ماشاء اللہ تینوں بیٹیاں بہت سلجھی ہوئی اور باادب ہیں۔'' تینوں نے بجیلہ بیگم سے مل کر نفیس سے انکل کے سامنے سر جھکائے تو انہوں نے محبت سے سر پر ہاتھ رکھا، دونوں میاں بیوی کو اپنے بیٹوں کی پسند پر کوئی اعتراض نہ تھا، اب انہیں لڑکیوں کے والدین کا انتظار تھا، بجیلہ بیگم نے تینوں سے ان کے نام پوچھے، تو تینوں نے شرما کر باری باری اپنا نام بتایا، انہیں عبدالکریم کے لئے سجل، عبدالرحیم کے لئے ماہا اور عبدالرشید کے لئے نیلم واقعی بہت پسند آئی تھی، تینوں نے نہایت شاندار جوڑ تھے، بجیلہ بیگم اور ملک سجاد تینوں لڑکیوں سے چھوٹے

چھوٹے سوال کر رہے تھے جب رانا اکبر اور رانا اصغر نے اپنی اپنی بیگمات کی معیت میں لاؤنج میں قدم رکھا، جونہی بجیلہ بیگم اور ملک سجاد کی نگاہیں رانا اکبر اور رانا اصغر پر پڑیں تو گویا لاؤنج کی چھت ان پر ملبے سمیت آ گری ہو، یہی حال رانا اکبر، رانا اصغر، دردانہ بیگم اور سونیا بیگم کا تھا، سب کو گویا سانپ سونگھ گیا تھا، وہ سب یوں ساکت تھے گویا پتھر کے مجسمے ہیں۔

''تو تم دونوں نے یہ گھر خریدا ہے۔'' بالآخر ملک سجاد کے مجسمے نے نفرت آمیز انگڑائی لی تھی، ملک سجاد کے لہجے میں تضحیک تھی، تحقیر تھی، رانا اکبر اور رانا اصغر کی آنکھیں بھی گویا شعلے اگل رہی تھیں لیکن انہوں نے زبان سے زہر اگلنے کی بجائے صرف نگاہوں سے شعلے اگلنے پر اکتفا کیا تھا، بجیلہ بیگم دردانہ بیگم اور سونیا بیگم کو بس دیکھے جا رہی تھیں، تینوں خواتین کے دل ابھی بھی ایک دوسرے کے لئے تڑپتے تھے، ان کی نگاہوں سے عیاں تھا۔

''میرے گھر سے ابھی اور اسی وقت نکل جاؤ تم۔'' رانا اکبر بالآخر اپنی چپ توڑ کر دھاڑا، سجل، ماہا، نیلم فق ہوتے چہروں کے ساتھ اس خوفناک صورتحال کو دیکھ رہی تھیں، کہاں تو ملن کی آس بندھی تھی اور کہاں اب یہ قیامت خیز منظر، وہ تو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے لگ رہے تھے، نوری بھی اس صورتحال پر انگشت بدنداں، بھولے کا حصول ناممکن لگنے لگا تھا اسے بھی، رانا اکبر کی دھاڑ پر ملک سجاد کا گویا خون کھول اٹھا، اس نے خون آشام نگاہوں سے رانا اکبر اور رانا اصغر کو دیکھا۔

''ہونہہ، بزدل کمینے، اگر مجھے علم ہو جاتا تم دونوں نے یہ گھر خریدا ہے تو میں ایسا ہرگز نہ ہونے دیتا۔'' ملک سجاد کی زہر آلود بات سن کر رانا اکبر اور رانا اصغر طیش میں آ گئے۔

''دفع ہو جاؤ تم ہمارے گھر سے وگرنہ میں تمہیں زندہ نہ چھوڑوں گا۔'' رانا اکبر کا بس نہیں چل رہا تھا وہ ملک سجاد کی گردن دبوچ لیتا۔

''چلو بجیلہ قاتلوں کے گھر ہمارا کیا کام۔'' ملک سجاد غصے سے پھنکارتے ہوئے بجیلہ بیگم سے مخاطب ہوئے اور بنا کسی کی جانب نگاہ کیے لمبے لمبے ڈگ بھرتے وہ لاؤنج سے نکل گئے، بجیلہ بیگم نے ڈبڈبائی نگاہوں سے دردانہ بیگم اور سونیا بیگم کو دیکھا پھر اپنے بیٹوں کے دل کی خوشی کو دیکھا، سجل، ماہا اور نیلم کا وجود بھربھری ریت میں ڈھل چکا تھا، بجیلہ بیگم ان تینوں پر آخری نگاہ ڈال کر لاؤنج سے نکل گئیں، ان تینوں کو بس اتنا سمجھ آیا تھا اس پل کہ وہ دشمن خاندان کے بیٹوں سے محبت کر بیٹھی ہیں، اب یہ دشمنی کس بنا پر تھی وہ جاننے سے قاصر تھیں، ابھی تو ان کے والدین کو یہ علم نہ تھا کہ ملک سجاد اور بجیلہ بیگم ان کے گھر آئے کس غرض سے تھے، اگر ان کو علم ہو جاتا تو ان کی شامت یقینی تھی لیکن وہ تینوں نہیں جانتی تھیں وہ اپنی ماؤں کو لاعلم رکھ کر جو محبت کر بیٹھی تھیں وہ ان کی ماؤں کے علم میں تھی اور بجیلہ بیگم اور ملک سجاد کی آمد کا مقصد بھی ان پر واضح ہو گیا تھا لیکن وہ اپنے شوہروں کے ساتھ تھیں، جو وہ چاہتے تھے انہیں وہی کرنا تھا، لیکن سب سے پہلے انہیں اپنی بیٹیوں کو ان رشتوں کے متعلق بتانا تھا تاکہ لڑکیاں ذہنی طور پر تیار رہیں۔

☆☆☆

ملک سجاد اور بجیلہ بیگم جب گھر میں داخل ہوئے تو علی اور تینوں کو گیٹ کے قریب کھڑے پایا، وہ بے چینی سے منتظر تھے، لیکن ان کے والدین کے چہروں پر جو تاثرات تھے وہ انہیں پریشان کرنے کے لئے کافی تھے، ملک سجاد اپنے

تینوں صاحبزادوں پر کٹیلی نگاہ ڈال کر اندرونی حصے کی جانب بڑھ گئے، پھر جاتے جاتے پلٹے اور سرد لہجے میں ان سب کو لاؤنج میں آنے کا حکم دیا، بجیلہ بیگم دکھی نگاہ بیٹوں پر ڈال کر اپنے شوہر نامدار کے پیچھے لپکیں۔

"دادا کو کیا ہوا؟" علی نے حیرانگی بھرے تفکر سے استفسار کیا، ان کے دادا تو بہت نرم خو اور محبت کرنے والے تھے، وہ اتنے غصے میں کیوں ہیں۔

"علی تم کمرے میں جاؤ اور لاؤنج میں بالکل نہ آنا، ہم دیکھتے ہیں پاپا اتنے غصے میں کیوں ہیں۔" عبدالکریم نے سنجیدگی سے علی کو کہا اور عبدالرحیم اور عبدالرشید کو اپنے ساتھ لئے اندرونی حصے کی جانب بڑھ گیا، تینوں کے دل میں کھد بد ہونے لگی تھی۔

"آخر ماجرا کیا ہے، ایسا کیا کہہ دیا انہوں نے جو ماما پاپا دونوں اتنے دلگرفتہ ہیں۔" وہ تینوں لاؤنج میں گئے تو ملک سجاد کو وسیع لاؤنج میں بے چینی سے ادھر اُدھر ٹہلتے دیکھا۔

"پاپا آر یو اوکے، سب ٹھیک ہے نا۔" عبدالکریم نے محبت سے استفسار کیا تو ملک سجاد ٹھہر گئے چند لمحے تینوں بیٹوں کے چہرے دیکھتے رہے، تینوں کے چہروں پر اس وقت باپ کے لئے فکر اور محبت تھی، پھر ملک سجاد نے بجیلہ بیگم کو مخاطب کیا۔

"بجیلہ جو لڑکیاں تم اپنے بیٹوں کے لئے پسند کر چکی ہو، ادھر بات چلاؤ ان تینوں کی اور ان کو اچھی طرح سمجھا دو کہ اگر رانا اکبر اور رانا اصغر کی بیٹیوں کا خیال بھی یہ دل میں لائے تو مجھ سے ان کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔" سرد لہجے میں جاری کیا گیا یہ حکم نامہ تینوں کی جان نکال لے گیا تھا، ملک سجاد اپنا حکم سنا کر اپنے کمرے میں غائب ہو گئے، تو تینوں نے استفہامیہ نگاہوں سے ماں کو دیکھا، گویا پوچھ رہے ہوں۔

"آخر قصہ کیا ہے؟ تم تینوں بھول جاؤ ان تینوں کو، ایسا ہونا ناممکن ہے، میں تم تینوں کے لئے کچھ نہیں کر سکتی میرے بیٹو۔" بجیلہ بیگم کے لہجے میں بے بسی تھی، وہ اپنے دل کے درد کو دباتی اپنے بیٹوں کی سوال ہوتی نگاہوں کے سامنے سے ہٹ گئیں۔

"اگر ماما ہمارے لئے کچھ نہیں کر سکتیں، تو ہم خود تو کر سکتے ہیں نا، میں نیلم کے بغیر نہیں رہ سکتا، پتا نہیں وہاں ہوا کیا ہے، بھولے کو بھیجو نوری سے پوچھے۔" عبدالرشید کا دل ڈوبا جا رہا تھا۔

"حوصلہ رکھو یار، جذباتی پن کا مظاہرہ مت کرو، ہمیں ایسا کچھ نہیں کرنا جس سے سجل، ماہا اور نیلم کی عزت پر حرف آئے فی الحال صبر کرو۔" عبدالرحیم کا لہجہ سمجھتا ہوا تھا۔

"ہمیں کچھ کرنا ہوگا عبدالرحیم، سنا نہیں پاپا رشتے فائنل کرنے کا کہہ گئے ہیں۔" عبدالکریم سجل کے بغیر رہنے کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا اتنے مختصر وقت میں وہ اس کی زندگی کا حاصل بن گئی تھی۔

وہ تینوں اپنی پریشان کن سوچوں میں الجھے کھڑے تھے، جب بھولے نے انہیں انتظاری کے لئے بلایا، ملک سجاد اور بجیلہ بیگم ان کا انتظار کر رہے تھے۔

فریش ہو کر وہ ڈائننگ روم میں آ گئے جہاں بڑی سی ڈائننگ ٹیبل پر افطاری کے لوازمات سجے تھے، ملک سجاد اور بجیلہ بیگم علی کو اپنے ساتھ بٹھائے نارمل موڈ میں بیٹھے تھے گویا کچھ ہوا ہی نہ ہو، وہ تینوں بھی چیئرز گھسیٹ کر بیٹھ گئے، اب انہیں اپنے تئیں کوشش کرنا تھی اور وہ اپنی کوشش میں کہاں تک کامیاب ہو سکتے تھے یہ تو اللہ ہی

جانتا تھا، لیکن وہ پرامید تھے ناامید نہیں۔

☆☆☆

"اف میرے اللہ، تو کایا ہی پلٹ گئی، کون سے لڑکے آ رہے ہیں گیسٹ روم میں، آخر ہمارے والدین ایسا کیسے کر سکتے ہیں۔" سجل کا غم کے مارے برا حال تھا، ان کو سحری کے وقت اطلاع دی گئی تھی کہ ان کے رشتوں کے سلسلے میں تین لڑکے کل پرسوں تک آ رہے ہیں، اس لئے گھر میں دھیان سے رہیں، رانا اکبر اور رانا اصغر آفس جا چکے تھے، دردانہ بیگم اور سونیا بیگم اپنے اپنے کمروں میں تلاوت قرآن کر رہی تھیں، وہ تینوں اس وقت پچھلے لان میں گھنے سرسبز درخت کے نیچے بیٹھی تھیں، یہاں بیٹھنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا شاید وہ تینوں نظر آ جائیں۔

"ہمارے والدین جو کر رہے ہیں ہمیں اسے روکنا ہوگا۔" ماہا کا لہجہ باغی ہوا۔

"کیا کریں گے ہم جو وہ تینوں لڑکے نہ آئیں اور ہماری شادیاں ہمارے من پسند ہم سفر سے ہو جائیں۔" نیلم کا دل ڈوب رہا تھا اس صورتحال سے۔

"ہم ان لڑکوں کو بھگا دیں گے۔" سجل اور ماہا بیک زبان ہو کر بولی تھیں۔

"لیکن وہ تینوں کیوں غائب ہیں۔" سجل جھنجلا کر بولی۔

"شہتوت کے درختوں پر چلتے ہیں، ہو سکتا ہے وہ آ جائیں۔" ماہا نے جھٹ تجویز پیش کی تھی۔

"اگر ان کے ماما پاپا نے دیکھ لیا تو بے عزتی تو ہو گی ہی، جان بھی سلامت نہ بچے گی۔" نیلم سدا کی ڈرپوک فوراً تجویز مسترد کی تھی۔

"جان کی پرواہ کسے ہے۔" سجل کا لہجہ تھکا تھکا اور ٹوٹا بکھرا تھا، بلکہ شہتوت کے درختوں پر بیٹھ کر انتظار بھی کیا۔

اب تو ایک ہی در تھا جہاں سے انہیں ان کی محبت مل سکتی تھی وہ تھا اللہ رب العزت کا در، اب تو اٹھتے بیٹھتے ان کی زبانوں پر ایک ہی دعا تھی۔

"یا اللہ ہماری محبت ہمیں ملا دے۔"

☆☆☆

"کیا خیال ہے سجل، آج پارک میں جاگنگ کرنے جائیں۔" اگلے دن سحری کھا کر نماز فجر اور تلاوت سے فارغ ہو کر وہ تینوں بیڈ پر لیٹیں تو نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی، اچانک ماہا کے ذہن میں آئیڈیا آیا ہو سکتا ہے وہ تینوں پارک میں آتے ہوں، سو جھٹ اپنا خیال دونوں کے گوش گزار کیا، رمضان کے مہینے میں کون پارک میں جاگنگ کرنے آئے گا بے وقوف سجل کی آواز تھکی تھکی اور پژمردہ تھی۔

"کوشش کرنے میں کیا حرج ہے۔" ماہا اب بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی یہ الارم تھا کہ دونوں اب اٹھ جاؤ، وہ تینوں دبے پاؤں لاؤنج سے نکلیں ان کے قدموں کا رخ گیٹ کی جانب تھا، ان کے والدین اپنے اپنے کمروں میں محو استراحت تھے، نوری ان کا ساتھ کیا دیتی، وہ تو دل ہی چھوڑ بیٹھی تھی، تینوں نے آہستگی سے ڈبل گیٹ کھولا اور باہر نکلیں تو سیدھی نگاہ پارک کی جانب اٹھ گئی، پھر جو ان کی آنکھوں نے دیکھا اس نے، ان کے قدموں میں گویا بجلی بھر دی، وہ تینوں خالی شفاف سڑک پر دوڑنے لگیں، اس وقت سوسائٹی میں کوئی ذی روح نہ تھا، سوائے ان تینوں کے اور ان تینوں کے جن کو وہ ملنے کی خواہش لئے گھر سے نکلی تھیں، وہ تینوں خالی پارک میں جاگنگ کر رہے تھے، وہ تینوں لمحہ بہ لمحہ پارک کی جانب بڑھنے لگیں۔

☆☆☆

پارک میں علی الصبح عبدالکریم، عبدالرحیم اور عبدالرشید چلے آئے تھے، رمضان المبارک کی مبارک گھڑیاں تھیں ہر سو نور اور سکون کی بارش ہو رہی تھی، مومن کے لئے یہ مہینہ اللہ کا انعام ہوتا ہے، ان تینوں کو اپنے رب سے ہی مانگنا تھا لیکن انہیں کوشش بھی کرنا تھی سو وہ یہ دیکھے بنا کہ رمضان شریف میں جاگنگ وہ بھی گرم موسم میں، کوئی بدھو ہی کرتا ہوگا، لیکن اس وقت وہ تینوں بدھو بنے پارک کے واکنگ ٹریکس پر جاگنگ کر رہے تھے، ان کا دل ہر پل دعا گو تھا کاش وہ تینوں آجائیں شاید اور کوئی حل نکل آئے۔

''آخر ماجرا کیا ہے؟ دونوں گھر ایک دوسرے کو دشمن کیوں ہیں۔'' نوری نے بھی بس اتنا بتایا بھولے کو کہ بس ایک دوسرے کو دیکھ کر گولہ باری شروع، وجہ اس کو بھی نہیں معلوم۔

''آخر مجھے کوئی بتائے گا، کیوں ہیں یہ دشمن۔'' عبدالرشید نے جاگنگ کرتے ہوئے اپنے دونوں بھائیوں کو مخاطب کیا، عبدالرحیم اور عبدالکریم سے یہ سوال عبدالرشید نے کوئی دسویں بار پوچھا تھا، عبدالکریم نے دانت پیس کر عبدالرشید کو دیکھا اور بولا۔

''پوچھ تم ہم سے بار بار ایسے رہا ہے گویا ہم دونوں پاپا جی کے ساتھ اس دنیا میں وارد ہوئے ہیں اور ان کے ساتھ پل کر جوان ہوئے ہیں، ہمیں کیا پتہ یار، ہم تو خود پریشان ہیں، ہم گویا بند گلی میں کھڑے ہیں۔'' عبدالکریم کا لہجہ آخر میں بے بسی سے بھر گیا، اسی وقت عبدالرحیم کی نگاہ رانا ہاؤس کے گیٹ سے نکلتی سجل، ماہا اور نیلم پر پڑی تو چیخ اٹھا۔

''وہ تینوں پارک میں آرہی ہیں، شکر میرے خدایا، تو نے ہماری دعائیں قبول فرمائیں۔'' اس وقت تینوں کو گویا دنیا جہان کی خوشیاں مل گئی تھیں، چند ہی لمحوں میں وہ ان کے سامنے تھیں، ان کے حسین چہروں پر پریشانی اور اضطراب رقم تھا۔

''ماما کے ڈر سے ہم لان میں آنہیں سکیں، جو کام مناسب نہیں وہ جوش میں بھی جائز نہیں کچھ کرو، ہم تینوں کے رشتے فائنل ہونے والے ہیں، ہم تینوں کے لئے تین عدد لڑکے بنفس نفیس ہمارے گیسٹ روم میں تشریف لا رہے ہیں، وہ ہم سے ملاقات کریں گے ہمارے والدین کی موجودگی میں، دو دن تک وہ رہیں گے پھر ان کے والدین آئیں گے اور رشتہ پکا کر جائیں گے، پھر عید کے بعد شادی، یہ ہے ہمارے گھر والوں کا پلان، ہمیں ہماری ماؤں نے بتایا ہے اور ہمیں تم تینوں کو بھولنے کو کہا ہے، وہ ہمیں ذہنی طور پر ان تینوں رشتوں کے لئے تیار کر رہی ہیں، جب ہم نے پوچھا، آخر دشمنی کیا ہے، دونوں خاندانوں کے بیچ تو انہوں نے ہمیں ڈانٹ دیا۔'' ماہا جو بولنے پر آئی تو بولتی چلی گئی، یہ سنتے ہی تینوں لڑکوں کے جوش کے غباروں سے ہوا نکل گئی۔

''اف اب کیا ہوگا۔'' عبدالرحیم گھبرا گیا۔

''میرا خیال ہے ہم تینوں بھائیوں کو الگ الگ پلان کرنا ہوگا، کہ ہم نے کرنا کیا ہے۔'' عبدالرشید نے خود کو سیانا ثابت کرنے کی کوشش کی، وہ نیلم سے اکیلے میں بات کرنے کا متمنی تھا، لیکن عبدالکریم نے یہ کہہ کر اس کی خواہش پر پانی پھیر دیا۔

''تم کو نہیں معلوم Union is strength، ہم نے تینوں لڑکوں کو بھگانا ہے وہ بھی اس طرح کہ کسی کو ہم پر شک نہ ہو کہ ہم نے بھگایا ہے، ایک رات بھی وہ ٹھہر نہ پائیں گے، ہمیں مل کر پلان کرنا ہوگا تو کچھ ہوگا نا، اب کچھ آیا سمجھ شریف میں۔'' عبدالکریم نے عبدالرشید پر طنز کا تیر پھینکا، عبدالرشید اپنا سا منہ لے کر رہ گیا، پھر پارک کا ایک گوشہ ان چھ محبت کرنے والوں کی خفیہ میٹنگ سے آباد ہو گیا، نمبرز کے تبادلے ہوئے، کالز کرنے کی اگر ضرورت محسوس ہوئی تو کال کی جائے گی وگرنہ ہرگز ہرگز موبائل فونز پر رابطہ نہ کیا جائے گا، یہ طے پایا اور میٹنگ برخاست ہوگئی، میٹنگ میں ایک اہم نوعیت کا کام تینوں لڑکیوں کے سپرد کیا گیا، جو لڑکوں کی آمد سے قبل ان تینوں لڑکیوں کو لازمی سرانجام دینا تھا، وہ تھا اپنی ماؤں سے اس دشمنی کی وجہ دریافت کرنا، تب ہی وہ اس کا حل نکال سکتے تھے، یوں دلوں میں ملن کی امید کے چراغ روشن کیے وہ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے، سرسبز پارک کے ہر ہر پھول پتے نے ان محبت کرنے والوں کو مسکرا کر دیکھا اور ہوا کے سنگ جھومنے لگے۔

☆☆☆

سجل، ماہا اور نیلم نے خود پر طاری اداسی دور پھینک کر خود کو مطمئن اور خوش ظاہر کرنا شروع کیا تو نوری ہکا بکا رہ گئی۔

''آپ تینوں اتنی جلدی بدل گئی ہو، ظہر کی نماز ادا کر کے کچن میں افطاری کی تیاری کے لئے وہ تینوں آئیں تو نوری پوچھنے سے خود کو باز نہ رکھ سکی۔'' تو تینوں لڑکیاں ایک دوسرے کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھ کر مسکرا دیں، نوری اور الجھ گئی۔

''یہ بے چاری ہمیں صبح سے مطمئن دیکھ کر ہکا بکا ہے، بتا دو اسے سب، تاکہ اس کو سکون ملے، ویسے بھی ہمارے پلان کا اہم ستون ہے یہ اور بھولا۔'' سجل بے نیازی سے بولی۔

وہ دونوں دھیرے دھیرے نوری کو آگاہ کرنے لگیں۔

لڑکوں کے گروپ کا لیڈر عبدالکریم تھا، سو ان کے اتحاد سے ہی یہ مسئلہ حل ہونا تھا، فی الوقت انہیں دشمنی کی وجہ معلوم کرنی تھی۔

''نوری تم افطاری فی الحال تنہا بناؤ، ہم تینوں ذرا بڑی مما اور چھوٹی مما سے دشمنی کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کرلیں۔'' سجل نے اگلا حکم نوری کو صادر فرمایا تو نوری بوکھلا گئی۔

''وہ تینوں لڑکے بھی آج آئیں گے، ان کے لئے اتنی ڈشز بنانے کو بڑی بیگم صاحبہ نے کہا ہے، میں تنہا، کیسے کروں گی۔'' نوری رو دینے والی ہوگئی، اس کا روزہ تھا، اور غم عشق میں سحری بھی ٹھیک طرح سے نہیں کھائی تھی، نڈھال تو ہونا تھا، گھر کے سارے کام اس کے ذمے تھے، بس کچن میں تینوں لڑکیاں اس کی مدد کرتی تھیں۔

''ماہا نوری کو سمجھاؤ، اگر بھولے کو پانا ہے تو یہ قربانی اسے دینی ہوگی۔'' سجل کا شاہانہ پن عروج پر تھا، بھولے کے ملنے کی امید نے گویا نوری کو طاقت کا انجکشن لگا دیا۔

''میں کرلوں گی سجل باجی، آپ فکر نہ کریں، لیکن آپ مجھے خود بھی کہہ سکتی ہیں یہ ماہا باجی، اور نیلم باجی کو کیوں کہتی ہیں۔'' نوری کی روتی آواز اب خاصی جاندار تھی۔

''پہلے تو مجھے تم یہ بتاؤ گی، کہ تم ہم تینوں کو باجی کیوں کہتی ہو۔'' سجل نے کمر پر ہاتھ ٹکا کر تیکھے چتونوں سے استفسار کیا۔

''وہ تو احترام سے کہتی ہوں۔'' نوری گڑبڑا گئی، وہ جانتی تھی تینوں لفظ باجی پر برا مانتی ہیں پھر بھی اس کی زبان سے کبھی کبھی پھسل جاتا تھا جیسے آج پھسل گیا۔

''آئندہ مت کہنا، زیادہ چھوٹی بننے کی کوشش مت کیا کرو اور تمہارے سوال کا جواب یہ ہے، میں چونکہ لیڈر ہوں، اس لئے اپنا رعب بناؤں گی تو تم تینوں میرا حکم مانو گی، اب جلدی

سے کھانا بنانے کی تیاری شروع کرو، ہم تینوں بڑی مما یعنی میری مما کے کمرے میں جارہی ہیں، ویسے بھی ہمیں ان تین عدد نمونوں کے لئے کھانا ہرگز تیار نہیں کرنا، اس لئے ہماری مدد کی کم از کم آج امید مت رکھنا۔'' سجل بے نیازی جتلاتی کچن سے نکل گئی، ماہا اور نیلم اس کے دائیں بائیں تھیں، نوری نے تپ کر تینوں کو کچن سے نکلتے دیکھا، پھر جب بھولے کا خیال آیا تو ہونٹ آپو آپ مسکرا اٹھے، ماہا اور نیلم نے دردانہ بیگم کے کمرے پر دستک دی۔

''آجاؤ۔'' دردانہ بیگم کی اجازت پر وہ تینوں اندر گئیں تو سونیا بیگم کو بھی دردانہ بیگم کے ساتھ بیڈ پر بیٹھے پایا۔

''آؤ بیٹھو۔'' دردانہ بیگم کا لہجہ مشفق تھا، وہ تینوں تھری سیٹر صوفے پر بیٹھ گئیں۔

''کوئی پریشانی ہے۔'' سونیا بیگم نے ان کے چہروں پر پھیلے اضطراب کو دیکھ کر استفسار کیا۔

''آپ دونوں سے ایک بات پوچھنا تھی اور ہمیں اس کا صحیح جواب چاہیے تاکہ ہمارے دل پرسکون ہوسکیں، کہ آپ لوگوں نے ہمارے متعلق جو فیصلہ کیا ہے وہ صحیح ہے۔'' سجل نے گفتگو کا آغاز کر دیا تھا، ماہا اور نیلم نے پیچھے سے سجل کی پیٹھ ٹھونکی تھی، اچھا آغاز کیا تھا سجل نے۔

''کیا پوچھنا ہے تم تینوں کو پوچھو۔'' دردانہ بیگم کی آواز اب تینوں کو صحیح جواب سے نوازیں گی، وہ جانتی تھیں۔

''ہمیں یہ جاننا ہے آخر دونوں خاندانوں میں ایسی کون سی دشمنی ہے جو یہ ایک دوسرے کو دیکھنے تک بھی روادار نہیں ہیں۔'' سجل کا لہجہ اب کہ بوجھل تھا، دونوں ماؤں کے دل کو کچھ ہوا، ان کی بیٹیاں بھی وہی غلطی کر چکی تھیں، جو سالوں پہلے دونوں خاندانوں کے درمیان دشمنی کی وجہ تھی۔

''تم جاننا چاہتی ہو تینوں کیا وجہ ہے دشمنی کی، تو سنو وجہ تھی محبت، جو تمہارے چچا رانا تیمور نے ملک سجاد کی بہن ملکہ سے کی تھی، اسی محبت کا ہی تو سارا فساد تھا، جو آج بھی زندہ ہے۔'' دردانہ بیگم کا لہجہ تھکا تھکا اور پژمردہ تھا، تینوں لڑکیوں نے دھڑکتے دل کے ساتھ دردانہ بیگم کے الفاظ سنے تھے، پھر وہ گویا ماضی کی رتھ پر سوار ہوگئیں، سونیا بیگم تو ان کے ہمراہ تھی ہی وہ تینوں لڑکیاں بھی ان کے پیچھے سوار ہوگئیں، یوں ماضی کا سفر شروع ہوگیا۔

☆☆☆

''تیمور تم اپنی بے جی کو بھیجو نا میرا رشتہ مانگنے، ہم کب تک یوں چھپ چھپ کر ملتے رہیں گے، بھا سجاد میرے لئے کوئی لڑکا پسند کرلے گا، تب بھیجو گے رشتہ۔'' ملکہ اپنی خوبصورت ستواں ننھی سی ناک پر سے مکھی اڑاتے ہوئے پر تفکر لہجے میں بولی۔

''فکر کیوں کرتی ہو میری ملکہ ہو تم، بس یوں سمجھو، ہمارا رشتہ پکا۔'' تیمور کا لہجہ مفنی خیز اور گمبھیر تھا، اس کے ہاتھوں کی پوروں نے ملکہ کے حسین گلابی عارض کو چھوا تو وہ چھوئی موئی بن گئی، آم کے پیڑوں نے اس نازک حسن کی پری کو محبت سے دیکھا تھا جو محبت کی حسین وادی میں اعتبار کے سنگ محو رقصاں تھی۔

''او ہو اتنا شرماتی ہو، ابھی تو رشتہ پکا ہونے کی خوشخبری دی ہے۔'' رانا تیمور کا لہجہ شریر ہوا، تو ملکہ کے حسین چہرے پر پھر گلاب بکھر گئے، وہ آم کے گھنے پیڑ کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑی تھی، رانا تیمور اس کے عین سامنے کھڑا اپنی محبت کے جگنو اس پر لٹا رہا تھا، رانا تیمور اور ملکہ کی ملاقاتیں اسی آم کے باغ میں ہوتی تھیں، یہ باغ رانا تیمور کی

ملکیت تھا، دونوں کو محبت ایک سال پہلے ہی ہوئی تھی، وہ دونوں ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کرتے تھے لیکن رانا تیمور چاہتا تھا وہ ملکہ کو ملکہ کی طرح بیاہ کر لائے، اس لئے وہ اتنی رقم چاہتا تھا تاکہ جب وہ ملکہ کو بیاہنے جائے تو آس پاس کے سارے گاؤں میں دھوم مچ جائے، رانا تیمور ایک شہزادی بیاہ دلایا ہے، یہی خواہش تھی اس کی، مال و دولت کی کمی تو نہ تھی لیکن وہ کچھ زیادہ ہی دھوم دھام چاہتا تھا، سو اس لئے وہ رشتہ بھیجنے میں متامل تھا، کچھ اس کی تعلیم کا بھی آخری سال تھا، اب رشتہ بھی آج پکا ہو جاتا، اس کی تعلیم مکمل ہوتی تو پھر شادی ہو جاتی، وہ نسبی منگنی کے حق میں نہ تھا، اس لئے وہ دیر کر رہا تھا۔

''کیسے پکا ہوگا ہمارا رشتہ، بتاؤ نا۔'' ملکہ نے رانا تیمور کی محبت لٹاتی نگاہوں سے بے ساختہ نگاہ چرا کر استفسار کیا۔

''وہ ایسے کہ آج بے جی تمہاری ماں جی سے رشتہ مانگنے جائے گی تمہارا اور اعتراض کس کا ہوگا بھلا، پھر چند مہینوں بعد تم میرے دل کے آنگن میں بہار بن کر اترو گی۔'' رانا تیمور کا لہجہ مخمور تھا، ملکہ کے حسین نوخیز کلی کی مانند کھلتے چہرے کے دائیں بائیں ریشمی لٹیں گری تھیں، رانا تیمور نے محبت سے ان لٹوں کو کان کے پیچھے اڑسا، ملکہ کا دل اس کے کان میں دھڑک اٹھا، کہ رانا تیمور کی انگلیوں کا لمس اس کا دل دھڑکا گیا تھا۔

''اب تم اپنے گھر جاؤ، بے جی تمہارے گھر جا چکی ہونگی، تمہاری موجودگی ضروری ہے۔'' رانا تیمور نے جھک کر اس کے کان میں مدھر سرگوشی کی تو وہ خوشی سے اچھل پڑی۔

''سچ؟'' ملکہ کی کھنکتی آواز میں سرور تھا، ترنگ تھی۔

''بالکل سچ۔'' رانا تیمور اس کی بے پایاں خوشی پر ہنستے ہوئے بولا تو ملکہ چند ثانیے خوبصورتی کے اس دیوتا کو دیکھے گئی، کتنا وجیہہ شہزادوں جیسا تھا رانا تیمور جو اس کا نصیب بننے والا تھا۔

''پرے ہٹو مجھے اب جانا ہے۔'' ملکہ نے اپنے نازک ہاتھوں سے رانا تیمور کے سینے پر دباؤ ڈال کر پیچھے ہٹایا، تو رانا تیمور نے اس کے نازک ہاتھ تھام لئے، وہ دونوں آنے والے وقت کے بھیانک لمحوں سے بے نیاز ایک دوسرے کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھنے میں گم تھے، جب اچانک آم کے باغ میں فائر کی آواز گونجی، گرم دھکتی سلاخ تھی جو ملکہ کی کنپٹی کے آر پار ہوئی تھی گلاڈھار سرخ رنگ آن واحد میں ملکہ اور رانا تیمور کو رنگ گیا تھا، ملکہ رانا تیمور کی بانہوں میں اسی وقت دم توڑ گئی تھی، رانا تیمور پھٹی پھٹی نگاہوں سے اپنی محبت کا بے جان لاشہ دیکھ رہا تھا جس کے خوبصورت چہرے پر ابھی بھی محبت بھری مسکان رقم تھی، وہ ملکہ کو نازک آبگینے کی طرح احتیاط سے زمین پر لٹا کر پاگلوں کی طرح باغ میں چہار سمت دوڑا تھا ان دونوں کے علاوہ باغ میں کوئی نہ تھا، تو پھر وہ کون تھا جو اس کی زندگی لوٹ گیا تھا، وہ دیوانہ وار ملکہ کی بے جان لاش پر رویا تھا، تڑپا تھا، اس وقت زہر خند بڑبڑاہٹ درختوں کے پتوں اور اداس بوجھل ہوا نے سنی تھی اور خوف سے تھرا اٹھے تھے۔

''ملکہ میری نہیں تو کسی کی بھی نہیں۔'' ہوا تھم گئی تھی پتوں کی سرسراہٹ ٹھہر گئی تھی، رانا تیمور دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا، اس کا دل نوچ لیا گیا تھا۔

☆☆☆

ملک سجاد کے گھر رونق لگی تھی، رانا تیمور کی بے جی رشتہ مانگنے آئی بیٹھی تھی، بجیلہ بیگم بھاگ بھاگ کر مہمانوں کی آؤ بھگت کر رہی تھیں، کیونکہ بے جی کے ساتھ ان کے شوہر دونوں بہویں درانہ بیگم اور سونیا بیگم رانا اکبر اور رانا اصغر بھی آئے تھے، بجیلہ بیگم ملکہ کو ندی کی بجائے، بہن سمجھتی تھیں، سو خوشی خوشی کھانے کا انتظام کر رہی تھیں، وہ ملکہ کی راز دار تھیں، ملکہ رانا تیمور سے ملنے گئی ہوئی تھی، وہ اس کی واپسی کی شدت سے منتظر تھی، کیونکہ یہاں صرف اس کے لئے آئے تھے، لیکن وہ مطمئن تھی ملکہ جلد آجائے گی، سب آپس میں خوش گپیوں میں مگن تھے، ملکہ اور ملک سجاد دو ہی بہن بھائی تھے، ملک سجاد کی تو جان بند تھی بہن میں، وہ ملکہ کی خوشی میں خوش تھے، ملکہ کی خوشی کی خاطر ملک سجاد نے اپنے چچا کے بیٹے شجاع کا رشتہ ٹھکرا دیا تھا، وہ چچا جنہوں نے ان کے باپ کی وفات کے بعد ان کے سر پر دست شفقت رکھا تھا، چچا کا بیٹا شجاع بہت شریف النفس اور سیدھا سادا نوجوان تھا، سارا گاؤں اس کی شرافت اور سادگی کا مداح تھا۔

ملک سجاد کے انکار پر چچا ہرگز ناراض نہ ہوئے تھے، شجاع تو تھا ہی خاموش طبع انسان، وہ پہلے کی طرح ملک سجاد کے گھر آتا جاتا تھا، ملک سجاد کی خوشی میں خوش ہونے والا انسان تھا وہ ملک سجاد کو رانا تیمور بہت پسند تھا، گاؤں میں ملک سجاد اور رانا اکبر اور رانا اصغر اور رانا تیمور کے گھر کی دیوار ملی ہوئی تھی، دونوں گھروں میں مثالی محبت تھی، رانا اکبر کی کوئی بہن نہ تھی صرف تین بھائی ہی تھے، رانا اکبر اور رانا اصغر کی بیویاں درانہ بیگم اور سونیا بیگم ملک سجاد کی بیوی بجیلہ بیگم کے ساتھ بہت محبت سے رہتی تھیں، بے جی اور ماں جی میں بھی گہری دوستی تھی، بجیلہ بیگم کی طرح

درانہ بیگم اور سونیا بیگم ابھی تک اولاد کی نعمت سے محروم تھیں، لیکن جب بجیلہ بیگم کے امید سے ہونے کی خبر ملی دونوں گھرانوں میں خوشیوں کے شادیانے بج اٹھے تھے، بجیلہ بیگم، درانہ بیگم اور سونیا بیگم کی چودہ سال کی عمر میں شادی ہوئی تھی، اب وہ تینوں سترہ سال کی تھیں، ملکہ کی عمر پندرہ سال تھی گاؤں میں چھوٹی عمر میں شادیاں کرنے کا رواج تھا، سو وہ تینوں چھوٹی لڑکیاں ہی لگتی تھیں، آج ان کے گھروں میں رشتہ جڑنے جا رہا تھا، سب خوش تھے، شاد تھے جب دروازے پر گہرام مچ گیا، سب دلوں پر ہاتھ رکھے باہر کی جانب بھاگے، لیکن دروازے کے اندر داخل ہوتے رانا تیمور کو دیکھ کر وہ سب وہیں پتھر ہو گئے، ماں جی کا ہاتھ سینے پر پڑا تھا اور پھٹی پھٹی نگاہیں رانا تیمور کی بانہوں میں سجھوتی جوان بیٹی کی خون آلود لاش پر تھیں، پھر اس کے بعد جو ہوا وہ قیامت خیز تھا، ماں جی جوان بیٹی کی لاش دیکھ کر دوسرا سانس بھی نہ لے سکیں، گھر میں گویا قیامت آ گئی، ملک سجاد غم سے پاگل ہو گیا، دونوں کی تدفین کے بعد ملک سجاد نے رانا اکبر کی ہتھیلی سے ہر طرح کا ناتا توڑ لیا، وہ جب بھی رانا تیمور کو دیکھتا وہ غصے سے پاگل ہونے لگتا۔

''اس کے ساتھ تھی میری بہن، ہونہہ اسی نے قتل کیا ہے اس کا۔'' ملک سجاد کے ایسے جملے رانا تیمور کے دل پر چھریاں چلا دیتے، دونوں گھروں کے درمیان لاتعلقی کی اتنی اونچی دیوار کھڑی ہو گئی تھی کہ وہ چاہ کر بھی اس کو پاٹ نہ سکتے تھے، رانا تیمور خود غم سے نڈھال تھا، ملک سجاد کے دل تڑپانے والی باتیں سن کر اس نے بہتری کوشش کی ملک سجاد کا دل صاف کرنے کی، لیکن ملک سجاد کی نفرت میں دن بدن اضافہ ہوتا گیا، اس کی جوان بہن قتل ہوئی تھی ماں چلی گئی، ملکہ،

رانا تیمور کے ساتھ تھی، اگر اسے اس بات کا ثبوت مل جاتا تو وہ رانا تیمور کو پھانسی پر لٹکا دیتا، اسی دوران ملک سجاد اور بجیلہ بیگم کے ہاں عادل کی پیدائش ہوئی۔

بہن اور ماں کا غم تازہ تھا، لیکن بیٹے کی پیدائش پر دل قدرے سنبھل گیا تھا، لیکن دونوں گھرانوں کے درمیان سرد مہری کی جو چادر تن گئی تھی وہ نہ ہٹ سکی، رانا اصغر اور رانا اکبر نے بھی ملک سجاد کے ساتھ تعلقات بہتر بنانے کی کوشش کی لیکن بے سود، بے جی اور ابا جی بھی دکھی تھے، کئی سالوں سے جس گھرانے کے ساتھ مثالی تعلقات تھے، وہ ختم ہو گئے تھے، بے جی اور ماں جی تو سہیلیاں تھیں، بے جی خود اپنی نسیلی اور ملکہ کے غم میں نڈھال تھیں اب رانا تیمور کا اجڑا اجڑا روپ ان کے دل کو رولاتا تھا، پھر رانا تیمور نے اچانک ملکہ کے قاتل کو ڈھونڈنے کی ٹھان لی، وہ قاتل کو پکڑوا کر نہ صرف انتقام لینا چاہتا تھا بلکہ ملک سجاد کی نگاہوں میں بری الذمہ ہونا چاہتا تھا، ملکہ اس کی زندگی اس کی محبت تھی، قرار تو اسے ایک پل نہ تھا، ایک دن رانا اصغر اور رانا اکبر نے رانا تیمور کو خاصا پرجوش دیکھا، رانا تیمور نے ان کو بتایا۔

''میں جلد ہی قاتل تک پہنچ جاؤں گا۔''

لیکن اسی شام اسی باغ میں رانا تیمور کو قتل کر دیا گیا، رانا اصغر اور رانا اکبر پر قیامت ٹوٹ پڑی تھی، ملک سجاد نے تو بہن کے قتل کی پولیس سے تفتیش نہ کروائی تھی، لیکن رانا اکبر اور رانا اصغر چپ بیٹھنے والے نہ تھے۔

''ملک سجاد نے بدلہ لیا ہے، رانا تیمور کا قتل ملک سجاد نے ہی کروایا ہے۔'' اس سے پہلے کہ رانا اکبر اور رانا اصغر ملک سجاد پر کیس کرتے، بے جی اور ابا جی نے منت سماجت کر کے ان کو روکا، یوں وہ رک تو گئے لیکن دشمنی کی جڑ مضبوط ہو گئی، دونوں خاندانوں کے بیچ، ملکہ اور رانا تیمور کے قاتل کا سراغ تو نہ ملا، لیکن دونوں گھرانے ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے، بجیلہ بیگم نہیں چاہتی تھیں ان کی اولاد دشمنی کی بھینٹ چڑھے، انہوں نے ملک سجاد کو شہر منتقل ہونے پر قائل کر ہی لیا، ملک سجاد نے اپنے حصے کی زمینیں اور باغات بیچ کر شہر فیکٹری لگا لی اور اچھے علاقے میں گھر خرید لیا، مسلسل جدوجہد نے ایک فیکٹری کو فیکٹریوں میں بدل دیا، اب یہ فیکٹریاں ان کے تینوں ہونہار بیٹے ان کے ساتھ مل کر سنبھال رہے تھے، ملک سجاد کے چچا اور ان کا اکلوتا بیٹا شجاع گاؤں میں ہی رہے، ملک سجاد کی چچی کا بھی انتقال ہو چکا تھا، یوں ملک سجاد کا گاؤں سے اتنا تعلق برقرار رہا کہ وہ سالوں بعد چچا سے ملنے بھی گاؤں چلے جاتے، اب چچا کے بیمار ہونے پر بجیلہ بیگم ان کے گھر رہ کر آئی تھیں کیونکہ چچا اور ان کا بیٹا بھی شہر شفٹ ہو چکے تھے، دوسری طرف رانا اکبر اور رانا اصغر ملک سجاد کے شہر آنے کے بعد کافی سال گاؤں میں ہی رہے۔

درانہ بیگم اور سونیا بیگم کے ہاں اولاد نہ ہوئی تھی، رانا اکبر اور رانا اصغر نے بہت کوشش کی قاتل کو ڈھونڈنے کی لیکن قاتل نے اپنا کوئی سراغ ہی نہ چھوڑا تھا، یوں یہ معاملہ اللہ کے سپرد کر کے وہ زندگی کی طرف لوٹ آئے، پھر وہ دونوں بھائی بھی بے جی اور ابا جی سے اجازت لے کر شہر شفٹ ہو گئے، گاؤں میں انہیں دہشت ہوتی تھی، لیکن بے جی اور ابا جی گاؤں چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئے یہاں ان کے تیمور کی قبر تھی، سو دونوں بھائی کچھ زمینیں اور باغ بیچ کر شہر میں آباد ہو گئے، پہلے پہل چھوٹے پیمانے پر کاروبار کا آغاز کیا اور اچھے علاقے میں گھر خرید لیا، یوں

زندگی کی گاڑی چلنے لگی، بالآخر قدرت کو ان پر رحم آ گیا، دردانہ بیگم اور سونیا بیگم ایک ساتھ امید سے ہو گئیں دردانہ بیگم کے ہاں سجل اور سونیا بیگم کے ہاں جڑواں بچیوں ماہا اور نیلم نے جنم لیا، رانا اکبر ارو رانا اصغر رب کی رحمتیں پا کر بے انتہا خوش، بے جی اور ابا جی اپنی پوتیوں کی پیدائش پر شہر آئے، یوں وقت گزرتا گیا، پوتیاں بڑی ہو گئیں، اب بے جی اور ابا جی شہر نہ جاتے تھے، ان کی پوتیاں سکول سے چھٹیاں ہونے پر گاؤں چلی آتیں، پھر باغات میں درختوں کی شامت آ جاتی، وہ درختوں پر چڑھنے میں ماہر ہو چکی تھیں، انہیں اپنی دادا دادی سے بے حد محبت تھی، وہ جب بھی گاؤں جاتیں واپس شہر آنے کو دل ہی نہ چاہتا، لیکن واپس تو انہیں آنا ہوتا تھا، پھر بے جی اور ابا جی کا انتقال ہو گیا، تینوں زار زار روئی تھیں دادا دادی کی وفات پر، رانا اکبر اور رانا اصغر نے والدین کے انتقال کے بعد ساری زمینیں، گھر اور باغات بیچ کر شہر میں فوڈ فیکٹری لگا لی، جو دن بدن ترقی کرتی گئی، گاؤں سے ان کا تعلق اتنا رہ گیا کہ وہ ہر دو تین ماہ بعد اپنے بھائی اور والدین کی قبروں پر چلے جاتے، کاروبار نے ترقی کی تو دونوں بھائیوں نے شاندار سوسائٹی میں تین کنال کا گھر خرید لیا جو ان کی بیویوں اور بیٹیوں کو بے حد پسند آیا تھا، ملک سجاد نے سال قبل یہ گھر خریدا تھا، یوں تقدیر دو دشمن گھرانوں کو ایک بار پھر ہمسائیگی کے بندھن میں باندھ گئی تھی، وہی محبت کی کہانی دہرائی جا رہی تھی اور اب دونوں گھرانوں کے سربراہان کبھی بھی یہ نہ کر سکتے تھے جو ان کی اولادیں چاہتی تھیں، دونوں گھرانوں کی دشمنی ان کی معصوم محبتوں کو نگلنے والی تھی۔

☆☆☆

دردانہ بیگم کاضی کے سفر سے لوٹیں تو خاصی سوگوار تھیں، وقت نے جن زخموں پر مرہم رکھا تھا وہ پھر سے زندہ ہو گئے تھے، سونیا بیگم کی آنکھوں میں آنسو تھے، رانا تیمور اور ملکہ شدت سے یاد آئے تھے، سجل، ماہا اور نیلم ماضی کی کہانی جان کر سکتے میں بیٹھی تھیں، دن دیہاڑے قتل ہو گئے اور قاتل کا کوئی سراغ ہی نہیں۔

''اف میرے خدایا، یہ دشمنی تو واقعی بڑی گہری ہے۔'' وہ تینوں حقیقتاً پریشان ہو اٹھی تھیں۔

''اگر ان کے بڑے ایک دوسرے کے دشمن تھے تو بات ہی ایسی تھی۔'' وہ دونوں خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئیں ان کے دل بے حد بوجھل تھے۔

☆☆☆

ہواؤں نے گرم پیرہن اوڑھ لئے تھے، موسم کسی سڑیل مزاج حسینہ کی طرح اینٹھا بیٹھا تھا، رمضان المبارک کا مقدس مہینہ آٹھویں روزے کی جانب گامزن تھا، تپش اور آگ برساتا سورج الامان، لیکن تینوں اس وقت روزے کی حالت میں پچھلے لان میں لگے درخت کی چھاؤں میں کھڑی تھیں، ان کی حالت خاصی بری تھی، وہ لڑکے نہ صرف تشریف لا چکے تھے، بلکہ ان تینوں کو دیکھتے ہی ان پر لٹو ہو چکے تھے اور اپنی ماؤں کو پسندیدگی کا فون بھی کھڑکا چکے تھے، وہ عبدالکریم، عبدالرحیم اور عبدالرشید سے آج ہر صورت ملنا چاہتی تھیں، وہ تینوں نمونے گیسٹ روم میں آرام فرما رہے تھے۔

''ہمیں ان کے گھر جانا ہو گا، کیا کریں ہم۔'' سجل حقیقتاً پریشان ہو اٹھی تھی، ماہا اور نیلم کا بھی برا حال تھا، وہ کبھی بھی کسی اور کا ساتھ قبول نہ کر سکتی تھیں، وہ تینوں ان کو کالز بھی نہ کر سکتی تھیں کیونکہ دردانہ بیگم ان کے موبائل فونز قبضے میں

لے چکی تھیں، وہ جان گئی تھیں یہ ان تینوں لڑکوں سے رابطے میں ہیں، لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھیں وہ شہتوت کے درختوں پر ان تینوں لڑکوں سے ملاقات بھی کر سکتی ہیں، اب وہ تینوں گرمی میں ایک ہی درخت پر بیٹھی ان تینوں کی منتظر تھیں، دعائیں ان کے لبوں پر تھیں، درخت اتنے بڑے اور گھنے تھے کہ تینوں نازک سی لڑکیوں کو وہ اپنی گھنی شاخوں میں چھپا چکے تھے، لیکن ان تینوں کو نہ آنا تھا، وہ مایوس ہو کر اترنے کو تھیں کہ ان کی سماعتوں میں ان تینوں کی آواز پڑی، لیکن ان تینوں کی آواز کے ساتھ ملک سجاد کی آواز بھی شامل تھی، وہ تینوں دبک کر بیٹھ گئیں، وہ تینوں سانس روکے کھڑی رہیں، اچانک قدموں کی آواز اس درخت کی سمت ہو گئی، ان تینوں کا حلق خشک ہو گیا، وہ زور و شور سے دعا کرنے لگیں۔

☆☆☆

''اف میرے اللہ، مجھے اندازہ نہیں تھا، ظالم سماج ہمارے ابا حضور بن جائیں گے، کتنا رومان پرور خیال تھا ہم شہتوتوں پر ملے، محبت ہوئی، پھر شادی ہو جاتی، لیکن ہائے ری قسمت، ہمارے لئے ہم نے بنا رائے لئے لڑکیاں منتخب کر لی گئیں ہیں۔'' عبدالکریم کی دہائیاں عروج پر تھیں، وہ تینوں بھائی اپنے وسیع جہازی سائز بیڈ پر ایک دوسرے کے اوپر سر رکھے لیٹے تھے، علی ماہر جاسوس کی طرح ماما پاپا کے درمیان ہونے والی گفتگو ان کے گوش گزار کر رہا تھا اور ان کے اوسان خطا ہو رہے تھے، چپکے چپکے ان کی منگنیوں کی تیاریاں جاری تھیں، ملک سجاد کے چچا نے ان تینوں کے لئے لڑکیاں بتائی تھیں، وہ تینوں سن کر جل بھن گئے تھے۔

''ایک تو پاپا کے چچا کو سکون نہیں ہے، پہلے ہمارے بزرگوں والے نام رکھے اور اب شادیاں، یا اللہ مجھے بچانا، مجھے سجل دے دے۔'' عبدالکریم ہاتھ دعائیہ انداز میں اٹھا کر عاجزی سے بولا۔

''یار یوں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے سے کچھ نہ ہو گا، ہمیں ان سے ملنا ہو گا، میں نے دیکھے ہیں تینوں باگڑ بلے۔'' عبدالرشید جلد بھنا بیٹھا تھا، ان تینوں میں سے عبدالرحیم تھا جو سر جھکائے کچھ سوچنے میں مگن تھا، اچانک وہ اٹھ بیٹھا۔

''تم دونوں میرے ساتھ آؤ۔'' اس کا لہجہ پراسرار تھا، عبدالکریم اور عبدالرشید خاموشی سے اٹھے اور اس کے پیچھے لپکے، عبدالرحیم کے قدموں کا رخ پچھلے لان کی جانب تھا، عبدالکریم اور عبدالرشید خاموشی سے اس کے پیچھے چل رہے تھے، وہ تینوں پچھلے لان میں پہنچے، تو عبدالرحیم نے درختوں کو غور سے دیکھنا شروع کر دیا۔

''کیا دیکھ رہے ہو۔'' عبدالکریم نے بھی درختوں کو دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

''کیا کر رہے ہو تم لوگ یہاں۔'' ملک سجاد کی سنجیدہ آواز پر وہ تینوں حقیقتاً اچھل پڑے، پلٹ کر دیکھا تو ملک سجاد کو اپنی طرف سرد نگاہوں سے دیکھتے پایا۔

''کچھ نہیں، ویسے ہی ہوا خوری کے لئے آئے ہیں۔'' عبدالرحیم گڑبڑا گیا تھا ملک سجاد کی نظروں سے، ملک سجاد نے آسمان کی جانب دیکھا جہاں آگ برساتا سورج دھڑا دھڑا تپش بانٹ رہا تھا، پھر درختوں کے پتوں کو دیکھا جو بے چارے خود ہوا خوری کے لئے بے چین تھے، پھر اپنے تینوں سپوتوں کو، جو اس وقت مئی کے مہینے میں گرمی اور پسینے میں مبتلا تھے۔

''ہوا کو کچھ دیر آرام کرنے دو، ادھر آؤ تم تینوں، مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔'' ملک سجاد نے طنزاً کہا تھا، اسی وقت درختوں کے پتوں

میں ارتعاش پیدا ہوا، تینوں نے چونک کر اس درخت کی جانب دیکھا، پھر وہ تینوں سمجھ گئے۔

''پاپا ہم ابھی آتے ہیں، بس آدھے گھنٹے میں آئے۔'' عبدالکریم نے مسکرا کر ملک سجاد کو یقین دلایا۔

''ٹھیک ہے لیکن اس سے زیادہ دیر نہ ہو۔'' ملک سجاد حکم دے کر چلے گئے تو تینوں نے کھل کر سانس لیا۔

''ماں باپ بھی محبت کریں گے تو بے انتہا، سختی کریں گے تو وہ بھی بے پناہ، چلو اب درخت پر چڑھو۔'' عبدالکریم کہہ کر درخت کی طرف بڑھا، وہ تینوں درخت پر چڑھے تو تینوں از حد پریشان تھیں، تینوں کے دل بے چین ہو اٹھے، لیکن سجل جو ملک سجاد کا بیٹوں کو دیا جانے والا حکم نامہ سن چکی تھی، ان تینوں کو دیکھتے ہی شروع ہو گئی، دشمنی کی وجہ جب سجل نے تینوں کو بتائی تو وہ تینوں گویا سانس لینا بھول گئے، پاپا کی بہن کا تذکرہ کبھی ان کے گھر میں نہ ہوا تھا۔

''یہ تو بڑا گمبھیر معاملہ تھا اور ہاں آج رات ہر صورت ان تینوں کو بھگانا ہے، کل ان کی مائیں آ رہی ہیں، آج بابا اور چھوٹے بابا بھی گھر نہ ہوں گے، اگر تم تینوں آج نہ آئے تو پھر ہم بھی تمہاری شکل نہ دیکھیں گی، جو پلان طے ہوا تھا، اسی پر عمل ہو گا۔'' سجل کا لہجہ خطرناک حد تک سنجیدہ تھا، عبدالکریم نے محبت سے سجل کو دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا، ماہا نے بھی عبدالرحیم پر جو نگاہ ڈالی وہ بہت کچھ کہتی ہوئی تھی، عبدالرحیم نے بھی سر جھکا کر ہامی بھر لی، نیلم کو کہنے کی ضرورت ہی نہ تھی، عبدالرشید تو ان لڑکوں کو بھگانے کے لئے پہلے ہی اتاؤلا ہو رہا تھا، یوں یہ ملاقات ختم ہو گئی، وہ تینوں اتر کر گھر کے اندر چلے گئے اور وہ تینوں اپنے گھر، اب انہیں تیاری کرنا تھی، گیسٹ روم پر رات کو حملہ جو کرنا تھا اور حملہ ہرگز ناکام نہیں ہونا تھا، یہ ان کو یقین تھا۔

☆☆☆

افطاری کا وقت ہوا تو تینوں بھائیوں نے خشوع و خضوع سے دعا مانگی، ملک سجاد نے جو بات ان سے کہنی تھی اسے سن کر وہ صحیح معنوں میں پریشان ہو اٹھے تھے، وہ ان کی منگنیوں کی بجائے نکاح کرنا چاہتے تھے، دوسرا حکم یہ سنایا تھا اگر ہمسایوں کی دیوار کے پاس بھی نظر آئے تو بہت برا ہو گا، تینوں کے چودہ طبق روشن کر دیے تھے، ان حالات میں، وہ ان تینوں کے بغیر رہنے کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے، محبت ان کو ہوئی تھی، بہت گہری ہوئی تھی، وہ ہر قیمت پر اپنی محبت پانا چاہتے تھے، لیکن ان کے والدین، جڑے غمزدہ انداز میں تینوں نے افطاری کی تھی، تینوں نے نماز مغرب ادا کی، دعائیں تو اب ان کے لبوں سے ایک پل کے لئے بھی آزاد نہ ہوتی تھیں، نماز عشاء اور تراویح ملک سجاد کے ہمراہ پڑھ کر وہ واپس آئے تو اپنے کمرے میں چلے گئے، ملک سجاد بھی اپنے کمرے میں چلے گئے، علی سوچ چکا تھا، بھولا بھی ریڈی تھا، اسے بھی ان تینوں کے ساتھ جانا تھا، رات کے بارہ بجے انہیں سجل، ماہا اور نیلم کے گھر جانا تھا، اس سے پہلے نہیں، سجل کا کہنا تھا، بارہ بجے تک ان کے بابا اور چھوٹے بابا کا گھر نہ آنا کنفرم ہو جائے گا، ان تینوں کو بشمول بھولے رات بارہ بجے کا انتظار کرنا تھا، لیکن عبدالرشید کو سکون نہ تھا وہ گیارہ بجے ہی ان کو لے کر دیوار کے قریب پہنچ گیا، تینوں اسی حلیے میں تھے جس حلیے میں انہیں سجل نے آنے کو کہا تھا، ان کا حلیہ اتنا خوفناک لگ رہا تھا کہ وہ تینوں ایک دوسرے کو دیکھنے سے پرہیز کر رہے تھے، ان کے پاس مطلوبہ سامان بھی تھا، عبدالرشید اور عبدالکریم

آپس میں تھوڑی بہت کھسر پھسر کر رہے تھے لیکن عبدالرحیم بت بنا کھڑا تھا۔

''کیا بات ہے یار تم کیوں گوتم بدھ کی بد روح بن کر ہمیں ڈرا رہے ہو۔'' عبدالرشید کی بات ابھی مکمل ہی ہوئی تھی، اچانک فضا میں چیخ بلند ہوئی جو ہمسایوں کے پچھلے لان سے برآمد ہوئی تھی، بارہ بجنے میں ابھی وقت تھا، عبدالرشید اور عبدالکریم پریشان ہو اٹھے لیکن عبدالرحیم لمبے لمبے ڈگ بھرتا دیوار کی جانب بڑھا۔

''اسے کیا ہو گیا ہے، یہ ہمیں مروائے گا۔'' عبدالکریم کہتے ہوئے اس کے پیچھے لپکا، عبدالرشید نے بھی عبدالکریم کی تقلید کی، عبدالرحیم نے زقند بھری اور دیوار پھلانگنے کے لئے جمپ لگایا ہی تھا کہ عبدالکریم اور عبدالرشید نے بجلی کی سی تیزی سے آگے بڑھ کر اس کی لمبی ٹانگیں کھینچ لیں۔

''وہ تینوں مشکل میں ہیں اور میں بزدل نہیں ہوں، میں ان کی مدد کروں گا اور تین منحوس لڑکوں کو بھگا کر دم لوں گا۔'' عبدالرحیم اس وقت جذباتیت کی انتہا پر تھا۔

''ہاں ہاں مدد کروں گا اور اپنی ٹانگیں تڑواؤں گا، سجل ماہا اور نیلم کے ابے تمہیں ٹانگوں پر سلامت واپس آنے دیں گے تو ضرور جاؤ، شوق سے جاؤ، ان کو مشکل میں پھنساؤ۔'' عبدالکریم نے غصے سے کہتے ہوئے اس کی جذباتیت کے آگے بند باندھنا چاہا، اسی وقت تینوں کو ہمسایوں کے لان میں بھاگنے کی آوازیں سنائی دیں، پھر ایک نسوانی چیخ بلند ہوئی، تینوں کے کان کھڑے ہو گئے، گرمی کی وجہ سے اے سی کمروں میں آنے ہونے کے باعث کمرے بند رہتے تھے، سو کمرے میں سوئے افراد تک ایسی آوازیں جانا محال تھا، لیکن اس وقت ان تینوں کے لئے دیوار پھلانگنا ناگزیر ہو گیا تھا، پھر تینوں نے کچھ فاصلے پر کھڑے بھولے کو بلایا اور چاروں نے ہمسایوں کے پچھلے لان میں چھلانگ لگا دی۔

☆☆☆

کالی اندھیری رات میں آج آسمان پر بھی کالے سیاہ بادل چھائے تھے، اس کے باوجود فضا میں حبس اور گھٹن تھی، سجل، ماہا اور نیلم نے افطاری پر گڑگڑا کر دعائیں مانگی تھیں ملن کی، ان کی مدد اللہ کے سوا کوئی نہ کر سکتا تھا، یہ لڑکے بھاگ جاتے، بعد کی بعد میں دیکھی جاتی، نماز عشاء اور تراویح خشوع و خضوع سے پڑھ کر دردانہ بیگم اور سونیا بیگم اپنے اپنے کمروں میں چلی گئیں، وہ تینوں نوری کو لئے اپنے کمرے میں آ گئیں، رانا اکبر اور رانا اصغر دوسرے شہر عزیز دوست کے گھر افطاری پر مدعو تھے، ان کا آنا ناممکن تھا، پھر بھی احتیاطاً سجل نے بارہ بجے کے بعد کا ٹائم رکھا تھا، اب رات کی تاریکی لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی تھی، وہ چاروں اس وقت تیار کھڑی تھیں، وہ اس وقت اتنی خوفناک لگ رہی تھیں کہ سجل کو تو ماہا اور نیلم کو دیکھ کر چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی تھی، وہ خون آشام چڑیلوں کا روپ دھارے ہوئے تھیں، لڑکے گیسٹ روم میں تھے، سارا دن ان پر نگاہیں گاڑھے پھرتے تھے گھر میں، نہ جانے ان کے والدین اتنے لبرل کیونکر ہو گئے تھے، دردانہ بیگم اور سونیا بیگم نے اعتراض کیا تھا ان کے گھر میں رہنے پر، لیکن رانا اکبر اور رانا اصغر نے ان تینوں کے کمرے سے نکلنے پر پابندی لگا دی، یعنی لڑکوں کو کچھ نہیں کہنا، اب تو غصہ مزید بڑھ گیا تھا ان کا، روزے کی افطاری کے وقت وہ اتنا روئی تھیں کہ دردانہ بیگم اور سونیا بیگم پریشان ہو گئی تھیں، لیکن وہ کچھ کرنے سے قاصر تھیں، اس وقت وہ چاروں پچھلے لان میں آ گئیں، نوری کے ہاتھ میں ایک

پلاسٹک کا بیگ تھا، وہ نہ جانے کہاں سے برآمد کر کے لائی تھی، اس وقت یہ پوچھنے کا وقت نہ تھا، لیکن اس بیگ میں مینڈک تھے یہ انہیں پتا تھا، بارہ بجنے میں ابھی کافی وقت تھا، وہ اپنے طور پر پہلے لڑکوں کو ہراساں کرنا چاہتی تھیں سو وہ چاروں پچھلے لان میں کھلنے والی بڑی سی گلاس ونڈو کے دائیں بائیں کھڑی ہوگئیں، یہ دیکھ کر ان کو حیرت ہوئی دبیز پردے اٹھے ہوئے تھے، کمرہ نیم روشن تھا، لیکن کھڑکی بند تھی، بجل، ماہا اور نیلم نے دانت کچکچا کر گیسٹ روم کی جانب دیکھا جہاں تینوں منحوس لڑکے آرام فرما رہے تھے، جن کی ماؤں کی آمد پر نکاح کی تاریخ فکس کر دی جانی تھی اور وہ ایسا مر کر بھی نہ ہونے دے سکتی تھیں، یہی سوچ ان کے خون کو کھولا گئی۔

ان کے دروازے پر دستک بدستور جاری تھی، چار و ناچار تینوں میں سے ایک کو ہمت کرنا پڑی، وہ بڈ سے اترا اور دروازے کی جانب بڑھا، اچانک کھڑکی کی جانب سے مدھم مدھم خوفناک آوازیں آنے لگیں، جو دروازے کی جانب بڑھا تھا وہ واپس بڈ پر آ کر بیٹھ گیا۔

"ازے بزدل ہو تم، میں دیکھتا ہوں کون ہے کھڑکی کے باہر، تم دروازہ کھولو، بہادر بنو بہادر۔" ماہا کا امید وار لڑکا بڈ سے اترتے ہوئے بولا۔

"میرا خیال ہے پہلے کھڑکی چیک کر لو۔" بجل کا امید وار خاصا خوفزدہ ہو چکا تھا۔

"اس کی شکل دیکھو، ابھی خوف سے گر پڑے گا، تم تو ہو ہی بزدل، میں دیکھتا ہوں کھڑکی پر کون ہے اور تم دروازے پر جاؤ۔" ماہا کے امید وار نے نیلی کے امید وار کو دروازے کی جانب دھکیلا اور خود کھڑکی کی جانب بڑھا، دستک بھی جاری تھی اور خوفناک آوازیں اب خاصی خوفناک ہو چکی تھیں۔

"میرا خیال ہے ہم تینوں پہلے کھڑکی کو چیک کر لیتے ہیں۔" نیلی کا امید وار اتنا بھی بہادر نہ تھا۔

"ٹھیک ہے آؤ تم دونوں بھی۔" ماہا کا امید واران دونوں کو لئے کھڑکی کی جانب بڑھا، جونہی ماہا کے امید وار نے پردے ہٹائے، پھر کھڑکی کے پار انہیں جو نظر آیا وہ ان کی چیخیں آسمان تک لے گیا، خوفناک آوازیں مزید بلند ہو گئیں چار لمبی ترنگی ڈریکولا ٹائپ بدروحیں دیکھ کر وہ خوف سے چیختے چلاتے دروازے کی جانب بھاگے اپنے خوف میں وہ بھول گئے، دروازے پر دستک ہو رہی تھی ابھی، پھر جونہی دروازہ کھولا تو خوفناک خون آلود چہروں والی چڑیلیں دیکھ کر وہ اتنا چیخے کہ بدروحوں اور چڑیلوں کو موقع واردات سے فوراً فرار ہونا پڑا، بدروحیں اپنے کمرے میں اور چڑیلیں اپنے کمرے میں پناہ لے چکی تھیں، کیونکہ درانہ بیگم اور سونیا بیگم کی سماعتوں تک یہ ہولناک چیخیں پہنچ چکی تھیں، وہ دونوں حواس باختہ سی گیسٹ روم کی طرف بھاگیں، کھلے دروازے سے جب وہ اندر داخل ہوئیں تو تینوں لڑکوں کو بری طرح چیختے پایا۔

"چپ کر جاؤ تم تینوں۔" درانہ بیگم غصے سے بلند آواز میں دھاڑیں، ان کی دھاڑ میں اتنا رعب تھا کہ تینوں کی چیخوں کو بریک لگ گئی، تینوں نے خوفزدہ نگاہوں سے درانہ بیگم اور سونیا بیگم کو دیکھا جو خاصے خوفناک تیوروں سے ان کو گھور رہی تھیں۔

"کیوں چیخ رہے تھے۔" درانہ بیگم کا استفسار ڈانٹ میں لپٹا تھا۔

"ہمیں چڑیلیں اور بدروحیں نظر آئی تھیں، وہ بہت خوفناک تھیں، ہمیں یہاں نہیں رہنا، ہم

ابھی جا رہے ہیں۔" بجل کا امید وار لڑکا خوفزدہ انداز میں بولتا اپنا سامان پیک کرنے لگا، باقی دونوں بھی اپنا سامان پیک کر رہے تھے، وہ تینوں اسی وقت انہیں اللہ حافظ کہے بنا اپنی گاڑی پر گھر سے چلے گئے، درانہ بیگم اور سونیا بیگم سارا معاملہ سمجھ گئیں، انہوں نے لڑکوں کو خوف سے نکالنے کی بہت کوشش کی لیکن سب بے سود رہا، وہ ان تینوں کے جانے کے بعد لڑکیوں کے کمرے میں آئیں تو دروازہ بند پایا، درانہ بیگم نے اسی وقت دستک دی تھی۔

☆☆☆

بجل، ماہا اور نیلم نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے گیراج سے ان کی گاڑی کو جاتے دیکھا تو سکون سے بولیں۔

"خس کم جہاں پاک۔" وہ اپنا حلیہ درست کر چکی تھیں صرف بال تھے جو ابھی بھی بکھرے تھے نوری اپنے کوارٹر میں جا چکی تھی، بجل، ماہا اور نیلم نے جب دستک کی آواز سنی تو جھٹ بستر میں دبک گئیں انہیں ہرگز یہ ظاہر نہیں کرنا تھا کہ وہ جاگ رہی ہیں، درانہ بیگم اور سونیا بیگم پوچھ گچھ صبح پر موخر نہیں کرنا چاہتی تھیں، سو وہ دستک دیتی رہیں، بجل، ماہا اور نیلم کے ذہن میں جھما کا ہوا، دروازہ کھولے بنا چارہ بھی نہ تھا، سو تینوں نے دوپٹے نماز کے انداز میں سر کے گرد لپیٹے اور جائے نماز بچھا کر کھڑی ہو گئیں، بجل جا نماز پر کھڑے ہونے سے پہلے چپکے سے بنا آواز پیدا کیے لاک کھول آئی تھی، اور پھر جائے نماز پر کھڑی ہو کر تینوں نے چار رکعت نفل کی نیت باندھ لی، درانہ بیگم نے پھر دستک دی۔

"بھابھی آپ لاک گھمائیں۔" سونیا بیگم کے مشورے پر درانہ بیگم نے لاک گھمایا تو دروازہ کھل گیا۔

"لو دروازہ تو کھلا تھا میں یونہی دستک دیتی رہی۔" درانہ بیگم بولتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی، سونیا بیگم بھی ان کے ساتھ ہی داخل ہوئیں تھیں، تینوں لڑکیوں کو خشوع و خضوع سے نماز ادا کرتے دیکھ کر وہ بھی سوچنے پر مجبور ہو گئیں، کیا واقعی لڑکوں کو کچھ نظر آیا ہے، کیونکہ تینوں کے چہرے شفاف اور گلابی تھے سر پر اچھی طرح دوپٹہ لپیٹا ہوا تھا، وہ دونوں خاموشی سے صوفے پر بیٹھ کر ان کے سلام پھیرنے کا انتظار کرنے لگیں، لیکن ان کا انتظار ہی رہا، وہ جونہی سلام پھیرتیں اسی وقت پھر نیت باندھ لیتیں، ماؤں کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھا، وہ جان گئیں اگر وہ یہاں بیٹھی رہیں تو ان کی نماز صبح تک ختم نہیں ہونی، ان کو یقین آ گیا یہ حرکت ان تینوں کی ہی ہے، لڑکوں کو تو بھگا دیا تھا لیکن کسی اور سے رشتہ جڑ جاتا، ان کے ساتھ بھی رشتہ نہ جڑتا جس کو وہ چاہتی تھیں، سو سرد آہ بھر کر وہ ان کے کمرے سے چلی گئیں، ان کے جاتے ہی تینوں نے سکون سے نماز مکمل کی اور سلام پھیر کر پرسکون سانس خارج کی، وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی تھیں، ان کی خوشی دیدنی تھی۔

☆☆☆

"یار لڑکے تو بھاگ گئے، لیکن ہمارے پاپا اور ماما تو بات پکی کرنے اگلے ہفتے جا رہے ہیں، اب ان کو کیسے روکیں ہم۔" عبدالکریم کا لہجہ ٹوٹا بکھرا تھا، یعنی کہ حد ہی ہو گئی، اپنی دشمنی میں اولاد کی خوشیوں کی بھینٹ چڑھا رہے تھے ان کے والدین، اب وہ شہتوت کے درختوں پر بھی نہ مل سکتے تھے، کیونکہ بجل، ماہا اور نیلم پر خاصی پابندیاں لگ چکی تھیں، بھولا اور نوری ان کے درمیان پیغام رسانی کا کام بڑے محفوظ طریقے سے سر انجام دے رہے تھے، رانا اکبر اور رانا اصغر شدومد

سے اپنی بیٹیوں کے لئے نئے بر ڈھونڈ رہے تھے ان دنوں، دونوں گھرانوں میں محبت کے ماروں کی شامت آئی ہوئی تھی۔

''کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو، نہ جانے اب ہمارا کیا ہوگا۔'' عبدالرحیم بھی بہت دلگرفتہ تھا۔

''لیکن مجھے یقین ہے ہماری دعائیں ضرور مستجاب ٹھہریں گی انشاء اللہ، اللہ ضرور راستہ نکال دے گا۔'' عبدالرشید کا لہجہ پرامید تھا، تینوں کے دلوں میں اس پل امید کے جگنو روشن ہوئے تھے، پھر دن گزرتے گئے، وہ سب اپنی دعاؤں پر بھروسہ کیے بیٹھے تھے، من پسند افطاریاں بھولے اور نوری کے ذریعے ایک دوسرے کو بھیجی جاتیں، بالآخر وہ دن بھی آ گیا جب ان کے والدین کو ان تینوں کا رشتہ پکا کرنے جانا تھا اور وہ ان کے دلوں کو، ان کی محبت کو اپنی ضد اور انا کے پہاڑ تلے روند کر چلے بھی گئے، تینوں کے دل اس دن ماہی بے آب بن گئے تھے، انہوں نے بھولے کو سختی سے منع کر دیا۔

''خبردار نوری کو یہ بات بتائی تو۔'' وہ خود اس معاملے سے نپٹنا چاہتے تھے، لیکن جب دو دن بعد ان کے ماما پاپا واپس آئے تو پھر جو دھما کہ انہوں نے کیا وہ ان کی سماعتوں کو بے یقینی کے سمندر میں زوردار دھکا دے گیا تھا، کیا ان کے والدین ایسا بھی کر سکتے ہیں، وہ بے یقین تھے۔

☆☆☆

بائیسواں روزہ اپنے اندر ڈھیروں خیر و برکت اور انعام لٹاتا وقت افطار کی جانب گامزن تھا، سجل ماہا اور نیلم بجھے بجھے انداز میں نماز ظہر ادا کر کے کچن میں نوری کا ہاتھ بٹا رہی تھیں، کل ان کے رشتے نئی جگہ طے ہو رہے تھے، ان کے دل کی سچی مراد تو کیا پوری ہوتی مزید غم ملنے کا سامان ہونے والا تھا، افطاری کے وقت سب اہل خانہ ڈائننگ ٹیبل کے گرد بیٹھے تھے، نوری بھی روزہ ان کے ساتھ بیٹھ کر افطار کرتی تھی، افطاری سے قبل تینوں نے شدت کرب سے رب کو پکارا تھا، بیٹیوں کی نم آنکھیں دیکھ کر دردانہ بیگم اور سونیا بیگم کا دل تڑپ اٹھا تھا لیکن وہ کچھ بھی کرنے سے قاصر تھیں، رانا اکبر اور رانا اصغر پرسکون انداز میں افطاری کر رہے تھے، افطاری سے فارغ ہو کر سب نے نماز مغرب ادا کی اور لاؤنج میں آ بیٹھے، نوری برتن اٹھانے لگی وہ تینوں کچن میں چائے بنانے لگیں، جب باہر کی گھنٹی لاؤنج میں گونجی، نوری فوراً باہر گئی اور جب وہ واپس لوٹی تو اس کے ہمراہ بجیلہ بیگم اور ملک سجاد تھے، رانا اکبر اور رانا اصغر نفرت سے کرنٹ کھا کر صوفے سے اٹھے تھے۔

''کیونکر جرأت ہوئی تمہاری، ہمارے گھر کی دہلیز پار کرنے کی۔'' لہجے میں نفرت کی چنگاریاں تھیں، ان کے چہروں کے عضلات غصے کے باعث تنے ہوئے تھے، دردانہ بیگم اور سونیا بیگم نے ہول کر ایک دوسرے کو دیکھا اب نہ جانے کون سا خونی معرکہ ہوگا، وہ خوفزدہ تھیں، بجیلہ بیگم دکھی دل سے سب کو دکھ رہی تھیں، بڑے بابا اور چھوٹے بابا کی گرجدار آواز سن کر تینوں لڑکیاں گھبرا کر لاؤنج میں آئی تھیں، ملک سجاد اور بجیلہ بیگم کو دیکھ کر ان کا سانس رک سا گیا تھا۔

''اکبر تم کہہ سکتے ہو مجھے یہ سب کیونکہ میں نے اچھا نہیں کیا تھا تمہارے ساتھ۔'' ملک سجاد کی ٹھہری ہوئی شکستہ آواز رانا اکبر اور رانا اصغر کی نفرت کو حیرت میں بدل گئی، ملک سجاد کے جھکے کندھے، چہرے پر شرمساری اور ندامت تو ان کو اب نظر آئی تھی، ملک سجاد چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا رانا اکبر اور رانا اصغر کے سامنے جا کھڑا ہوا، لرزتے ہاتھ اٹھے اور دونوں بھائیوں کے سامنے

معافی کے لئے جڑ گئے، کپکپاتے لبوں سے معافی کے لفظ برآمد ہوئے تو دونوں بھائیوں کو سو واٹ کا جھٹکا لگا، وہ بری طرح بدکے تھے، انا کا بت جب ٹوٹتا ہے تو عاجزی کس طرح پیدا ہوتی ہے اور معافی کے الفاظ کس طرح دل موم کرتے ہیں، انہیں اس پل اندازہ ہوا تھا، معافی جو رب العالمین کو بے حد پسند ہے، ملک سجاد اس میں بازی لے گیا تھا۔

''یہ سب کیا ہے ملک سجاد۔'' رانا اکبر سچ مچ بوکھلا اٹھا تھا، دشمنی اپنی جگہ لیکن ملک سجاد کی خستہ حالت پر دل لرز اٹھا تھا۔

''ملکہ اور رانا تیمور کا قتل شجاع نے کیا تھا۔'' کوئی صور تھا جو ملک سجاد نے پھونکا تھا، سب کے دل مٹھی میں آ گئے تھے۔

''ت...... ت...... تم کیسے کہہ سکتے ہو، شجاع...... ناممکن۔'' رانا اکبر کے دل کو یقین نہ آیا تھا، شجاع کو وہ اچھی طرح جانتا تھا، جس کی شرافت اور سادگی کے سب معترف تھے، وہ کیونکر کر سکتا ہے، رانا اکبر اور رانا اصغر کا سر بے اختیار نفی میں ہلا تھا۔

''اسی نے کیا تھا قتل، اس نے خود اعتراف کیا ہے میرے سامنے، مجھے چچا نے پیغام بھیجا کہ شجاع بہت بیمار ہے، خطرناک مرض میں مبتلا ہے اور ہاسپٹل میں ہے اور تم سے ملنا چاہتا ہے، میں جب اس سے ملنے ہاسپٹل گیا تو اس نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے مجھ سے معافی مانگی، تاکہ اس کی روح کو سکون مل سکے اور اب وہ مر چکا ہے، وہ ملکہ کو پانا چاہتا تھا لیکن ملکہ رانا تیمور کو بے حد چاہتی تھی، اس نے نفرت اور حسد میں ملکہ کو قتل کیا، پھر جب رانا تیمور نے قاتل کا سراغ لگانا شروع کیا تو قریب تھا کہ وہ قاتل کو ڈھونڈ نکالتا، شجاع نے اسے بھی قتل کر دیا، مجھے معاف کر دو میں نے سب کا بہت دل دکھایا ہے۔'' ملک سجاد رو پڑے تھے، بہن کا درد رلا گیا تھا انہیں جس چچا کے بیٹے سے آج تک خوش اخلاقی اور محبت سے ملتے رہے وہی ان کی پیاری بہن کا قاتل تھا، رانا اکبر اور رانا اصغر جن کے اپنے دل مجروح تھے ان کو مزید دکھ میں مبتلا کیا، شجاع کو قدرت نے بالآخر سزا دے دی تھی اور اس کا جرم بے نقاب ہو گیا تھا، اللہ کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے، انہیں یقین آ گیا تھا، رانا اکبر اور رانا اصغر قسمت کی اس ستم ظریفی پر نڈھال کھڑے تھے، انہیں مر کر بھی یقین نہ آ سکتا تھا، کہ شجاع قتل بھی کر سکتا ہے، لیکن اب وہ مر چکا تھا، اب مرے ہوئے کا وہ گریبان وہ کیسے پکڑتے، دونوں بھائی بھی رو پڑے، گویا آج ہی رانا تیمور کا جنازہ اٹھا ہو، ملک سجاد کے ہاتھ ہنوز جڑے تھے۔

''تم کیوں معافی مانگتے ہو سجاد، جو کچھ ہوا شک اور بدگمانی کی وجہ سے ہوا، ہمیں بھی معاف کر دو، ہم نے بھی تمہارا بہت دل دکھایا ہے، شکر ہے بدگمانی کے بادل چھٹ گئے ہیں، وگرنہ ہم سے کتنی بڑی غلطی ہو جاتی۔'' رانا اکبر ملک سجاد کے جڑے ہوئے ہاتھ کھول کر گلے لگاتے ہوئے رو پڑے، لاؤنج میں موجود سب کی آنکھیں، اشکبار تھیں، رانا اصغر نے بھی ملک سجاد کو گلے لگایا، دردانہ بیگم اور سونیا بیگم، بجیلہ بیگم سے بچھڑی سہیلیوں کی طرح گلے ملی تھیں، سجل، ماہا اور نیلم کا دل لڈیاں ڈالنے کو چاہ رہا تھا، انہیں یقین تھا ان کی دعاؤں نے دشمنی کے کالے سیاہ بادلوں کو محبت کی ست رنگی دھنک میں بدل دیا ہے، بڑے سب آپس میں گلے شکوے مٹائے محبت بھری باتوں میں مگن تھے، ملک سجاد نے محبت سے تینوں کے سر پر ہاتھ رکھا تھا، بجیلہ بیگم تو ان تینوں کو کافی دیر گلے سے لگائے کھڑی رہیں، ان کے بیٹوں کو

بالآخر ان کی محبت مل گئی تھی، وہ تینوں انہیں بے حد پیاری تھیں کیونکہ وہ ان کے پیارے بیٹوں کی محبت اور خوشی تھیں، جب ملک سجاد نے اپنے بیٹوں کے لئے ان تینوں کا رشتہ مانگا، رانا اکبر اور رانا اصغر نے جھٹ ہاں کردی تھی، اسی وقت جمیلہ بیگم نے تینوں کو رنگ پہنا دی، یہ تینوں رنگ ان کے بیٹوں نے پہلے سے ہی ان کے سائز کی بنوا کر رکھی تھیں، جب وہ دونوں رانا اکبر اور رانا اصغر سے ملنے آنے لگے تھے، تب تینوں نے چپکے سے جمیلہ بیگم کو اپنی اپنی رنگز دے دی تھیں، رنگز کے اوپر سب کے نام کے پہلا حرف انگریزی میں کندا تھا، آج بات فائنل ہو جاتی تو ان کو سکون مل جاتا، وہی ہوا بات نہ صرف پکی ہو چکی تھی، بلکہ چاندرات ان کا نکاح رکھ دیا گیا تھا، ان کے دلوں میں جشن کا سماں تھا ہر طرف خوشیوں کے شادیانے بج رہے تھے، ان کی رخصتی عید الفطر کے دوسرے دن رکھی گئی تھی، اسی وقت جمیلہ بیگم کو عبدالکریم کی کال آئی تو جمیلہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

''اچھا پریشان مت ہو، بات کرتی ہوں میں۔'' پھر جمیلہ بیگم نے بھولے کے لئے نوری کا ہاتھ مانگا تو کام کرتی نوری شرما کر کچن میں غائب ہوگئی، رانا اکبر اور رانا اصغر کو بھی کوئی اعتراض نہ ہوا، نوری کی بھی شادی کی عمر تھی اور نوری ان کی ذمہ داری تھی، بھولا نوری کے لئے بہترین رشتہ تھا، سو فوراً ہاں کردی گئی، لیکن نوری اور بھولے کی شادی بقر عید کے بعد رکھی گئی تھی، جس کا دونوں کو شدید صدمہ پہنچا تھا، لیکن بہرحال سب ہنسی خوشی طے پا گیا تھا۔

☆☆☆

رمضان المبارک کے آخری مبارک عشرے کا اٹھائیسواں روزہ رحمت و اکرام کی بارش میں ہر روزہ دار کو بھگو رہا تھا، دونوں گھرانوں میں عبادات کے ساتھ ساتھ شادی کی تیاریوں کا بھی زور تھا، تین عدد شادیاں تھیں سو مصروفیت اتنی تھی کہ کان کھجانے کی بھی فرصت نہ تھی، دردانہ بیگم اور سونیا بیگم، جمیلہ بیگم کے ہمراہ مارکیٹ میں شادی کی شاپنگ کے لئے گئی تھیں، سورج دھیرے دھیرے اپنی کرنیں اپنی آغوش میں سمیٹ رہا تھا، جب تینوں خوشی کے شادیانے بجاتی لڑکیوں کے موبائل فونز پر درختوں پر ملنے کا بلاوا آ گیا، وہ نکاح سے پہلے محبت کے حسین لمحات کو یادگار بنانا چاہتے تھے، پہلے پہل تو تینوں نے انکار کیا لیکن جب اصرار مزید بڑھا تو نوری کو بنا بتائے وہ ملاقات کے لئے نکل کھڑی ہوئیں، پچھلے لان میں دیوار پھلانگ کر اپنے ہونے والے سسرال کے گھر کے پچھلے لان میں چھلانگ لگائی تو تینوں کو منتظر پایا، سب سے پہلے عبدالکریم آگے بڑھا اور بجل کو اپنے ساتھ لئے اسی درخت کی جانب بڑھا جس پر ان کی پہلی ملاقات ہوئی تھی، عبدالرحیم ماہا کی طرف بڑھا، ماہا عبدالرحیم کے ساتھ دل میں محبت کی جگمگاتی شمعیں روشن کیے اس درخت کی طرف بڑھی جہاں ان کی پہلی ملاقات ہوئی تھی، عبدالرشید کی محبت بھری دل کی پکار پر نیلم لبیک کہتی آگے بڑھی اسی درخت کی جانب بڑھی جہاں دونوں نے پہلی بار ایک دوسرے کو دیکھا تھا، تینوں لڑکیوں نے خود کو ڈھانپ رکھا تھا، سوائے چہروں، ہاتھوں اور پاؤں کے وہ تینوں کالی چادر میں لپٹی ہوئی تھیں، عبدالکریم، عبدالرحیم اور عبدالرشید نے بلیو جینز پر بیلوٹی شرٹس پہن رکھی تھیں، بجل اور عبدالکریم آمنے سامنے تقریباً موٹی ٹہنیوں پر بیٹھے تھے، عبدالکریم نے ڈائمنڈ رنگ بجل کے دائیں ہاتھ کی انگلی میں پہنائی تو بجل کا ہاتھ جگمگانے لگا۔

''آنٹی جمیلہ نے بھی تو رنگ پہنائی ہے، پھر اس کی کیا ضرورت ہے۔'' بجل عبدالکریم کی سامنے موجودگی سے نروس ہوتے ہوئے شرما کر بولی۔

''وہ ماما نے پہنائی تھی، مجھے خود پہنانی تھی، فرق تو ہے نا، نکاح والے دن تیسری رنگ پہناؤں گا اور عیدی بھی دوں گا۔'' عبدالکریم کا لہجہ مخمور تھا، بجل کی پلکیں لرزیں اور جھک گئیں، اسے شرم آ رہی تھی۔

''عبدالکریم اب مجھے چلنا چاہیے۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اتنی جلدی، ابھی تو بہت سی باتیں کرنی ہیں۔'' عبدالکریم کا لہجہ بجل کے جلدی جانے کی بات پر خفا ہوا تھا۔

''نہیں مجھے جانا ہے، کل نکاح ہے نا، کل مل لینا۔'' بجل نے چادر سر پر درست کرنے کے لئے ہاتھ اٹھایا تو نگاہ درختوں کے پتوں پر چلی گئی، بھڑوں کے دو تین چھتے نظر آ رہے تھے، چھتوں سے پیلے پیلے بھڑ چپٹے ہوئے تھے۔

''عبدالکریم بھڑوں کا چھتہ، یہ کاٹ نہ لیں۔'' کیونکہ کافی بھڑ اِدھر اُدھر اڑ رہے تھے۔

''پہلے تو بھڑ نہیں تھے۔'' بجل گھبرا گئی تھی۔

''ہوں لگتا ہے، تازہ تازہ چھتے بنائے ہیں لیکن تم فکر نہ کرو، نہیں کاٹتے، بیٹھو تو۔'' عبدالکریم ہرگز رضامند نہ تھا بجل کے جانے پر، اسی وقت بھڑ بجل کے نرم و نازک ہاتھ پر بیٹھ گیا، بجل چیخنے لگی، عبدالکریم نے جل کا ہاتھ تھام کر بھڑ کو اڑایا، ایسی اثنا اس کا ہاتھ بڑوں کے چھتے پر جا پڑا، پھر ہر طرف بھڑ ہی بھڑ ہو گئے، پھر بھڑوں نے بنا سوچے سمجھے ان دونوں کو اتنا پیار کیا کہ بجل چیخ چیخ کر تو گھبرا گئی اور عبدالکریم ضبط کر کر کے، جب وہ دونوں درخت سے بمشکل نیچے اترے تو ان کا حال بے حد برا تھا، بجل کا رو رو کر برا حال تھا، جگہ جگہ گویا انجکشنز لگے تھے خوب درد ہو رہا تھا، عبدالکریم ضبط سے برداشت کر رہا تھا، وگرنہ اس کا دل دھاڑیں مار مار کر رونے کو چاہ رہا تھا۔

☆☆☆

اب آتے ہیں عبدالرحیم اور ماہا کی طرف، دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے، عبدالرحیم نے مہنگی ترین ڈائمنڈ رنگ ماہا کی نازک مخروطی انگلی میں پہنائی تو ماہا کے لب مسکرا اٹھے، بہت خوبصورت ہے، ماہا کا چہرہ محبت کے رنگوں سے رنگا تھا، اس درخت پر بھی بھڑوں نے چھتے بنا رکھے تھے، عبدالرحیم اور ماہا کی نظر ابھی تک بھڑوں کے چھتے پر نہ پڑی تھی وہ دونوں دھیمی سرگوشیوں میں محبت بھری گفتگو میں مگن تھے، جب اچانک ماہا کے چہرے پر دو بھڑ بیٹھ گئے، ماہا نے چیخ ماری، عبدالرحیم نے بھڑ اڑائے تو اردگرد بھڑ اڑتے پائے، بدحواسی میں عبدالرحیم بھڑوں کے چھتے کو چھیڑ بیٹھا، پھر جو دونوں کو بھڑوں نے کاٹا، ماہا چیخنے لگی، ماہا کے چہرے، ہاتھ، پاؤں، گردن کچھ بھی محفوظ نہ رہا تھا، عبدالرحیم کے بازو، چہرہ، پاؤں بھی بھڑوں نے چوم ڈالے تھے، یوں دونوں بمشکل درخت سے نیچے اترے تھے۔

☆☆☆

عبدالرشید اور نیلم بھی ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے تھے، عبدالرشید نے جب ڈائمنڈ رنگ نیلی کی مخروطی انگلی میں پہنائی تو وہ خوشی سے اچھل پڑی۔

''واؤ بہت خوبصورت ہے یہ۔'' نیلی کی سریلی مترنم آواز درختوں کے پتوں سے ٹکرائی عبدالرشید کی سماعتوں میں رس گھول گئی۔

''تم سے کم خوبصورت ہے۔'' عبدالرشید نیلی کی نیلگوں جھیل سی آنکھوں کا دیوانہ تھا انہی آنکھوں نے تو اسے اسیر کیا تھا، اسی وقت دونوں

کی نظر درخت پر مختلف جگہوں پر لٹکتے، بھڑوں کے چھتے پر پڑی، نیلی خوفزدہ ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیا ہوا؟'' عبد الرشید نیلی کے خوفزدہ چہرے کو دیکھ کر گھبرا گیا تھا۔

''عبدالرشید بھڑ!'' نیلی سہم کر بولی۔

''تو پھر کیا ہوا، کچھ نہیں کہتے۔'' عبدالرشید تو نیلی کے منہ سے اپنا نام سن کر مدہوش سا ہونے لگا تھا۔

''نہیں مجھے جانا ہے یہ کاٹ لیں گے۔'' نیلی اڑتے ہوئے بھڑوں کو دیکھ کر اچھی خاصی خوفزدہ تھی۔

''ابھی دیکھو ان کو پوچھتا ہوں۔'' عبد الرشید جوش سے کھڑا ہوا اور بھڑوں کے چھتے کو چھیڑ بیٹھا پھر جو بھڑوں نے دونوں کو کاٹا، نیلم کی چیخوں سے پورا درخت گونج اٹھا، عبدالرشید چیخا تو نہیں لیکن مارے درد کے اس کے چہرے کے زاویے بگڑ گئے تھے، بھڑوں نے عبد الرشید کو خوب چوما چاٹا تھا، وہ دونوں بھی بمشکل درخت سے نیچے اترے تھے، یوں تینوں کی ملاقات کا اینڈ بہت دردناک ہوا تھا۔

☆☆☆

بھولا کچن میں افطاری کی تیاری میں مگن تھا، علی اس وقت سو رہا تھا، بھولا جانتا تھا تینوں شہزادے اپنی اپنی شہزادیوں سے ملاقات کرنے درختوں پر گئے تھے، کاش کوئی چوتھا درخت بھی ہوتا، وہ نوری کو بھی بلا لیتا، لیکن اس کی ایسی قسمت کہاں، وہ جلا بھنا پکوڑوں کا آمیزہ بنا رہا تھا، اچانک تینوں درختوں سے دلخراش چیخیں بلند ہوئیں، بھولا کچن میں کام چھوڑ کر درختوں کی جانب بھاگا، نہ جانے کیا ہوا تھا، چیخوں کی آواز بدستور جاری تھی، صد شکر یہ سوسائٹی تھی جہاں لوگوں کو ایک دوسرے کے معاملات سے کوئی سروکار نہ ہوتا تھا، اگر ہوتا کوئی گلی محلّہ تو پورا محلّہ وہاں جمع ہو چکا تھا، وہ درختوں کے نیچے کھڑا ہونقوں کی طرح درختوں کو دیکھنے لگا پھر سب درختوں سے تینوں جوڑے روتے کرلاتے اترے، بھولا سرعت سے ان کی جانب بڑھا۔

''کیا ہوا آپ لوگوں کو، کیوں چیخ رہے تھے، کیا لوگوں کو بتانا تھا ہم یہاں ملاقات کرتے ہیں، شکر کریں گرمی کے باعث لوگ اپنے گھروں میں اے سی چلا کر کمرے بند کر کے بیٹھے ہیں، وگرنہ اچھی خاصی مٹی پلید ہو جاتی۔'' بھولا شروع ہو گیا تھا۔

''تم تو اپنی چونچ بند کرو۔'' عبد الکریم مارے تکلیف کے سلگ اٹھا تھا، سجل، ماہا اور نیلم کا تو برا حال تھا تکلیف سے۔

''ان کم بختوں نے پہلے تو کبھی نہیں کاٹا تھا آج تو چہرے، بازؤں کا برا حال کر دیا ہے۔'' ماہا پھر رو پڑی تھی، عبدالرحیم کیا دلاسہ دیتا، اس کا بھی برا حال تھا۔

ان تینوں جوڑوں کا بھڑوں نے وہ حال کیا تھا، کہ کل تک ان کا حال بدحال ہو جانا تھا، یہ ان کو یقین تھا اور انہیں اب احساس ہوا تھا، انہیں یہ سزا ملی تھی۔

''رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں فضول میں ملاقات کرنے کی کیا تک تھی بھلا۔'' معاملہ سلجھ چکا تھا چاند رات ان کا نکاح ہونا تھا، پھر یہ ملاقات، سزا تو ملنی تھی، وہ تینوں منہ چھپاتی بمشکل دیوار پھلانگ گئیں، وہ تینوں شہزادے ملاقات کی یادگار درد لئے اپنے کمرے میں چلے گئے، اب انہیں شدت سے دعا کرنی تھی، یا تو ان کے منہ، ہاتھ پاؤں نہ سوجیں یا چاند رات تیسویں روزے کو ہر جائے، لیکن ان کی کوئی دعا پوری نہ

ہوئی تھی، چاند رات انتیسویں روزے کے بعد تھی اور ان کے منہ، ہاتھ، پاؤں سوج کر کپا ہو چکے تھے اور اب وہ منہ چھپاتے پھر رہے تھے، ڈاکٹر کی دی جانے والی میڈیسن سے بھی افاقہ ہوا تھا، منہ سوجے کے سوجے ہی رہے تھے۔

☆☆☆

انتیسویں روزے کی افطاری سجل، ماہا اور نیلم کو کمرے میں منگوا کر کرنی پڑی تھی، ان کی مائیں اتنی مصروف تھیں کہ ایک دفعہ بھی ان کے کمرے میں قدم نہ رکھا تھا، وہ تینوں سوجے ہوئے ہاتھوں، پاؤں اور چہروں کے ساتھ کمرے میں منہ چھپائے بیٹھی زور و شور سے دعا مانگ رہی تھیں، اگر آج چاند رات ہو جاتی تو ان کے پھولے منہ کارٹون لگتے، میک اپ وہ کہاں کرتیں چہرے کا حدود اربعہ عجیب ہو چکا تھا، افطاری کے وقت تینوں نے گڑگڑا کر دعا کی تھی، لیکن ہر دعا قبول ہونے کے لئے نہیں ہوتی، جونہی نوری نے ان کو چاند نظر آنے کی اطلاع دی، وہ تینوں اپنا دل تھام کر رہ گئیں۔

''اب کیا ہو گا۔'' کوئی میڈیسن بھی نہ لے سکی تھیں، نوری کھلکھلا کر ہنس پڑی، نوری کو کھلکھلاتے دیکھ کر وہ تینوں اس کو مزہ چکھانے اس کی طرف لپکیں، نوری ایک ہی جست میں باہر تھی، وہ تینوں دوبارہ خود کو آئینے میں دیکھنے لگیں، کہ شاید کوئی گنجائش نکلتی ہو، خوبصورت لگنے کی، ملاقات خاصی منحوس ثابت ہوئی تھی ان کے لئے۔

''یہ تم تینوں کو کیا ہوا۔'' جمیلہ بیگم نے پریشانی سے استفسار کیا، وہ تینوں کو تیار ہونے کا کہنے آئی تھیں، لیکن تینوں کے پھول کر کپا بنے چہرے دیکھ کر دل تھام لیا تھا۔

''وہ جی صاحب لوگوں کے بستر میں بھڑ

شگفتہ شگفتہ رواں دواں

ابن انشا کے سفر نامے

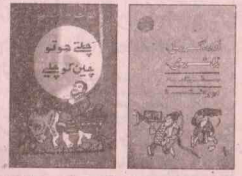

آج ہی اپنے قریبی بک سٹال یا براہ راست ہم سے طلب فرمائیں

لاہور اکیڈمی

پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

فون: 042-37310797, 042-37321690

گس آئے تھے، پھر جو انہوں نے چوما چاٹا اور ان کا یہ حال کر دیا۔" بھولے نے بوتل کے جن کی طرح حاضر ہو کر تینوں کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا، تینوں نے کھا جانے والی نگاہوں سے بھولے کا ہنستا مسکراتا چہرہ دیکھا تھا، بجیلہ بیگم نے بھولے کو گھور کر دیکھا تھا۔

"تم نے ان کا بیڈ نہیں جھاڑا تھا، تم نے یہ کوتاہی کیوں کی بھولے، آج ان کا نکاح ہے، نکاح ملتوی نہیں کیا جا سکتا، سب مہمانوں کو مدعو کیا جا چکا ہے، انتظامات مکمل ہیں، وہ لوگ فون پر فون کر رہے ہیں اور یہ تینوں تیار ہی نہیں ہوئے۔" بجیلہ بیگم کا پریشانی سے برا حال تھا، ملک سجاد تو رانا اکبر اور رانا اصغر سے اب ایک لمحے کے لئے جدا نہ ہوتے تھے، تقریب کا انتظام رانا اکبر اور رانا اکبر نے گھر میں ہی وسیع و عریض لان میں کر رکھا تھا، ملک سجاد ان کے ساتھ مہمانوں کو ریسیو کر رہے تھے۔

"فکر نہ کریں بیگم صاحبہ، صاحب لوگوں کے سر پر سہرا لگا کر لے جائیں، سہرا مت اٹھایئے گا۔" بھولے نے تجویز پیش کی۔

"اب کرنا تو ایسے ہی پڑے گا، لیکن بھولے تجھے تو میں نہیں چھوڑوں گی، سب تمہاری غلطی ہے، اب جاؤ سہرے لے کر آؤ اور ہاں تمہاری سزا یہ ہے کہ تمہاری شادی اگلے سال عید الفطر کے بعد ہو گی۔" بھولے کے سر پر غم کا بم پھوڑ کر بجیلہ بیگم کمرے سے چلی گئیں انہیں اور انتظامات بھی دیکھنے تھے، وہ چلی گئیں تو بھولا پھوں پھوں کرتا تینوں کو دیکھنے لگا، پھر پیر پٹختے ان کے لئے سہرے لینے کے لئے کمرے سے نکل گیا۔

☆☆☆

"تم تینوں تیار نہیں ہوئیں، کب سے نوری کہہ کر گئی ہے، پارلر والی لڑکی کو بھی تم نے بھیج دیا کہ ہم خود میک اپ کر لیں گی۔" دردانہ بیگم اور سونیا بیگم نے اکٹھا دھاوا بولا تھا، سجل، ماہا اور نیلم شاندار لباس تو پہن چکی تھی، لیکن چہرے پر میک اپ کیسے کرتیں، کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا، آنکھیں کہاں ہیں، ناک کہاں ہے اور ہونٹوں کا حدود اربعہ کتنا ہو سکتا ہے، وہ تینوں چہرہ جھکائے بیٹھی اس لمحے کو کوس رہی تھیں۔

"کیا ضرورت تھی رمضان المبارک کے مہینے میں ملاقات کرنے کی۔" اللہ نے ملن لکھ رکھا تھا ان کا، اگر ان کو دعاؤں پر بھروسہ تھا تو اپنا عمل بھی ٹھیک رکھتیں۔

"اپنے عمل سے اللہ کو اتنا ناراض کیا کہ اللہ نے بھڑوں کے ہاتھوں انہیں تماشا بنا دیا۔" کل سے وہ توبہ استغفار کر رہی تھیں۔

"آخر اتنی خاموش کیوں ہو۔" دردانہ بیگم تینوں کی خاموشی سر پریشان ہو اٹھیں۔

"چہرے اوپر کرو۔" سونیا بیگم نے انہونی کا احساس کرتے ہوئے حکم صادر کیا، تینوں نے چہرے اوپر کیے، تو دردانہ بیگم اور سونیا بیگم کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

"کیا ہوا تم تینوں کو چہروں کو۔" دونوں بیک وقت چلا اٹھیں، مہمان آ چکے تھے۔

"سزا ملی ہے۔" وہ تینوں ایک ساتھ بڑبڑائیں، لیکن ان کی بڑبڑاہٹ ان کی ماؤں کی سماعت تک نہ پہنچی تھی۔

"وہ جی یہ تینوں کل پچھلے لان میں واک کرنے گئی تھیں، تو درختوں پر لگے بھڑوں کے چھتوں کو چھیڑ بیٹھیں، پھر جو حال ہوا وہ آپ کے سامنے ہے۔" نوری جھٹ ان کی مدد کو آئی۔

"تو کم بخت کل بتانا تھا نا، نکاح کی تاریخ آگے کر لیتے، اب ان شکلوں کے ساتھ تم تینوں کو سٹیج پہ کیسے لے جائیں گے۔" دردانہ بیگم رو دینے

والی ہو گئیں۔

"ہمارا خیال تھا ہمارے چہروں پر سوجن نہیں ہو گی۔" وہ تینوں ایک ساتھ منمنائیں۔

"تو پھر اب کیا ہو گا۔" دونوں ماؤں کے بال نوچنے کی کسر باقی رہ گئی تھی۔

"کیا ضرورت تھی لان میں واک کرنے کی۔" سونیا بیگم غضبناک ہو کر چلائیں۔

"اور کیا ضرورت تھی بھڑوں کے چھتے کو چھیڑنے کی۔" دردانہ بیگم دھاڑیں۔

"اب میک اپ تو ہو نہیں سکتا، دوپٹے سے لمبا سا گھونگھٹ نکال لینا اور خبردار اپنا گھونگھٹ اٹھایا تو، مصیبت ڈال دی بیٹھے بٹھائے، ہمیں بتا دیتیں، کوئی میڈیسن لا دیتیں، کم از کم یہ سوجن تو نہ ہوتی۔" دردانہ بیگم کا بس نہ چل رہا تھا، تینوں کی درگت بنا ڈالیں، بجیلہ بیگم اور ملک سجاد پہنچنے والے تھے، وہ تینوں غصیلی نگاہ کے تیر تینوں پر پھینک کر کمرے سے چلی گئیں۔

☆☆☆

اسٹیج بہت شاندار سجائے گئے تھے، مہمان اِدھر اُدھر گھوم پھر رہے تھے، عبدالکریم، عبدالرحیم اور عبدالرشید کو اپنا آپ خاصا چغد محسوس ہو رہا تھا، وہ تینوں سر پر سہرے سجائے بیٹھے تھے، مہمانوں کی حیرت میں ڈوبی چہ میگوئیاں ان کی سماعتوں میں پڑتیں تو ان کا دل جل جل کر خاک ہو جاتا، اتنے خوبصورت، ہینڈسم شہزادے تھے وہ تینوں، اب پکے دیہاتی بنے بیٹھے تھے۔

"ہائے ری قسمت کیا کیا نہ خواب دیکھے تھے اس لمحے کے۔" بجیلہ بیگم اور ملک سجاد الگ شرمندہ شرمندہ سے مہمانوں کو تاویلیں پیش کر رہے تھے، کہ لڑکوں کو شوق تھا سہرا سجانے کا، تو ان کی ماننی پڑی، سہروں کے اندر دلہے اپنے اپنے موبائل پر بھولے کی شامت لائے ہوئے تھے، وہ انہیں پل پل کی صورتحال سے آگاہ کر رہا تھا، دردانہ بیگم اور سونیا بیگم جب دلہنوؤں سے ملنے آئیں تو ان کے سروں پر سجے سہرے دیکھ کر دونوں نے سہرے اٹھا کر جب تینوں کے چہرے دیکھے تو پل میں معاملہ سمجھ گئیں، رانا اکبر اور رانا اصغر کو دردانہ بیگم اور سونیا بیگم تینوں لڑکیوں کے چہروں پر بھڑوں کے کاٹنے کا بتا چکی تھیں، ملک سجاد نے بھی رانا اکبر اور رانا اصغر کو لڑکوں کو بھڑوں کے کاٹنے کا بتا دیا تھا، بجیلہ بیگم کو دردانہ بیگم صورتحال سے آگاہ کر چکی تھیں، سو دونوں گھرانوں کے مرد حضرات اور خواتین ایک دوسرے کے ساتھ بھرپور تعاون کرتے ہوئے مہمانوں کو مطمئن کر رہے تھے، نکاح کے بعد سجل کو عبدالکریم کے، ماہا کو عبدالرحیم کے پہلو میں اور نیلم کو عبدالرشید کے پہلو میں بٹھا دیا گیا، تینوں اسٹیج تھے تو الگ الگ لیکن تینوں کو ایک دوسرے

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیے

ابن انشاء

☆ اردو کی آخری کتاب ....

☆ خمار گندم ....

☆ دنیا گول ہے ....

☆ آوارہ گرد کی ڈائری ....

☆ ابن بطوطہ کے تعاقب میں ....

☆ چلتے ہو تو چین کو چلیے ....

لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور

فون نمبرز 7321690-7310797

کے ساتھ جوڑ دیا گیا تھا، دلہنوں کے لمبے گھونگھٹ سینوں کو چھو رہے تھے۔

"بھئی یہ تو ماڈرن دور ہے، اس دور میں سہرا اور گھونگھٹ، عجیب بات ہے، دلہا دلہن کو پردہ کروا دیا۔"

دلہوں اور دلہنوں کے فوٹو شوٹ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، عبدالکریم نے ذرا سا سہرا کھسکا کر سجل کا گھونگھٹ اٹھا کر سجل کو دیکھا تو منہ سے قہقہے کا طوفان امڈ آیا، سجل نے خونخوار نگاہوں سے اس پھولے کپے چاند کو دیکھا جو اس کے گھر کے آنگن میں اس کے وجود کو روشنی بخشنے اترا تھا، سجل کوئی عجیب سی مخلوق لگ رہی تھی، عبدالکریم کے قہقہے تھمنے کا نام نہ لے رہے تھے، سب مہمان اور گھر کے افراد ان کی جانب متوجہ ہو گئے، عبد الرحیم اور عبدالرشید نے جب عبدالکریم کو بے تحاشا قہقہے لگاتے سنا تو بنا سوچے سمجھے اپنے سہرے الٹ کر عبدالکریم کو دیکھا عین اسی وقت ماہا اور نیلم اپنے چہروں کی حالت بھول کر قہقہوں کی وجہ جاننے کے لئے گھونگھٹ الٹا گئیں، جب عبدالرحیم کی نظر ماہا پر پڑی تو ماہا کا پھولا سوجا ہوا منہ دیکھ کر ہنسی کا طوفان اس کے لبوں سے نکلا، تو ماہا نے زوردار ٹانگ عبدالرحیم کی ٹانگ پر رسید کی، عبدالرحیم کی ہنسی کو بریک لگ گئی، لیکن پھر وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنے لگے۔

"یہ سب لوگ ہنس کیوں رہے ہیں۔" سجل کے گھونگھٹ سے دانت پیستی آواز برآمد ہوئی، عبدالکریم نے سہرا الٹ دیا سب کو ہنستے انجوائے کرتے دیکھ کر اس نے سجل کا گھونگھٹ بھی الٹا دیا، سجل پہلے پہل تو عبدالکریم کو گھورتی رہی، پھر سب کے نارمل موڈ دیکھ کر خود بھی نارمل ہو گئی، سب تینوں جوڑے اپنے نکاح کی تقریب کو انجوائے کر رہے تھے، رانا اکبر، رانا اصغر اور ملک سجاد بھی ساتھ کھڑے اپنے بچوں کو دیکھ کر پرسکون انداز میں مسکرا رہے تھے۔

"آج چاند رات ہے، لگ رہے ہیں نا ہم تینوں بھائی چاند۔" عبدالکریم سجل، ماہا اور نیلم کو مخاطب کرتے ہوئے شوخ ہوا، عبدالکریم نے تینوں بھائیوں کے پھولے چہروں کو چاند سے تشبیہ دی تھی۔

"چاند صاحبان ذرا دوبارہ مسکرا کر دکھائیں۔" سجل نے تینوں چاندوں کو چڑایا، سجل، ماہا اور نیلم اب اپنے سوجے ہوئے چہروں کے ساتھ پراعتماد تھیں۔

"ہماری کپیاں مسکرا رہی ہیں، تو ہم بھی مسکرا رہے ہیں اور ہمیں مسکراتا دیکھ کر ہلال عید بھی مسکرایا ہے۔" عبدالرشید نے اپنے سوجے ہوئے ہونٹ مسکراہٹ کے انداز میں پھیلانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا، تو تینوں دلہنیں مسکرا اٹھیں، ہر چہرے پر مسکراہٹ اور شادمانی محو رقصاں تھی، ان کے نکاح کی تقریب یادگار بن گئی تھی، تینوں پھولے ہوئے چاند اپنی تینوں بھولی ہوئی کپیوں کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے، آسمان پر چمکتے چراغوں نے مسکرا کر ان محبت کرنے والوں کا ملن دیکھا تھا اور اپنی جگمگاہٹیں بڑھا دی تھیں، آسمان سے زمین تک خوشیاں محو رقص تھیں، وہ سب بے حد شاد تھے، کیونکہ ہلال عید ان کے لئے ملن کا پیغام لایا تھا اور مسکراتے ہوئے ہر طرف مسکراہٹیں بانٹ گیا تھا۔

☆☆☆

اک تیری چاہت

ثنا کنول

محبت برجنوں کے دامن سے پھوٹنے والے جھرنے کی طرح اپنی سمت اور راستہ خود بنا لیتی ہے، کسی نے کہا تھا تو ٹھیک ہی کہا تھا، محبت نے اپنی راہیں نکال لیں تھیں، یہ چور راستے نہیں تھے، یہ صاف منزل اور صاف راستہ تھا۔

پھر الجھاؤ کہاں سے آیا؟

روکاوٹیں کہاں سے آئیں؟

اپنی بھیرہ اسود کے کالے پانیوں جیسی آنکھوں کو رگڑتی وہ گہرے غم میں مبتلا تھی، غم، غم محبت تھا محبت بھی وہ جواب اس کے وجود کا حصہ بن چکی تھی نجانے کب سے اس کی رگوں میں خون کی صورت دوڑتی اسے زندہ رکھے ہوئے تھی۔

وہ ہار گئی تھی محبت کے سامنے اس نے گھٹنے ٹیک دیئے تھے اور اپنا سر محبت کے قدموں میں جھکا دیا تھا، وہ عشق کی دیوی کے چرنوں میں بیٹھ گئی تھی اور محبت کے وجدانی گیتوں پر سر دھن رہی تھی، وہ تکبر سے محبت کو ٹھڈا مار کے جانے سے ڈر گئی تھی، نجانے کب سے وہ اسے بھاگتی رہتی تھی اور پھر بلا آخر میں سال بعد اس نے اپنی محبت کے سامنے ہار مان لی تھی وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ محبت اسے کیا دے گی۔

جانے ہار ملتی یا جیت؟

جانے ذلت ملتی یا عزت؟

جانے محبت ملتی یا نفرت؟

یا پھر تمام عمر کی تنہائی دکھوں کی یاری یا پھر آنسوؤں کا تحفہ؟

وہ کچھ بھی نہیں جانتی تھی یا پھر شاید سب کچھ جاننے کے باوجود انجان بن رہی تھی کیونکہ بعض باتیں وہی ہوتی ہیں جن سے آپ نا چاہتے ہوئے بھی انجان بن جاتے ہیں وہ بھی انجان بن گئی تھی محبت کے ہر درد سے عشق کی ہر تڑپ سے،

یاد تھا تو صرف اتنا کہ یوں لگتا تھا، بڑے قد کے پام سے لے کر لان کا ایک ایک بوٹا اس کے ساتھ مسرور تھا اور چاہت کا دعائیہ کلمہ پڑھتا تھا، اس نے آنکھیں بند کر کے دھیمے سروں سے کلام کی اٹھان لی تھی۔

پل صراط ایہہ عشق دا پینڈا
بیٹا ہوئے جے شاہ عنایت اگے
بلھا لا کے ہار سنگھار نچے
پتھر پگھل کے کیوں نہ موم ہوون
جدوں یار دے سامنے یار نچے

وہ اپنے کرب کو اندر دھکیلنے کی اک ناکام سی کوشش کر رہی تھی اس کے گلے میں جیسے کوئی گولا اٹھکنے لگا تھا۔

ہووے تال تے تال تے ناچ ہوندا
اوتار کہاندا جیہڑا بے تال نچے
شامی اک آگے بلھے نچدا سی
اگے بلھے دے کئی ہزار نچے

وہ اونچی آواز میں رونے لگی بیس سال پرانا عشق آنسوؤں کی صورت نکل رہا تھا لیکن اس کے آنسو؟ ہاں ان مدھ بھرے کٹوروں میں آنسو نہیں تھے، بلکہ وہاں جمے ہوئے لہو کے چھینٹے تھے، وہ ایک ہیجانی غم میں دلوں کو چیر دینے والی آواز میں گاتی سب کو مدہوش کر گئی تھی۔

اس کی سانس بند ہو رہی تھی اس کے سینے کا فطری چڑھاؤ معدوم ہو رہا تھا وہ سر رہی تھی یا پھر مر گئی تھی محبت نے اسے مار دیا تھا آخر محبت جو تھی۔

☆☆☆

ظہران کا آسمان رو رہا تھا، سرخ آندھی ریگ رواں کو اڑاتی پھر رہی تھی، آسمان سرمئی سے گہرے اسودی رنگ میں بدل گیا تھا۔

وہ نڈھال سی کھڑی تھی جیسے برسوں کی

مسافت سے کر آئی ہو چہرے پہ گہرے دکھ کے بادل چھائے ہوئے تھے محبت کے دکھ۔

"مکی شاہ، کتنے دنوں بعد آئی ہو، تمہیں ایک پل یاد نہیں آئی۔" انداز میں تڑپ ہی تڑپ تھی اسے اتنے دن دور رہنے کی جو سائیکل کو درخت کے سائے میں کھڑا کر تا اپر رومال سے چہرے پہ آئے ننھے ننھے پسینے کے قطروں کو صاف کرتا کہہ رہا تھا۔

"تمہیں کتنی بار کہا ہے مجھے مکی شاہ مت بلایا کرو میں مکی ہوں صرف مکی۔"

"ہوں تو سید زادے نا، پتہ ہے میں آج بھی حیران ہوتی ہوں ہماری دوستی پر۔" وہ محبت سے کہتے ہوئے رک گئی تھی جیسے ڈر گئی ہو اپنے اندر پلتی محبت سے۔

"کیوں؟" سوالیہ انداز میں دیکھتا وہ برگد کے پیڑ سے ٹیک لگا چکا تھا اب چہرے پہ سکون ہی سکون تھا اور آنکھوں میں چمکتی محبت بالکل رات کے اندھیرے میں جگنو کے چمکنے جیسی پاک شفاف جسے چھپانے کو چہرے پہ سنجیدگی طاری تھی بھلا محبت بھی چھپا کرتی ہے، وہ سوچ کر مسکرائی پھر اس کے قریب دھپ سے جا بیٹھی، ہاتھوں کو چوڑیاں ایکدم بج کر مکی کو بے بس کر گئیں تھیں۔

"تم اک سید زادے ہو اور میں ایک....."

ابتا کہتے ہی اس کی آنکھوں میں لالی سی اتر آئی تھی ان آنکھوں میں آنسو نہیں تھے بلکہ لہو کے فوارے پھوٹتے تھے۔

"اتنا کیوں سوچتی ہو پگلی لڑکی۔"

"محبت سوچنے پہ مجبور کرتی ہے شاہ میں بے بس ہو جاتی ہوں خود کو لاکھ روکتی ہوں سمجھاتی ہوں مگر شاہ خدا تمہاری سنتا ہے تو میری کیوں نہیں؟ میں اسے تمہیں مانگ لینا چاہتی ہوں کیا وہ تمہیں مجھے نہیں دے سکتا۔"

آنکھوں کی لالی اب مزید گہری ہو گئی تھی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"تمہارے یہ ہی سوال مجھے بے بس کر دیتے ہیں نگار۔" دل کرچی کی سے کہتا وہ اب جانے لگا تھا بے اختیار تڑپ کر راستہ روکا تھا، پر وہ روکا نہیں تھا جانے والے بھلا کب رکا کرتے ہیں لاکھ رونے پر گڑگڑانے پر وہ چلے جانے میں وہ بھی چلا گیا تھا۔

دفعتاً بادل گرجے آسمان سیاہ اور تاریک ہوتا جا رہا تھا اور پھر اگلے ہی پل برستی بارش میں وہ چاندنی رات جیسی لڑکی رو رہی تھی قطرہ قطرہ۔

محبت مار دیتی ہے محبت مار رہی تھی لمحہ بہ لمحہ پل پل چاندنی رات نے آسمان پر دھوم مچا رکھی تھی رات کی تاریکی اپنے جوبن پر تھی اور وہ بغیر کسی گرم کپڑے کے مسجد کے دروازے میں بیٹھی دعا کر رہی تھی فریاد کرتی وہ محبت کی بھکارن بنی ہوئی تھی کتنا عجیب سوال تھا اس کا۔

ایک گانے والی ایک سید زادے کا ساتھ طالب کر رہی تھی حیرت ہی حیرت تھی مسجد کے در و دیوار حیران تھے اس کے سوال پر چاند رو کر بادلوں کی اوٹ میں جا چھپا تھا۔

"اے اللہ! مجھے شاہ دے دے اسے میرا کر دے میں نے آج تک تجھ سے کچھ نہیں مانگا پر آج مانگتی ہوں اے میرے مالک شاہ کی محبت کو میرا مقدر فرما۔" ہاتھ بلند کیے اللہ کے سامنے روتی گڑگڑاتی وہ محبت کی فریادی بنی کھڑی تھی تبی مسجد سے نکلتے مولوی نے بے اختیار اسے دھکا دے کر مسجد کے دروازے سے دور کیا تھا۔

"بدبخت گانے والی میراثن، کمبخت دور ہو جا اس پاک جگہ سے۔" امام صاحب چیخے تھے وہ بھاگ کر دوبارہ مسجد کے دروازے کو جا چھوئی۔

"نہیں، میں نہیں جاؤں گی آج میں اللہ

سے اسے مانگ کر ہی جاؤں گی وہ ضرور مجھے عطا کر دے گا نہیں میں نہیں جاؤں گی۔" دیوانوں کے جیسے کہتی وہ مسجد کے دروازے کو پکڑے جنونی ہو رہی تھی، ٹھڈا اس کے منہ پر پڑا تھا اور لہو کی پھوار نکلی تھی۔

"تو گنہگار ہے، بد بخت ہے نکل جا یہاں سے بے غیرت۔" وہ جس کے در پہ آئی تھی اس نے اسے نہیں نکالا تھا بلکہ اس کے گنہگار بندے اسے نکال رہے تھے وہ دوبارہ دور جا گھڑی تھی۔

وہ اب اسے ٹھڈے مار رہے تھے کف اڑا رہے تھے اور وہ ان کے قدموں میں گری مسجد کے دروازے کو دیکھ رہی تھی لبوں پہ وہی دعا تھی محبوب کو پالینے کی دعا عشق کے حاصل کی دعا۔

"تو میراثن ہے یہاں پر تیری کوئی جگہ نہیں جا نکل جا یہاں سے۔" وہ چلائے تھے۔

"یا اللہ سید کو میرا کر دے اسے میرا کر دے۔" وہ ننگے پیر ریت پر اب اٹھ کر بھاگنے لگی تھی گرم ریت آبلہ پائی کا سفر، آگ اگلتا سورج، صحرا اور اندھا دھند بھاگتی محبت کی داسی، وہ اونچی آواز میں دعا کرتی رہی اور آسمان روتا رہا پوری رات۔

☆☆☆

"تجھے کیا ہوا نگار۔" پاس سے گزارتی دل رک گئی تھی ٹھٹک کر حیرت زدہ سی بس اس کے چہرے پہ درج ویرانی دیکھتی۔

"مرض عشق۔" وہ بڑبڑائی۔

"یہ تجھے تباہ کر دے گا نگار۔"

"سمجھایا تھا۔" جیسے وہ آنکھوں میں لالی لئے بولی۔

"اس نے مجھے تباہ کر دیا، یہ عشق تباہ کیوں کرتا ہے دل۔" سوال کیا تھا دل ایکدم دکھ سے بولی۔

"دل سے جڑا ہر رشتہ دکھ دیتا ہے نگار بچپن میں دادی کہا کرتی تھی کیونکہ اس دل میں خدا رہتا ہے اب اس کی جگہ کسی اشرف المخلوقات کو دیں گے تو دکھ درد تو ہی مقدر بنے گا۔"

"اگر میرے دل میں خدا رہتا ہے تو وہ سید کو میرا کیوں نہیں کر دیتا۔"

"کیونکہ تم میراثن ہو نگار ایک گانے والی جس نے میراثی کے گھر جنم لیا جس کی پیدائش پر ہی اس کی ماں مرگئی تب تجھے نانی نے پالا تجھے سید سے کب محبت ہوئی۔" سوال پر وہ اٹھی اور کھڑکی میں آن کھڑی ہوئی لڑکھڑاتی گرتی پڑتی چوٹیں ابھی تازی جو تھیں۔

"بچپن سے شاید تب جب نانی ان کے گھر کام کرنے جاتی تھی اور میں بھی ساتھ جاتی تھی، لان میں، میں اور سید سارا دن کھیلتے رہتے، مجھے چوٹ لگتی تو وہ دکھی ہوتا اور جب اسے چوٹ لگتی تو میں رونے بیٹھ جاتی یا پھر تب جب وہ میرے لئے کھلونے لاتا تھا پتہ نہیں کب اس کی محبت میرے دل میں آ بیٹھی مجھے پتہ ہی نہیں چلا۔" بے بسی سے کہہ کر آنکھیں موند لیں تھیں، اس کی آنکھوں میں اب سرخی گھلنے لگی تھی۔

بے بسی اور لاچاری کی تصویر بنی وہ آج دوبارہ مسجد کے دروازے پر کھڑی تھی ہاتھ بلند کیے خدا سے سید کو مانگتی قطرہ قطرہ روتے روتے اب اسے ڈیڑھ سال ہو چکے تھے امام صاحب اسے کبھی نفرت ترحم اور کبھی ہمدردی سے دیکھ کر گزر جاتے تھے آج اسے روتا دیکھا تو نرمی سے بولے۔

"اندر آ جاؤ۔"

"یہ تو اللہ کا پاک گھر ہے نا امام صاحب اندر جا کر میں، میں تو اس کے سوا سب کچھ بھول جاؤں گی اور میرا دل نہیں مانتا کہ میں خدا کے گھر میں کسی انسان کی طلب کروں۔" وہ ساکت رہ گئے پھر مڑ کر جاتی نگا سے بولے۔

"اگر اس پاک رب سے اتنی محبت کرتی ہو تو کسی انسان کو کیوں مانگتی ہو، اس رب کی محبت مانگ کر دیکھو سید تو کیا خود تک کو بھول جاؤ گی۔"

"کیا پاک رب کی محبت مجھے ملے گی؟"

"کیوں نہیں۔" وہ مسکرائے اور اس کی اگلی بات پر ساکت رہ گئے۔

"جب ایک میراثن کو خود خدا مل سکتا ہے تو سید کیوں نہیں۔"

"تجھے خدا کی محبت چاہیے یا سید کی؟" اس کے سوال کیا تھا انہوں نے وہ مڑی تو آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے اور آواز شدت غم سے کپکپا رہی تھی۔

"میں اس قابل کہاں کہ مجھے خدا کی محبت ملے۔"

"ہر انسان خود کو ہی کسی نہ کسی قابل بناتا ہے، تم دل میں اسے بسا لو تو وہ تمہیں ہر جگہ بسا دے گا تم اس کا کام کرو یعنی عبادت وہ تمہارا کام کرے گا یعنی وہ تمہاری ہر مشکل اور پریشانی کو دور کر دے گا، لیکن یاد رکھنا کہ عبادت صرف خدا کی رضا کے لئے کرو تا کہ وہ تم سے راضی ہو کر تم پر اپنا کرم کرے، وہ محبت جو انسان کو خدا سے دور کر دے وہ محبت نہیں شر ہے اور جو محبت انسان کو خدا کے قریب کر دے وہ خیر ہے۔"

"کہتے ہیں نا کہ، وقت ہر تصویر کو بدل دیتا ہے وقت ایک کورا صفحہ ہے، جس کے کونے شدت سے مٹ جاتے ہیں اور اسے شکستہ کر دیتے ہیں ہمیں چاہیے کہ وقت کا صفحہ الٹ دیں اور نئے صفحے پر زندگی کے تجربات رقم کریں: اسے اپنی زندگی بھی ایک شکستہ صفحے پر ٹھہری ہوئی محسوس ہوتی تھی جہاں پر ہر طرف ہر جگہ سید بستا تھا اس کا راجہ تھا وہ نکالے نہیں نکلتا تھا زندگی کے بیس سال نگار ایک میراثن نے سید زادے سے محبت کی تھی تب اسے دکھ درد خون رلاتے خوابوں کے سوا کچھ نہیں ملا تھا اور آج بیس سال ایک سید کے پیچھے بھاگنے کے بعد وہ مسجد کے دروازے پر کھڑی سید کے علاوہ خدا کو مانگ رہی تھی۔" آنسو بے قابو ہو کر اس کے خوبصورت چہرے پہ نشان چھوڑ رہے تھے۔

آبلوں سے بھرے پیروں کے تلوے، چھالے جگہ جگہ سے پھٹ گئے تھے زخم گہرے تھے اور ان میں سے خون رستا تھا اسے لگا آج بیس سال بعد وہ صحیح جگہ پر پہنچی تھی، وہ کہنا چاہتی تھی کہ اے اللہ ہمیشہ کی طرح سید کو میرا مقدر فرما اس کی محبت مجھے زندگی کی بھیک کی طرح دے دے پھر چاہے وہ آخری پل ہو مگر وہ کہہ رہی تھی، روتے دل کپکپاتے جسم نم ہوتی آنکھوں سے جن میں لالی اتر آئی تھی۔

"اے بندے ایک تیری چاہت ہے اور ایک میری چاہت ہے ہوگا وہی جو میری چاہت ہے پس تو قربان کر دے اسے جو تیری چاہت ہے پھر میں وہ بھی دوں گا جو تیری چاہت ہے اگر تو نے ایسا نہ کیا جو میری چاہت ہے تو میں تھکا دوں گا تجھے اس پر جو تیری چاہت ہے پھر ہوگا وہی جو میری چاہت ہے۔" اللہ تعالیٰ کا فرمان نجانے کب پڑھا اسے یاد آیا تھا پھر نجانے کتنی ہی گرہیں کھلتی چلی گئی اس نے خدا کی چاہت کو چھوڑ کر اپنی چاہت مانگی تو تھکا دی گئی رلا دی گئی اسے سید سے محبت بھی شاید اسی وجہ سے ہوئی تھی کہ اللہ پاک اسے اپنے ہونے کا احساس دلانا چاہتا تھا۔

"اے اللہ! مجھے وہ عطا کر جو تیری چاہت ہے اور مجھے اسے بچا جو میری چاہت ہے کیونکہ وہی سچی اور پاک ہے جو تیری چاہت ہے او

میں خرابی ہے جو میری چاہت ہے مجھے پناہ عطا فرما اسے جو میری چاہت ہے۔'' اس کی ہتھیلیوں پر قطرہ قطرہ آنسو گرتے اسے بلند کر رہے تھے آج وہ مسجد کے اندر بیٹھی خدا اسے اس کی چاہت کا سوال کر رہی تھی دل رو رہا تھا دماغ شور کرتا اور سانس ساکت تھی۔

وہ میراشن سید کے بدلے خدا کی چاہت طلب کر رہی تھی رحمت الٰہی کو جوش آیا تھا یکا یک بارش شروع ہو گئی تھی، دل کو چیر دینے والی بارش دماغ کو مفلوج کرتی یادیں۔

''مجھے تم سے عشق ہے سید زادے۔'' بارش میں کھنکتی آواز اس کی تھی۔

''یہ تمہیں تباہ کر دے گا نگار۔'' بے بسی سے کہتا وہ اپنے بال مٹھی میں لئے بھینچ رہا تھا۔

''تیرے لئے تباہ ہونا قبول ہے سید زادے۔'' عشق کی تڑپ تھی اس کی آواز میں۔

''تجھے کچھ حاصل نہیں ہو گا اس سفر میں نگار۔''

جسے اس نے محبت کی تھی وہی اسے محبت کرنے سے روک رہا تھا باہر بارش تیز سے تیز تر ہو رہی تھی آوازیں بڑھتی اسے بے بس کر رہی تھیں اس نے بے اختیار کانوں پر ہاتھ دکھ کر اپنی آواز نہ سننی چاہی تھی پر سب پر آپ کا اختیار نہیں ہوتا کچھ چیزیں اختیار سے باہر ہوا کرتی ہیں جیسے یہ یادیں۔

''تیرے سوا کچھ چاہیے بھی نہیں۔'' مچل کر کہا تھا وہ اب جانے لگا تھا ہمیشہ کی طرح اس کی باتوں سے بھاگ جانا چاہتا تھا پر وہ آج راستے میں آن کھڑی ہوئی تھی آنکھوں میں محبت کے ہزاروں رنگ لئے جن میں سب سے روشن رنگ سید کی محبت کا تھا۔

اے زندگی جا ڈھونڈ اسے
جو کھو گیا ہے مجھ سے
وہ ملا نہ تو سن
تجھے بھی خدا حافظ

ضروری تو نہیں نگار جیسے محبت کی جائے جسے چاہا جائے وہ آپ کو مل جائے کبھی کبھی بچھڑ جانے کا نام بھی محبت ہوتا ہے۔

وہ کہہ کر آگے بڑھ گیا تھا اور وہ مر گئی تھی نگار کو اس کی محبت نے مار دیا تھا مگر بندہ مرے تو یہ تو اس کا حق ہے نا اس کی ایک کچی ہی سہی قبر ہوتا کہ اس پر ہار پھول چڑھائیں فاتحہ پڑھیں لیکن نہ تو اس کی قبر بنی تھی نہ ہی کسی نے ہار پھول چڑھا کر فاتحہ پڑھی تھی اور ایک میراشن سید کے عشق میں مر گئی۔

☆☆☆

تیز ہوا کے جھونکے اس کے بالوں سے چھیڑ خانی کرتے اسے مزید اداس کر گئے تھے، بیس سال اس نے ایک سید زادے سے محبت کی تھی تو صلے میں صرف درد مقدر ہوا تھا اور جب وہی بیس سال اس نے خدا کی چاہت میں گزارے تو زندگی ایکدم پر سکون ہو کر مسکرا اٹھی تھی نانی مر گئی تو گانے والیاں بھی جیسے مر سی گئی گھر خالی ہو گیا صرف وہی رہ گئی اور خدا کی چاہت، گانا چھوڑ دیا سید زادے کی طالب ختم کر دی بیس سال اور گزر گئے اب اس کا زیادہ وقت عبادت میں گزرتا تھا دل میں سکون ہی سکون تھا خدا کی محبت نے اسے مطمئن کر دیا تھا۔

جوانی بوڑھاپے میں جا بدلی تھی کالے بال اب سفید ہو رہے تھے جن ہاتھوں میں کبھی چوڑیاں کھنکتی تھیں اب وہ خالی تھے ان سب کے باوجود ایک چیز سب سے خاص تھیں اس کے چہرے پر نور کا ہالہ۔

''میں نے کہا تھا ضروری تو نہیں جسے محبت کی جائے وہ مل بھی جائے کبھی کبھی بچھڑ جانے کا نام بھی محبت ہوتا ہے اور بچھڑنے کے بعد بھی ساتھ جوڑنے والی محبت ہی ہوتی ہے۔''

وہ اس کے قریب کھڑا تھا شکست خوردہ سا نڈھال جیسے برسوں کی مسافت طے کر کے آیا ہو اس نے اس کا چہرہ نہیں دیکھا تھا صرف اسے سن رہی تھی خاموش ساکت ششدہ سی۔

تم نے بیس سال مجھ سے محبت کی اور میں چالیس سال تک تمہاری محبت سے بھاگتا رہا صرف یہ سوچ کر کہ میں ایک سید زادہ ہو کر کسی گانے والی سے شادی کر لوں حالانکہ مجھے تو خبر ہی نہیں تھی نجانے کب سے تمہاری محبت میرے دل میں بستی تھی وہ اندر کہیں چھپی ہوئی تھی ضرورت تھی تو صرف اسے ڈھونڈنے کی تلاش کرنے کی اور میں اسی تلاش سے ڈرتا تھا بھاگتا تھا اور چالیس سال بھاگنے کے بعد میں ہار گیا تمہاری محبت جیت گئی، وہ اعتراف کر رہا تھا اور نگار ساکت سی اسے سن رہی تھی چالیس سال کی پر اذیت کے بعد محبت کا اقرار سنا تھا ساکت تو ہونا تھا ہی آخر آج اسے اس کی چاہت جو ملنے والی تھی وہ مزید کہہ رہا تھا۔

اس کا ایقان کہتا تھا، یہ کوئی لمحاتی کیفیت ہر گز نہیں، یہ جذبہ خالص تھا، شفاف تھا، اچھوتا تھا اور ہاں اور دیرپا بھی۔

باہر سرخ پتھروں کی روش بچھی تھی جس کے دائیں بائیں بوٹے قد کے پام ترتیب سے لگے تھے پام کے پتے گیلے تھے کچھ دیر پہلے ہی نگار نے انہیں تازہ تازہ غسل دیا تھا۔

''کیا تم محبت کے اس مجرم کو معاف کرو گی؟'' ظہران پہ پھیلی دھوپ میں اس کا دل پگھل رہا تھا، ملک میں آنے والوں پر تو خروج بھی لگ سکتا ہے لیکن دل میں آنے والوں پہ کبھی بھی خروج نہیں لگتا۔

''میں تو آج بھی وہیں ہوں سید زادے، کیا آج تم ایک گانے والی......''

''تم میری محبت ہو نگار اور محبت کو نہ تو ہم چھوڑ سکتے ہیں اور نہ ہی اسے دور رہ سکتے ہیں اماں سے میں نے بات کر لی کاش میں پہلے کرتا تو شاید چالیس سال بچ جاتے پر جو بھی وقت ہماری قسمت میں لکھا ہوتا ہے وہ ہمیں اس وقت ہی ملتا ہے نہ پہلے نہ ہی دیر سے۔''

محبت چپکے سے ان کے درمیان آن بیٹھی تھی عشق کھلکھلا کر چالیس سال تڑپنے کے بعد ملنے والوں کو دیکھ رہا تھا اور نگار سوچ رہی تھی۔

اس نے اپنی چاہت کو خدا کی چاہت پر قربان کیا تو خدا نے اسے وہ بھی دے دیا جو اس کی چاہت تھی بیشک ہوتا وہی ہے جو خدا کی چاہت ہو، کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے آپ کو محبوب سے ملانے پر بھی اور بچھڑنے پر بھی تبھی انسان کو خدا کی ہی چاہت ہونی چاہیے پھر سب کچھ انسان کا ہو جاتا ہے۔

☆☆☆

اے عشق وضاحت نہ کرنا

شفق افتخار

تیسری قسط

ناولٹ

"کیا بات ہے طیبہ! آپ اس قدر الجھی ہوئی کیوں ہیں، بچوں کو بھی بلاوجہ جھڑک رہی ہیں اور کھانا بھی ٹھیک سے نہیں کھایا۔"

رات کو جب وہ تمام کاموں سے فارغ ہو کر کمرے میں آئیں تو منصور احمد ان کے ہی انتظار میں بیٹھے تھے، انہیں آتا دیکھ کر فوراً ہی پوچھا تھا۔

"آپ کو نہیں پتہ کہ میں کیوں اس قدر الجھی ہوئی ہوں، اب اتنے انجان بھی نہیں ہیں آپ اور بن ایسے رہے ہیں کہ جیسے کچھ جانتے ہی نہیں ہیں۔" وہ چڑ کر کہتے ہوئے بیڈ پہ آن بیٹھی تھیں، جب انسان کا ذہن کسی ایک بات میں اٹکا ہو تو وہ یونہی بات بے بات الجھنے لگتا ہے، چڑچڑا ہو جاتا ہے، جیسے وہ ہو رہی تھیں۔

"اگر میرب یونیورسٹی کے ٹرپ پہ جانا چاہ رہی ہے تو اس میں حرج ہی کیا ہے، طریقے سے بھی سمجھایا جا سکتا ہے، آپ نے تو اس بری طرح سے اس کو ڈانٹ دیا۔" وہ بات کو جان بوجھ کر گھما رہے تھے، طیبہ اچھی طرح جانتی تھیں، لیکن وہ بھی آج سوچ بیٹھیں تھیں کہ دوٹوک بات کر کے ہی اٹھیں گی۔

"ہاں آپ کو تو کسی بات میں کوئی حرج نظر

نہیں آتا ہے، میرب ٹرپ پہ چلی جائے کوئی حرج نہیں ہے، بھائی صاحب میرب کا رشتہ مانگ لیں کوئی حرج نہیں ہے، چاہے آپ کی بھابھی ہماری عزت دو کوڑی کی بھی نہ کریں پھر بھی کیا حرج ہے، آپ کو تو کوئی فرق ہی نہیں پڑتا ہے، ایک میں ہی بے وقوف ہوں، جو سارے زمانے کا درد لیے گھوم رہی ہوں۔"

انہوں نے غصے سے تکیہ اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پٹخا تھا، منصور احمد اچھی طرح سے ان کی کیفیت دیکھ اور سمجھ رہے تھے، مگر بات

صرف اتنی تھی کہ جہانگیر احمد ان کے بڑے بھائی تھے، باپ کی جگہ، انہوں نے اتنے مان سے پہلی دفعہ ایسی کوئی بات کی تھی، کسی خواہش کا اظہار کیا تھا، وہ ان کے منہ پہ فوراً ہی اعتراضات اور انکار کا پتھر نہیں مار سکتے تھے، اس لئے مصلحتاً سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی خاموش تھے، ان کے نزدیک بات اگر اتنی مناسب نہیں تھی تو اتنی غیر مناسب بھی نہیں تھی، مگر طیبہ کچھ بھی کہنے سننے کو تیار نہ تھیں۔

''دیکھیں طیبہ میں آپ کی سب باتیں سمجھ رہا ہوں اور ان سے انکار بھی نہیں کر رہا ہوں، مگر آپ خود سوچیں بڑے بھائی میرے پاس خود چل کر آئے ہیں اور میں ان کے منہ پہ انکار کا پتھر مار کر ان کا مان توڑ دوں، ہر بات کو کرنے کا ایک طریقہ ہوتا ہے اور پھر انہوں نے ایسی کوئی انوکھی یا غیر مناسب بات نہیں کی ہے، سعد دیکھا بھالا بچہ ہے، ہماری ایک ہی بیٹی ہے، اگر نگاہوں کے سامنے رہے گی تو یہ بھی تو اچھی بات ہے نا، پھر میں نے خود بھی معلوم کروایا ہے، سعد اب کافی بدل گیا ہے وہ اپنے مستقبل کی طرف سے کافی سنجیدہ ہوگیا ہے اور باقاعدگی سے آفس بھی جا رہا ہے، تو اس بارے میں سوچنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے نا۔'' انہوں نے نہایت ملائم انداز میں مناسب الفاظ کے ساتھ شریک حیات کو سمجھایا تھا، مگر طیبہ کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ یا تو بات کو سمجھی نہیں تھیں یا پھر سمجھنا نہیں چاہ رہی تھیں۔

''منصور صاحب میرب ہماری ایک ہی بیٹی ہے، اگر آپ باپ ہیں تو میں ماں ہوں، اگر آپ اس کی زندگی کا فیصلہ کرنے کا حق رکھتے ہیں تو اتنا ہی میں بھی رکھتی ہوں اور میں کسی صورت بھی اپنی بیٹی کو ایسے گھر میں نہیں بھیج سکتی ہوں، جہاں اسے پذیرائی نہ ملے اسے دل سے قبول نہ کیا جائے اور میں اچھی طرح سے جانتی ہوں بلکہ مجھے یقین ہے کہ سعیدہ بھابھی ابھی تک اس معاملے سے لاعلم ہیں، ورنہ وہ ہنگامہ مچاتی کہ الامان، ساری زندگی انہوں نے بیٹوں کو اپنے پیروں تلے چھپایا رکھا، اپنے میکے کے گن گاتی رہیں، سسرالی رشتوں کو کبھی کچھ نہیں سمجھا آپ خود ہی بتاتے ہیں کہ بچوں کو دادا اور دادی سے بھی کیسے دور رکھتیں تھیں، شوہر تو کبھی اہمیت نہیں دی تو ان کے فیصلے کو کیسے اہمیت دیں گی، میرب کو وہ بھی دل سے قبول نہیں کریں گی، میرا دل نہیں مانتا ہے، میں اپنی بیٹی کو پوری زندگی داؤ پہ نہیں لگا سکتی ہوں۔''

باتیں ان کی بھی بالکل صحیح تھیں، منصور احمد کو بھولے سے بھی اپنے ماضی کی کوئی ایسی قابل ذکر بات یاد نہیں آئی تھی، جس میں انہوں نے بھاوج کا اچھا رویہ دیکھا ہو اور اب تو میرب کی زندگی کا معاملہ تھا، وہ ان کی اکلوتی بیٹی تھی اور انہیں بے حد عزیز تھی۔

''دیکھیں منصور، بچیوں کے ایسے رشتے آتے رہتے ہیں، ایسے تو میری بہن رابعہ آپا کتنی بار مجھے کہہ چکیں ہیں اپنے فیصل کے لئے پر میرا دل نہیں مانتا ہے اور میرب کی دوست نگین اس کی امی کتنی بار اشارے کنایوں میں پوچھ چکیں ہیں، اب ہر آنے والے اور پوچھنے والے کو ہاں نہیں کر دیتے ہیں، آخر کو پوری زندگی کا معاملہ ہے، کل کے پچھتانے سے بہتر ہے کہ ہم آج سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں۔'' انہوں نے اب کہ اپنا انداز مدھم ہی رکھا تھا، ہر بات زور زبردستی سے منوائی نہیں جاسکتی تھی اور یہ بات طیبہ اچھی طرح جانتی تھیں۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں، لازمی ہے سوچ سمجھ بنا تو کوئی فیصلہ کیا جاسکتا تھا، کیوں نہ ہم ایک بار میرب سے بھی بات کر لیں، دیکھیں

وہ کیا کہتی ہے، آخر کو زندگی تو اس نے ہی گزارنی ہے نا۔'' منصور احمد نے ان کی تائید کر کے سوالیہ انداز میں ان سے پوچھا تھا۔

''آپ کی مرضی ہے، جیسے آپ مناسب سمجھیں۔''

مطلب کہ وہ اب بھی اس رشتے کے لئے مائل تھے، طیبہ کو کم از کم اس لمحے ایسا ہی لگا تھا، اس لئے زیادہ بحث کرنا انہیں مناسب نہیں لگا تھا۔

''اور میرب جو اجازت مانگ رہی ہے ٹرپ پہ جانے کی اس کا کیا کرنا ہے۔'' طیبہ نے تکیہ سیدھا کر کے لیٹتے ہوئے کہا تھا۔

''میں صبح اس سے تفصیل سے بات کروں گا، پھر دیکھتے ہیں۔'' انہوں نے اپنی طرف کا لیمپ آف کر کے طیبہ کو تسلی دی تھی اور خود پلکیں موند کر سونے کی کوشش کرنے لگے تھے، مگر اس رات نیند طیبہ کی آنکھوں سے روٹھی ہی رہی تھی۔

☆☆☆

بالآخر میرب اور نگین کو یونیورسٹی کے ٹرپ پہ جانے کی اجازت مل گئی تھی، یہ کل دس دن کا ٹرپ تھا، جو یونیورسٹی کی طرف سے ارینج کیا گیا تھا، بچیس اسٹوڈنٹس اور پانچ پروفیسرز جس میں دو فی میل اور تین میل ٹیچرز شامل تھے، کل ملا کر یہ تیس افراد پر مشتمل گروپ تھا، جو پاکستان کے خوبصورت شمالی علاقاجات کی سیر کو جا رہا تھا، میرب اور نگین کو اجازت اس شرط پر ملی تھی کہ حیدر ساتھ جا رہا تھا اور اسے امی نے کس طرح سے منایا تھا یہ صرف وہی جانتی تھیں اور میرب کی فیملی کو جب پتہ چلا کہ نگین بھی ساتھ جا رہی ہے اور ساتھ اس کا بھائی بھی، تو وہ بھی مطمئن ہو گئے تھے، طے یہ پایا تھا کہ چونکہ حیدر کو آفس کے کام سے اسلام آباد جانا تھا، تو اس لئے اس نے ان لوگوں کو وہیں اسلام آباد میں جوائن کرنا تھا، ان کا قافلہ ہلا گلا کرتا اسلام آباد پہنچ چکا تھا، وہ دونوں خوش تھیں، بے حد خوش اور سب دوستوں کے ساتھ خوب انجوائے کر رہیں تھیں، سب ہی اسٹوڈنٹس بہت خوش تھے، ٹیچرز بھی ان کی مستیوں پہ انہیں کچھ نہیں کہہ رہے تھے، ان کی بس، بس ٹرینڈل پہ رکی تھی، جہاں سے زارون نے انہیں جوائن کرنا تھا اور میرب کا دل شدت سے اس کا منتظر تھا، حالانکہ وہ جانتی تھی کہ یہ سب لاحاصل تھا، مگر پھر بھی منتظر تھی۔

وہ جانے کے لئے راضی بھی صرف اس لئے ہوئی تھی کیونکہ وہ ساتھ جا رہا تھا، وہ جانتی تھی کہ یہ سب ٹھیک نہیں ہے، وہ اس کی دوست کا بھائی ہے اس کا استاد ہے مگر پھر بھی وہ خود کو روک نہیں پا رہی تھی، دل کو سمجھا نہیں پا رہی تھی، اس کے دل میں دن بدن زارون کے لئے پسندیدگی کے جذبات بڑھ رہے تھے، وہ اس کے سامنے بمشکل ہی اپنی گھبراہٹ اور بوکھلاہٹ پہ قابو پاتی تھی، ہر بار زارون کا سرد رویہ اس کے بڑھتے قدموں کو پیچھے دھکیل دیتا تھا، مگر وہ پھر بھی خود کو آگے بڑھنے سے روک نہیں پا رہی تھی، اسے علم تھا کہ انجان وہ بھی نہیں ہے، وہ اس راہ کا مسافر رہ چکا ہے اور اس کے رنگوں سے اس کی آنکھوں سے اچھی طرح واقف ہے، مگر زاریہ کے بعد اس کے دل پہ ایسا قفل لگا تھا کہ جسے آج تک کوئی کھول نہیں پایا تھا، یہ بات میرب اچھی طرح جانتی تھی، مگر پھر بھی وہ خود کو روک نہیں پا رہی تھی۔

لیکن ایک بات وہ خود کو اچھی طرح باور کرا چکی تھی کہ وہ کبھی بھی اپنے جذبوں کو پامال نہیں ہونے دے گی، رسوا نہیں کرے گی، زارون کے سرد رویے کے سامنے کبھی خود کو ظاہر نہیں کرے گی، وہ کبھی اس کی زندگی میں زاریہ کے مقابلے

میں نہیں آنا چاہتی تھی، وہ اپنی ایک الگ جگہ، الگ مقام بنانا چاہتی تھی، یوں بھی انسان اور اس کے جذبات اتنے ارزاں نہیں ہیں کہ وہ یوں خود کو ڈی گریڈ کرے، میری بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''شکر ہے بھائی آگئے ہیں، مجھے ڈر تھا کہ کہیں ان کا ارادہ نہ بدل گیا ہو۔'' نگین نے بھائی پہ نگاہ پڑتے ہی میرب کے کان میں سرگوشی کی تھی، سراظہر جوان سب کے سینئر تھے وہ اب گاڑی سے اتر کر زارون سے مصافحہ کر رہے تھے۔

''کیوں تمہارے بھائی اپنے ارادوں کے اتنے کچے ہیں کہ، ویسے ان سے کوئی بعید نہیں ہے۔''

میرب بھی اسے سامنے دیکھ کر خود کو ہلکا پھکا محسوس کر رہی تھی، اس کے آ جانے سے ایک عجیب سے تحفظ کا احساس ہوا تھا، نگین کا تو خیر وہ بھائی تھا مگر میرب بھی اسے دیکھ کر کچھ ایسا ہی محسوس کر رہی تھی، مگر اس وقت محض نگین کو تپانے کی خاطر ایسا بولی تھی۔

''بکو مت، ایسے نہیں ہیں میرے بھائی، وہ تو یہاں آنا نہیں چاہ رہے تھے، اس لئے میں نے کہا۔''

نگین نے حسب عادت بھائی کی طرف داری کی تھی، زارون اب باقی لوگوں سے ملتا ان کی طرف ہی آ رہا تھا، ان کے سلام کا جواب دے کر خیر خیریت پوچھ کر وہ پیچھے جا بیٹھا تھا، کیونکہ آگے کی تو ساری سیٹس فل تھیں، پیچھے ایک دو سیٹس خالی تھیں، اس لئے وہ پیچھے جا بیٹھا تھا، بس پل بھر کو ان دونوں کے پاس رکا تھا مگر اس کے مخصوص پرفیوم کی مہک نے ہمیشہ کی طرح میرب کو کتنی ہی دیر تک اپنے حصار میں لئے رکھا تھا، وہ آج بھی بلیو جینز پہ بلیک شرٹ پہنے ہوئے تھا اور اوپر بلیک ہی جیکٹ تھی، کیونکہ یہاں کا موسم قدرے سرد سا تھا، چہرے پہ بھی داڑھی اور آنکھوں پہ بلیک گاگلز لگائے وہ ہمیشہ کی طرح شاندار لگ رہا تھا، قافلہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا، ان سب کے ٹھہرنے کا انتظام مری کے ایک مقامی ریسٹ ہاؤس میں کیا گیا تھا، جہاں پہنچتے پہنچتے انہیں شام ہوگئی تھی، ریزرویشن تو پہلے ہی ہو چکی تھی، مگر کچھ فارمیلیٹیز تھیں جنہیں اس وقت پورا کرنا تھا، جیسے پورا کرنے کے لئے وہ سب ریسپشن کی طرف چلے آئے تھے، جہاں سر اظہر ریسپشن پہ موجود منیجر سے بات چیت میں مصروف تھے اور باقی سب ان کے پاس کھڑے گروپس کی شکل کیپس لگا رہے تھے، سب لوگوں کو وہاں اپنے آئی ڈی کارڈ جمع کرانے تھے، جنہیں وہ منیجر اسکین کر کے انہیں واپس کر رہا تھا اور یہ سیکورٹی کے لئے ضروری تھا، زارون نے سائیڈ پاکٹ سے اپنا والٹ نکال کر اس میں سے چند کارڈز اور بھی تھے، جن میں سے ایک کارڈ پھسل کر نیچے گر پڑا تھا، میرب اور نگین اس سے کچھ فاصلے پہ مگر اس کے پیچھے ہی کھڑی تھیں، میرب نے نگاہ بچا کر غیر محسوس انداز میں نیچے جھک کر وہ کارڈ اٹھا کر مٹھی میں دبا لیا تھا، اتنی مہلت نہیں ملی تھی کہ وہ دیکھتی کہ وہ کس چیز کا کارڈ ہے اور کیا نہیں مگر وہ یہ دیکھ چکی تھی کہ وہ ایک وزیٹنگ کارڈ تھا، جس پہ لکھا زارون کا نام وہ پڑھ چکی تھی، اس نے وہ کارڈ اپنے شولڈر بیگ کی سائیڈ پاکٹ میں سنبھال لیا تھا، کاروائی پوری ہوئی تو وہ سب اپنے اپنے مخصوص رومز میں چلے آئے تھے، لڑکیوں کے کمرے نیچے کی منزل پہ تھے جبکہ لڑکوں کے کمرے اوپری منزل پہ تھے، اس خوبصورت ٹرپ کا آغاز ہو چکا تھا اور وہ سب بہت مسرور تھے۔

☆☆☆

پاکستان کے شمالی علاقہ جات کا حسن بلاشبہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے، وہ سب بھی دیکھ کر گویا مبہوت ہی ہو گئے تھے، چند اسٹوڈنٹس ایسے تھے جو پہلے بھی یہاں آ چکے تھے، اس لئے وہ یہاں کی خوبصورتی سے واقف تھے، مگر جو لوگ پہلی بار آئے تھے وہ بالکل ہی مسمرائز ہو گئے تھے، ہرے بھرے اونچے درخت، اونچے بلند پہاڑ، لہراتی بل کھاتی ندیاں، آبشار، پہاڑ سے وہ ٹکراتے بادل، ستمبر کا مہینہ تھا اور یہاں اچھی خاصی ٹھنڈ تھی، موسم بھی بھی بدل جاتا تھا، کبھی بادل تو کبھی ٹھنڈ، کبھی ہوا تو کبھی دھوپ، آج ٹرپ کا پہلا دن تھا اور وہ سب اتنے ایکسائیٹڈ تھے کہ تمام جگہیں ایک ہی وقت میں گھوم لینا چاہتے تھے، مری کی خاک چھاننے کے بعد وہ لوگ ایوبیہ اور ہڑیالہ بھی گھوم آئے تھے، لڑکیاں ساتھ ساتھ شاپنگ بھی کر رہی تھیں، لڑکے موج مستی کے ساتھ ونڈو شاپنگ بھی انجوائے کر رہے تھے، نگین اپنی امی کے لئے کشمیری شال پسند کر رہی تھی، میرب کچھ دیر اس کے ساتھ کھڑی رہی پھر قریبی اسٹال پہ نظر پڑی تو وہاں چلی آئی تھی، وہ دکان سے متصل ایک چھوٹا سا اسٹور تھا، جس میں ایک نوعمر لڑکا کھڑا تھا اور پورے اسٹور میں جا بجا کی چین لٹک رہے تھے، جن پہ مختلف نام کندہ تھے، بہت سے لڑکے لڑکیاں اس وقت وہاں موجود تھے اور اپنے اپنے نام کی کی چین تلاش کر رہے تھے اور جن کو اپنے نام کی کی چین نہیں مل رہا تھا تو وہ نوعمر دکان دار ایک خالی لکڑی کے ٹکڑے کو تراش کر اس پہ ان کا نام کندہ کر کے اسے خوبصورت کی چین میں ڈھال دیتا تھا، ہاں بنے بنائے سے اس بنوانے والے کی چین کی قیمت کچھ زیادہ تھی، مگر پھر بھی سب خرید رہے تھے، اسی طرح وہ مگ، پین اور ریسٹ بینڈ پہ بھی نام کندہ کر کے دے رہا تھا، ذرا سی رش چھٹی تو میرب قریب چلی آئی تھی، ذرا سی تلاش و بسیار کے بعد اسے اس کے نام کا کی چین مل گیا تھا، اس کو ایسی چیزیں پسند تھیں، اس لئے وہ اس کے لئے لینا چاہ رہی تھی، پھر نگین کا نام نظر آیا تو وہ بھی لے لیا، البتہ میرب کہیں نہیں ملا، اس نے اپنا نام پرچی پہ لکھ کر اس لڑکے کو دیا اور اسے اس کو کی چین یہ کندہ کرنے کو کہا، وہ لڑکا پرچی لے کر اپنے کام میں مصروف ہوا تو وہ ادھر ادھر نگاہ دوڑانے لگی، تبھی اس کی نگاہ ہاتھی دانت سے بنے ایک بے حد خوبصورت اور نایاب قلم پہ پڑی تھی، بے ساختہ اس کا دل وہ قلم خریدنے کو چاہا تھا۔

''بھائی ذرا یہ پین دکھایئے گا۔'' اس نے کام میں مصروف لڑکے کو اپنی انگلی سے اشارہ کر کے وہ پین نکالنے کو کہا تھا، اس نے پھرتی سے وہ قلم نکال کر میرب کے سامنے رکھ دیا تھا۔

''باجی، یہ بڑا قیمتی اور نایاب قلم ہے، ذرا مہنگا ہے مگر ہے بالکل اصل ہاتھی دانت سے بنا، اگر آپ بولو تو ہم آپ کو اس پہ نام یہ لکھ دے گا۔'' لڑکے نے قلم میں اس کی محویت کو محسوس کر لیا تھا اور اس کے نام کا کی چین اس کے سامنے رکھتے ہوئے اسے بتایا تھا۔

''ہاں واقعی ہے تو بہت خوبصورت۔'' میرب کی نگاہ ابھی بھی ہاتھ میں تھامے قلم پہ جمی تھی، وہ ایک قیمتی قلم تھا۔

''جس کی نوک آپ تبدیل بھی کر سکتے ہیں، مطلب یہ بھی خراب بیکار نہیں ہوگا۔'' اور اس کا پچھلا حصہ نہایت عمدگی اور نفاست سے ہاتھ دانت سے تراشا گیا تھا، میرب کو وہ قلم اس قدر پسند آیا تھا کہ اس کا دل ہی نہیں چاہا کہ وہ اسے واپس رکھ دے، اگر نہ لیتی تو اس کا دل وہیں اٹک جاتا۔

"نگین سے مشورہ کرتی ہوں...... نگین۔"

اس نے خود کلامی کرتے ہوئے پاس والی دوکان پہ کھڑی نگین کو آواز دینا چاہی تھی، مگر اس کے ساتھ کھڑے زارون کو دیکھ کر وہ چپ کر گئی تھی، اب وہ بھائی کی مدد سے امی کے لئے شال لے رہی تھی، میرب نے انہیں ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا اور اپنے نام والی چٹ کے دوسری طرف نام لکھ کر لڑکے کی طرف بڑھا دیا تھا، تاکہ وہ پین پہ کندہ کر دے، دکاندار اثبات میں سر ہلا کر اپنا کام کرنے لگا تھا اور میرب اسے کام کرتا دیکھنے لگی تھی، یہ تو طے تھا کہ نام کندہ ہونے کے بعد اب وہ یہ پین نگین کو نہیں دکھا سکتی تھی، اس لئے ادائیگی کر کے ساری چیزیں چپ چاپ اپنے بیگ میں ڈال لیں تھیں۔

☆☆☆

آج کا پورا دن گھومنے پھرنے کے بعد وہ سب اتنا تھک چکے تھے کہ اب ہنسنا جلنا بھی محال تھا، مگر پھر بھی سونے کو کوئی تیار نہیں تھا، یہ دن بھلا روز روز تھوڑی آتے ہیں، یہ لمحے، یہ پل دوبارہ پلٹ کر تھوڑی آنے تھے، یہ سفری یاد بن جانے تھے، جگنو بن کر آنکھوں میں ٹھہر جانے تھے، سوان لمحوں سے جتنی خوشیاں کشید کرنی تھی کر لو کہ یہ پلٹ کر نہیں آنے تھے، خواب بن جانے تھے، یاد بن جانے تھے، وہ سب بھی شاید کچھ ایسا ہی سوچ رہے تھے، اس لئے ایک ایک پل کو بھرپور انجوائے کر رہے تھے، سارے مری کی خاک چھاننے کے بعد اب وہ لوگ اپنے ریسٹ ہاؤس کے باہر لان میں ڈیرہ جمائے بیٹھے تھے، رات کے اس پہر سردی حد سے سوا تھی، مگر کسی کو اس کا احساس تک نہ تھا، بیچ میں آگ کا الاؤ روشن تھا، جس کی روشنی ان کے بےفکرے چہروں پہ پڑھ کر انہیں مزید خوبصورت بنا رہی تھی، چاروں طرف اونچے پہاڑ اور درخت تھے، موسم دھندلا سا تھا، خنکی بھری فضا تھی، ایسے میں بیچ میں جلتی آگ جسموں کو جلا بخش رہی تھی، سب ٹیچرز بھی خاموشی سے ان کا ساتھ دے رہے تھے، جانتے تھے کہ یہی دن ہیں جن کو وہ ہمیشہ یاد رکھیں گے یا پھر شاید وہ سب بھی اپنے اپنے وقت میں کھو گئے تھے، اس لئے وہ خود بھی ان کے ساتھ پھر سے اپنی یادوں کو بھی جی رہے تھے، نومی ان کی کلاس کا سی آر تھا، ہونہار اور چلبلا لڑکا جو یونیورسٹی کے میوزیکل گروپ کا مین سنگر بھی تھا، اللہ نے اسے نہایت خوبصورت آواز عطا کی تھی، بھلا کا خوش گلو تھا وہ لڑکا، وہ اپنا گٹار بھی ساتھ ہی لے آیا تھا اور اس وقت بیچ میں بیٹھا آنکھیں بند کیے گٹار پہ دلفریب دھن چھیڑے بیٹھا تھا اور باقی سب محو ہو کر بس اسے سن رہے تھے۔

پاس آئے دوریاں پھر بھی کم نہ ہوئیں
اک ادھوری سی ہماری کہانی رہی
آسمان کو زمین، یہ ضروری نہیں جانے لے جانے
لے
عشق سچا وہی جس کو ملتی نہیں منزلیں، منزلیں
رنگ تھے، نور تھا، جب قریب تو تھا
اک جنت سا تھا یہ جہاں
وقت کی ریت پہ کچھ
میرے نام سے لکھ کر چھوڑ گیا تو، کہاں
ہماری ادھوری کہانی.........

یہ نومی کی خوبصورت آواز کا اثر تھا یا گانے کے اثر انداز ہونے والے بولوں کا کمال کہ جس نے ماحول پہ عجیب سا سماں باندھ دیا تھا اور جیسے اس لمحے سب اس سمے کے ساتھ بہنے لگا تھا۔

خوشبوؤں سے تیری یوں ہی ٹکرا گئے
چلتے چلتے دیکھو نا ہم کہاں آ گئے
جنتیں گر یہیں تو دیکھے کیوں نہیں
چاند سورج سبھی ہیں یہاں
انتظار تیرا صدیوں سے کر رہا
پیاسی بیٹھی ہے کب سے یہاں ہماری ادھوری
کہانی

وہ سب اس قدر مگن بیٹھے تھے کہ وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا تھا، احساس تب ہوا جب رات پوری طرح پہاڑوں پہ اتر آئی تھی اور اس کے سائے درختوں پہ لمبے ہونے لگے تھے اور چاند بلند چوٹیوں کے پار تھک ہار کر چھپنے لگا تھا۔

"چلو بچو، اب سب اٹھو اور سونے کی تیاری کرو، رات بہت ہو گئی ہے۔" سر اظہر کے کہنے پہ وہ سب شرافت سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے کہ واقعی رات بہت گہری ہو رہی تھی اور ٹھنڈ بھی بہت بڑھ گئی تھی، وہ سب تھکے ہوئے بھی بہت تھے، اس لئے چپ چاپ سب اندر کی طرف بڑھ گئے تھے۔

"ینگ مین، سونا نہیں ہے کیا، اٹس ٹو لیٹ ناؤ اور ٹھنڈ بھی بہت بڑھ گئی ہے۔" سر اظہر نے وہاں اطمینان سے بیٹھے زارون سے کہا تھا، جس کا اٹھنے کا یا سونے کا فی الحال کوئی ارادہ نہیں لگ رہا تھا۔

"آپ چلیں میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں، یہاں بیٹھنا اچھا لگ رہا ہے اور ابھی مجھے نیند بھی نہیں آ رہی ہے۔" زارون نے ہلکی مسکراہٹ سے انہیں کہا تھا۔

"اوکے، ایز یو وش، مگر جلدی اٹھ جانا، کیونکہ کل کا سارا دن بھی بہت مصروف گزرنے والا ہے اور ان شیطانوں کا ساتھ دینے کے لئے ہمارا تازہ دم ہونا بھی ضروری ہے۔" وہ خوشگوار موڈ میں اس سے کہہ کر اندر کی طرف بڑھ گئے تھے، زارون نے اثبات میں سر ہلا کر کرسی سے ٹیک لگا لی تھی، اس کے ہاتھ میں تھامی کافی ابھی بھی گرم تھی، نیند ہمیشہ کی طرح اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی، یہاں آ کر ذرا سی فراغت میسر آئی تھی تو کتنی ہی یادیں تھیں جو پھر سے نئے سرے سے اس کی آنکھوں میں اتر آئیں تھیں، کتنا شوق تھا نازاریہ کو ان علاقوں میں، پہاڑوں پہ گھومنے کا، یونیورسٹی کے دنوں میں جب زارون اپنے دوستوں کے ساتھ یہاں آیا تھا تو وہ اس سے کتنا لڑی تھی کہ وہ اکیلا کیوں جا رہا ہے، تب ماموں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ بہت جلد سب کو وہاں گھمانے لے جائیں گے، مگر پھر زندگی نے مہلت نہ دی اور باتیں اور وعدے یادیں بن گئیں، ہوتا ہے نا کبھی کبھی ایسا کہ سب کچھ سمجھتے، جانتے بوجھتے قانون قدرت پہ کامل یقین کے باوجود ہم کسی حقیقت کو قبول نہیں کر پاتے ہیں اس سے چاہ کر بھی فرار حاصل نہیں کر پاتے ہیں، زارون بھی آج تک ایسی ہی کیفیت میں مبتلا تھا کہ ذہن قبول کر چکا تھا کہ وہ سب ایسے ہی ہونا تھا، یونہی لکھا تھا، مگر دل آج بھی قبول کرنے سے انکاری تھا، منکر تھا، وہ ذہنی طور پہ آگے بڑھ چکا تھا اور بڑھنا بھی چاہتا تھا مگر دل ابھی بھی آٹھ سال پیچھے وہیں کہیں اس لمحے میں جی رہا تھا اور وہاں سے ایک انچ بھی ایک قدم بھی آگے بڑھنے سے انکاری تھا، وہ ہر طرح سے کوشش کر چکا تھا، مگر خود کو بےبس پاتا تھا اور پھر خود کو انہی حالات کے دھارے پہ چھوڑ دیتا تھا۔

"اگر آپ کو برا نہ لگے تو کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں سر۔" وہ اپنی ہی سوچوں میں مگن تھا کہ قریب ہی آواز سن کر چونک اٹھا تھا، جہاں میرب ہاتھ میں چائے کے دو بھاپ اڑاتے مگ تھامے اجازت کی منتظر کھڑی تھی۔

"آپ ابھی تک سوئیں نہیں میرب،

خیریت؟'' زارون نے اشارے کے ساتھ اسے بیٹھنے کی اجازت دینے کے ساتھ فکر مندی سے پوچھا تھا، کیونکہ تقریباً گھنٹہ بھر پہلے وہ سب اندر گئے تھے اور ابھی تک وہ جاگ رہی تھی، تو احساس ذمہ داری کے تحت اس کی فکر مندی تو لازمی تھی۔

''آپ بھی تو جاگ رہے ہیں۔'' میرب نے گرم چائے کا مگ اس کی طرف بڑھایا تھا، جسے زارون نے خاموشی سے تھام لیا تھا۔

''عرصہ ہوا ان آنکھوں میں نیند کی پریوں نے اترنا چھوڑ دیا ہے میرب، اب تو حیلوں بہانوں سے انہیں بلانا پڑتا ہے، مگر آپ کیوں جاگ رہی ہیں اور نگین......''

موسم کا اثر تھا یا جگہ کی خوبصورتی کا احساس زارون کا لہجہ قدرے خوشگوائیت لئے ہوئے تھا، اسے میرب کا یہاں آ کر بیٹھنا برا نہیں لگا تھا، اس لئے میرب نے اس زیادہ کریدنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

''وہ تو سو گئی ہے اور مجھے شاید نئی جگہ ہے اس لئے نیند نہیں آ رہی ہے اور کچھ ہوم سیک نہیں بھی فیل ہو رہی ہے، کبھی بابا اور اماں سے اتنا دور رہی نہیں نا اور وہ لڑا کو انس بھی یاد آ رہا ہے۔''

میرب نے ہاتھ میں تھامے کپ سے گرم چائے کا سپ لے کر اپنائیت سے اسے بتایا تھا، اس کے لہجے میں اس وقت اپنی فیملی کے لئے بہت محبت تھی، جسے زارون نے واضح محسوس کیا تھا اور حقیقت بھی یہی تھی، کل چونکہ یہاں پہلا دن تھا اس لئے تھکن کی وجہ سے شاید نیند آ گئی تھی، مگر آج پورا آدھا گھنٹہ جب وہ کروٹیں بدل بدل کر تھک گئی تو اٹھ کر کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی تھی اور وہاں زارون کو ابھی تک اس آگ کے الاؤ کے گرد بیٹھے دیکھا جو کہ اب بجھنے کے قریب تھا تو وہ بھی باہر چلی آئی تھی اور ادھر کمرے میں جب

گہری نیند سے نگین کی آنکھ کھلی تو بستر پہ اپنے قریب میرب کو نہ پا کر وہ از حد پریشانی سے اٹھ بیٹھی تھی، واش روم میں دیکھا تو وہ بھی خالی تھا، ان کے ساتھ کمرے میں دو لڑکیاں اور بھی تھیں، وہ اپنے بستر پہ بے خبر سو رہی تھیں، کیونکہ وہ دونوں کو ان سے بھی پہلے آ کر سو گئیں تھیں، تو میرب کہاں تھی، وہ اپنا سیل ہاتھ میں لئے فکر مندی سے کھڑکی کے قریب چلی آئی تھی، تا کہ اسے کال کر کے پتہ کرے، تبھی اس کی نگاہ آگ کے جلتے الاؤ کے قریب بیٹھے زارون پہ پڑی تھی، میرب اس کے قریب کھڑی کچھ کہہ رہی تھی، اس نے ہاتھ میں دو مگ تھام رکھے تھے، جس میں شاید چائے کا کافی تھی اور پھر وہ وہیں بیٹھ گئی تھی، نگین کے لبوں پہ بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

''او...... اس کا مطلب ہے کہ میرا پلان کامیاب ہو رہا ہے، او نگین تم کتنی جینئس ہو، تھینک یو اللہ میاں، پلیز اللہ میرے بھائی کا دل موم کر دیں، میری نیت بالکل صاف ہے پلیز میرا ساتھ دیں، پلیز اللہ پلیز۔'' وہ سچے دل سے دعا کرتی خوشی خوشی مطمئن سی دوبارہ بستر میں گھس گئی تھی، مگر سونے سے پہلے امی کو ٹیکسٹ کر کے اپ ڈیٹ کرنا نہیں بھولی تھی۔

''شوق تو بہت تھا آپ دونوں کو یہاں آنے کا، پھر ایک ہی دن میں ہوم سیک نیس فیل ہو رہی ہے، آپ دونوں کی وجہ سے مجھے یہ کئی اہم کام چھوڑ کر یہاں آنا پڑا حالانکہ میرا قطعی کوئی ارادہ نہیں تھا، مگر نگین کی ضد کے آگے مجبور ہو گیا۔'' زارون نے ہلکی مسکراہٹ سے اسے بتایا تھا، وہ جھینپ کر مسکرا دی تھی۔

''آپ یہاں پہلے بھی آ چکے ہیں کیا؟'' میرب نے پل بھر کو نگاہیں اس کی کتھئی آنکھوں میں جمائیں تھیں، مگر اگلے ہی پل نگاہ پھیر لی تھی،

وہ کتھئی آنکھیں تو شفاف تھیں مگر کیا پتہ اس کی چوری پکڑی جاتی۔

''ہوں یونیورسٹی کے زمانے میں ٹرپ کے ساتھ ہی آیا تھا، سب دوست ساتھ تھے، اس کے بعد پھر کبھی آنا نہیں ہوا ہے۔''

''پھر تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ یہ وقت کتنا قیمتی ہوتا ہے اور ہمارے ضد کرنے کی وجہ کیا تھی، کیونکہ پھر تو یہ وقت صرف البمز میں ہی رہ جاتا ہے۔'' ٹھہر ٹھہر کر بولتی وہ اس لمحے اس میرب سے قطعی مختلف لگ رہی تھی، جو اکثر ہی اس کے سامنے بوکھلاہٹ کا شکار نظر آتی تھی، بلا ارادہ ہی زارون کی نگاہ اس کی صبیح پیشانی پہ ٹھہر سی گئی تھی، اسے بے اختیار وہ رگڑ یاد آ گئی تھی، جو اس کی ٹائی پن سے اس کی پیشانی پہ آئی تھی، جس کا اب کوئی نام ونشان بھی نہیں تھا۔

''ان پتنگوں کی فطرت بھی کتنی عجیب ہوتی ہے نا سر۔'' میرب نے بجھتے ہوئے الاؤ کو دیکھتے ہوئے کہا تھا، زارون نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا تھا، اسے سمجھ نہیں آیا تھا کہ [illegible] کہنا چاہ رہی ہے۔

''انہیں اچھی طرح پتہ ہوتا ہے کہ ان کی قسمت میں جل کر مرنا ہی لکھا ہے پھر بھی آگ کے شعلوں سے ٹکرانے سے دریغ نہیں کرتے، اسی طرح ہم انسان بھی ہیں، اللہ نے ہمیں سب سے افضل بنایا ہے، سمجھ بوجھ بھی دی ہے، اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ کیا اچھا ہے اور کیا برا، کیا فائدہ مند ہے اور کیا نقصان دہ، پھر بھی بے خوف وخطر وہ ہی کیے جاتے ہیں جو غلط ہے، بنا نقصان کی پرواہ کیے۔'' وہ اب بھی وہیں نگاہیں جمائے ہوئے دھیرے دھیرے بول رہی تھی۔

''یہ انسانی فطرت ہے میرب کہ وہ ہر وہ کام کر لینا چاہتا ہے جس سے اس کو روکا جائے، مگر میں آپ کی بات سمجھا نہیں آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں، کچھ ہوا ہے کیا؟'' زارون نے فکر مندی سے اس سے پوچھا تھا، وہ واقعی اس کی بات نہیں سمجھ پایا تھا کہ وہ کیوں ایسا کہہ رہی ہے۔

''اب آپ خود کو ہی دیکھ لیں۔'' میرب نے خالی مگ فرش پہ رکھ کر چہرہ ہتھیلی پہ ٹکا دیا تھا، اب نگاہیں زارون کے چہرے پہ تھیں، جو بھنوئیں سکوڑے چہرے پہ الجھن لئے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''یہ جانتے ہوئے بھی کہ چائے اور کافی کا حد سے بڑھا ہوا استعمال ہمارے لئے کس قدر نقصان دہ ہے، پچھلے دو گھنٹوں میں آپ چار کپ کافی اور دو کپ چائے پی چکے ہیں۔'' میرب کی معصومیت سے کہی گئی بات ختم ہوئی تو دو بھنوئیں حیرت سے پھیلیں تھیں اور ساتھ ہی ایک بے ساختہ مسکراہٹ نے زارون کے چہرے کا احاطہ کیا تھا، اس کا دل اس لمحے قہقہہ لگانے کو چاہا تھا مگر وہ ضبط کر گیا تھا۔

''تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ پچھلے دو گھنٹوں سے آپ مجھے ہی جج کر رہی تھیں، تو کیا یہ غلط نہیں ہے۔'' زارون کا سوال اس لمحے میرب کو گڑبڑا گیا تھا۔

''نہیں وہ...... میں جج تو نہیں کر رہی تھی، میرا یہ مطلب نہیں تھا، میں تو دراصل......'' وہ گھبرا کر بولی تھی مبادا وہ برا نہ مان جائے اور حیران تو وہ خود یہ بھی تھی کہ اس نے یہ سب زارون کے منہ پہ بول کیسے دیا۔

''اٹس او کے میرب، ہو جاتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ہر انسان کی زندگی گزارنے کا طریقہ الگ ہوتا ہے، اس کا فریم آف لائف الگ ہوتا ہے اور اگر ہم بنا سوچے سمجھے دوسروں کو جج کرنا چھوڑ دیں تو یہ ہمارے لئے بھی اچھا ہے

اور اوروں کی زندگی بھی اس سے آسان ہو جائے گی اور اب میرا خیال ہے کہ آپ کو اب سو جانا چاہیے کیونکہ رات بہت ہو گئی ہے، یوں اس طرح سے اتنی رات گئے یہاں بیٹھنا ٹھیک نہیں ہے۔"

اس کی گھبراہٹ دیکھ کر نہایت لائٹ سے انداز میں کچھ نہ کہتے ہوئے بھی وہ بہت کچھ کہہ گیا تھا۔

"آئی ایم سوری سر، میرا وہ مطلب نہیں تھا۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا تو وہ ساتھ ہی کھڑی ہو گئی تھی، اسے لگا کہ زارون کو برا لگا ہے، لیکن اس وقت میرب کا اندازہ غلط بھی ہو سکتا تھا، وہ شاید اس لمحے خود سے بھی ڈر رہا تھا کہ اس رات کا فسوں اور سامنے بیٹھی لڑکی کا معصوم انداز کہیں اسے توڑ نہ دے اور وہ توڑنا نہیں چاہتا تھا، اس رات میرب کو بہت اچھا لگا تھا کہ جب تک وہ کمرے میں چلی نہیں گئی تھی تب تک زارون وہیں کھڑا رہا تھا اور اس کے کمرے میں جانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں گیا تھا اور روم میں آ کر فریش ہو کر تقریباً دس منٹ بعد جب وہ سونے کے لئے اپنے بستر پہ آیا تب اسے اپنے فون پہ واٹس ایپ پہ ایک آڈیو میسج ملا تھا، جس میں لکھا تھا کہ چائے کافی اور سگریٹ وغیرہ کا زیادہ استعمال ہمارے جسم کو کس طرح سے نقصان پہنچا سکتا ہے، زارون بنا پوچھے بھی بتا سکتا تھا کہ یہ آڈیو میسج اسے کس نے بھیجا تھا، زیرِ لب مسکراہٹ لئے وہ کروٹ بدل کر سونے کی کوشش کرنے لگا تھا اور شومئی قسمت کہ آج ایک لمبے عرصے اور چند لمحوں میں ہی نیند اس پہ مہربان ہونے لگی تھی۔

☆☆☆

سورج کی کرنیں جب پہاڑوں سے اتر کر کھڑکی کے راستے سے اندر آنے لگیں تو زویا نے ان کے کمبل کھینچ کر انہیں اٹھایا تھا۔

"اٹھو جلدی کرو، میڈم شگفتہ خفا ہو رہی ہیں، ڈانٹ رہیں ہیں کہ اتنا دن چڑھ آیا ہے اور تم لوگ ابھی تک سو رہی ہو، اب ایک گھنٹہ تیار ہونے میں لگاؤ گی، جلدی کرو اس سے پہلے کہ وہ یہاں آ جائیں اور مزید عزت افزائی کریں، چھوڑو واپ بستر کی جان۔" میرب اور نگین نے مندی مندی آنکھوں سے زویا کی تمام باتیں سنیں تھیں، کچھ سمجھ آیا اور کچھ سر سے گزر گیا تھا، نیند کا خمار اس قدر تھا کہ آنکھیں کھولنا مشکل تھا، بستر چھوڑنا تو دور کی بات، میرب کا دل چاہا کہ وہ پھر سے کمبل اوڑھ کر کہیں تان کر سو جائے، مگر بہر حال وہ یہاں سونے نہیں آئی تھی، وہ کسلمندی سے اٹھ بیٹھی تھی، کھڑکی کے پردے ہٹے ہوئے تھے، دور پہاڑوں پہ چمکتا سورج اور اس قدر حسین لگ رہا تھا کہ گویا کسی نے سونے کے تھال پہاڑوں پہ انڈیل دیئے ہوں۔

"میں فریش ہو کر آتی ہوں تم بھی اٹھنے کی کرو، دوبارہ سے سو مت جانا۔" نگین نے بستر سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے سلیپر پاؤں میں ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

"ہوں جاگ گئی ہوں، تم جلدی آنا۔" نگین سر ہلا کر واش روم میں گئی تو میرب نے تکیے کے پاس رکھا اپنا سیل فون اٹھا لیا تھا، انس کے میسجز تھے اسے اپنی خیریت کی اطلاع دے کر اس نے واٹس ایپ کھول لیا تھا، کل رات بھیجا جانے والا اس کا میسج سینڈ ہو چکا تھا، اس کے لبوں کو بھی سی مسکراہٹ نے چھو لیا تھا، گو کہ جواب نہیں آیا تھا، مگر جو وہ کہنا چاہ رہی تھی وہ اس تک پہنچ چکا تھا اور یہی اس کا مقصد تھا، اب وہ اپنے مقصد میں کتنا کامیاب ہوئی تھی اور کتنا نہیں یہ اسے پتہ نہیں تھا، وہ تب تیار ہو کر ناشتے کے لئے ڈائننگ ہال میں آئیں تو وہاں میڈم شگفتہ کی ڈانٹ ان کی منتظر تھی، مگر اتنے اچھے موسم اور ماحول میں ان کی

ڈانٹ کا ان سب پہ کوئی خاطر خواہ اثر نہیں ہوا تھا، سو وہ سب اپنا اپنا من پسند ناشتہ کرنے لگیں تھیں، ناشتے کے بعد انہیں ایک نئے دن کا آغاز کرنا تھا، لڑکے بضد تھے کہ انہیں نتھیا گلی میں ہائیکنگ کے لئے جانا ہے کہ وہاں بے انتہا خوبصورت ہائیکنگ ٹریکس تھے، جبکہ لڑکیوں کو جھیل سیف الملوک دیکھنے جانا تھا، وہاں اترتی پریوں کو دیکھنا تھا، کافی بحث و تکرار کے بعد طے یہ پایا تھا کہ آج لڑکوں کی خواہش کو پورا کرتے ہیں اور کل جھیل سیف الملوک کی طرف جائیں گے، کیونکہ آج ویسے ہی وہ لوگ لیٹ ہو چکے تھے، لڑکیاں دل مسوس کر چپ کر گئیں تھیں، پھر لڑکیاں تو ہائیکنگ پہ جانے میں انٹرسٹڈ تھیں مگر کچھ کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا، سو طے یہ پایا کہ جو ہائیکنگ پہ نہیں جا رہیں ہیں وہ وہاں نتھیا گلی میں شاپنگ کر کے وقت گزاریں گی کیونکہ وہاں کی مقامی مارکیٹ میں بہت عمدہ اشیاء دستیاب تھیں اور شاپنگ کا سن کر لڑکیوں کی خوشی دیدنی تھی، وہ سب جانے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔

☆☆☆

میرب نے وہاں کے مقامی بازار سے اپنے لئے افغان بالیاں خریدیں تھیں، جنہیں اب وہ پہن کر دیکھ رہی تھی بھی سامنے لگے شیشے میں اپنے عکس کے پیچھے نظر سفید براق گھوڑے کو دیکھ کر وہ چل گئی تھی کہ اسے اس پہ سواری کرنی ہے۔

"میرب تم پاگل ہو گئی ہو اور اب ساتھ میں مجھے بھی کرو گی، میں اس لئے تمہارے ساتھ یہاں نہیں آئی تھی کہ تم الٹی سیدھی فرمائشیں کر کے میرا دماغ خراب کرو۔" نگین اس کی بات سن کر اس پہ چڑھ دوڑی تھی۔

"نگین پلیز چلو نا یار، اس میں برائی کیا ہے، دیکھو تو سب ہی بیٹھ رہے ہیں، پلیز پلیز اگر ہم بھی بیٹھ جائیں گے تو کیا ہو جائے گا، اب انجوائے کرنے آئیں ہیں تو پوری طرح کریں نا، اچھی دوست نہیں ہو۔" وہ نگین کا بازو تھامے اسے راضی کرنے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن نگین ابھی بھی اپنی بات پہ قائم تھی اور ساتھ ہی اسے بھی روک رہی تھی۔

"مجھے ڈر لگتا ہے میرب یار بات کو سمجھا کرو، اگر یہ بدک گیا تو، نہیں بھئی مجھے نہیں بیٹھنا اس پہ اور تم بھی مت جاؤ پلیز، بھائی نے دیکھا نا تو ناراض ہوں گے، بات کو سمجھا کرو۔" نگین نے پھر سے اسے سمجھانے کو زارون کا ڈراوا بھی دے ڈالا تھا، مگر وہ میرب ہی کیا جو بات کو مان جائے۔

"ٹھیک ہے تم مت جاؤ میں تو جا رہی ہوں۔" وہ خفگی سے کہتی اس کا بازو چھوڑ کر دکان سے باہر چلی گئی تھی، وہ افغان بالیاں بھی ابھی تک اس کے کانوں میں ہی تھیں، جنہیں وہ پہن کر دیکھ رہی تھی۔

"اف یہ لڑکی نا۔" نگین جلدی جلدی ادائیگی کر کے اس کے پیچھے ہی چلی آئی تھی، جہاں اب وہ دور کھڑی گھوڑے کے مالک سے بات کر رہی تھی اور دور سے ہی نگین نے اسے اس سفید براق گھوڑے پہ سوار ہوتے دیکھا تھا، جس پہ وہ آدمی اب گھوڑے کی رسی تھامے تھامے دھیرے دھیرے چل رہا تھا، میرب نے دور سے اسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا تھا، نگین فقط اسے دیکھ کر رہ گئی تھی، موسم بھی اب دھندلا سا ہو رہا تھا، دھوپ ختم ہو چکی تھی اور بادل چھانے لگے تھے، گھوڑے کے پیروں کی ٹپ ٹپ اور ہوا میں میرب کو کسی اور ہی جہاں کی سیر کرانے لگی تھی، اس نے اپنی پوری زندگی میں اتنے حسین مناظر اور اتنی خوبصورتی کہیں نہیں دیکھی تھی، اس کے ہاف بند سے بال

ہوا سے ہولے ہولے لہرا رہے تھے، اس کے کانوں میں پہنی رنگین بالیوں کے نگ دور سے ہی چمک رہے تھے، گھوڑا بہت سبک رفتاری سے چل رہا تھا کہ یکا یک ہی اس کے سامنے ایک تیز ہارن بجاتی گاڑی آئی تھی، جس کی ہیڈ لائٹس کی روشنی گھوڑے کی آنکھوں میں بری طرح چبھی تھی، وہ بری طرح بدکا تھا، تواتر سے بجتے ہارن نے گھوڑے کو بدحواس کر دیا تھا، مالک نے سنبھالنے کی بہت کوشش کی مگر وہ ناکام رہا تھا، گھوڑے نے رسی چھڑا کر سرپٹ دوڑ لگا دی تھی، ایسے کہ میرب کو اس پر سے اترنے کا موقع بھی نہیں مل سکا تھا، اب وہ براق گھوڑا اسے اپنی پشت پہ بٹھائے ہوا کے سنگ دوڑائے چلا جا رہا تھا، اس کا رخ وادی میں بلندی کی طرف تھا اور وہ ڈری سہی بار بار مڑ کر پیچھے کو دیکھتی اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔

مگر سرپٹ بھاگتے گھوڑے کو اسے سنبھالنے کا نہ تجربہ تھا اور نہ ہی ہوش، ایسی سچویشن سے پہلی بار اس کا واسطہ پڑا تھا، وہ بری طرح گھبراہٹ کا شکار ہو چکی تھی، اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے، گھوڑے کا رخ مسلسل بلندی کی طرف تھا اور میرب کو اب ڈر لگ رہا تھا، گھوڑے کی رفتار بڑھتی ہی چلی جا رہی تھی اور اسے قطعی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے کس طرح سے روکے، تیز ہوا اب اس کی آنکھوں میں چبھ رہی تھی، اس کی آنکھوں میں خوف اتر آیا تھا اور دل بری طرح دھڑک رہا تھا، اسے اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی۔

''یا اللہ پلیز، پلیز میری مدد کریں، پلیز، کاش میں نگین کی بات مان لیتی۔'' آنکھیں بند گھوڑے کی پشت سے چمٹی اب وہ اس گھوڑے کے رحم و کرم پہ ایک عالم بے بسی میں تھی۔

اماں، بابا، انس سب کے چہرے اس کی آنکھوں میں گھومنے لگے تھے، گھوڑا ہنوز اسی رفتار سے سرپٹ دوڑ رہا تھا، اردگرد پہاڑوں کا خاموش سلسلہ ساتھ ساتھ دوڑ رہا تھا، کیا اس کی موت اس انجان شہر میں ان پہاڑوں میں لکھی تھی، اسے لگا رہا تھا کہ یہ گھوڑا ابھی کسی کھائی میں اسے گرا دے گا، میرب کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی ہوتی محسوس ہوئی تھی، اسی لمحے بادل بہت زور سے گرجا تھا اور گھوڑے کو پہاڑوں پہ چمکتی بجلی کی چمک اور بادلوں کی گڑگڑاہٹ نے مزید حواس باختہ کر دیا تھا۔

☆☆☆

''بھائی پلیز، جلدی آئیں بھائی۔'' نگین کی روتی ہوئی آواز فون پہ سن کر بری طرح گھبرا گیا تھا، سر اظہر اور زارون لڑکوں کے ساتھ ہائکنگ کے لئے نہیں گئے تھے، ان کے ساتھ سر شعیب ایک فی میل ٹیچر میڈم فرحت اور مقامی گائیڈ تھے، میڈم شگفتہ اور وہ دونوں یہاں لڑکیوں کے ساتھ تھے، سر اظہر کی کچھ طبیعت ٹھیک نہیں تھی، اس لئے زارون انہیں ساتھ لئے قریبی کیفے میں آ بیٹھا تھا اور میڈم شگفتہ سے کہہ دیا تھا کہ وہ قریب ہی ہیں فری ہو کر یا ضرورت پڑنے پہ کال کر لیں اور اب اس طرح سے نگین کی کال سے اسے بری طرح سے پریشان کر دیا تھا۔

''نگین کیا ہوا ہے، کچھ بتاؤ تو کیا بات ہے، تم ٹھیک ہو نا، سب خیریت ہے نا۔'' وہ پوچھتا ہی رہ گیا مگر وہ اسے کچھ بتا ہی نہیں پا رہی تھی، بس روئے جا رہی تھی، وہ سر اظہر کو ساتھ لئے تیزی سے اس بازار کی طرف آیا تھا، جہاں پہ وہ لوگ تھیں اور وہاں آ کر جب ساری صورتحال پتہ چلی تو وہ حقیقتاً پریشان ہو گیا تھا۔

''میں نے منع بھی کیا تھا، مگر یہ لڑکیاں مانیں بھی نا، بچوں جیسی حرکتیں اور شوق ہیں ان کے، اب بتاؤ اگر کچھ ہو گیا تو ان کے ماں باپ کو ہم کیا جواب دیں گے، مصیبت تو ساری ہم پہ آئے گی نا، لیکن یہ ان بے وقوفوں کو کون سمجھائے۔'' میڈم شگفتہ حسب عادت شروع ہو چکیں تھیں، سب لڑکیاں پاس ہی ڈری سہی پریشان سی کھڑی تھیں، نگین مسلسل روئے جا رہی تھی۔

''میڈم شگفتہ پلیز ریلیکس، اس طرح سے آپ بچیوں کو مزید پریشان کر رہیں ہیں، آپ یہ سوچیں کہ اب کرنا کیا ہے، زارون تم جیپ ہائر کرو اور جلدی کرو، نگین بتا رہی ہے کہ وہ گھوڑے والا پہلے ہی ان کے پیچھے جا چکا ہے، دیکھو بچی ہماری ذمہ داری ہے، اسے کوئی نقصان نہ پہنچ جائے، جلدی کرو جلدی جاؤ، میں ان سب کو لے کر ریسٹ ہاؤس جاتا ہوں، تم رابطے میں رہنا۔'' سر اظہر نے بڑی سمجھداری سے اس ساری صورتحال کو سنبھالا تھا، زارون تیزی سے اس طرف بھاگا تھا، جس طرف نگین کے مطابق وہ گھوڑا میرب کو لے کر دوڑا تھا۔

''ریلیکس بیٹا، حوصلہ کرو، ابھی آ جاتی ہے میرب، کچھ نہیں ہوگا، تو لوگ پریشان نہ ہو۔'' سر اظہر نے نگین کے سر پہ ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی تھی اور ان سب کو لے کر ریسٹ ہاؤس کی طرف چلے آئے تھے، کہیں کہیں بارش اب چار سو برسنے لگی تھی اور تیز ہوا جسم میں چبھ رہی تھی۔

☆☆☆

''میرب...... میرب، پلیز آنکھیں کھولو، تم ٹھیک ہو۔'' زارون جب مقامی جیپ میں وہاں تک پہنچا تو وہ گھوڑے والا آدمی اس سے پہلے ہی اپنا ایک اور گھوڑا لے کر وہاں تک پہنچ چکا تھا، مگر چونکہ اس نے زارون کو اپنے تعاقب میں آتے دیکھ لیا تھا، اس لئے اپنے گھوڑے کو تو قابو کر لیا تھا، مگر زمین پہ گری میرب کو ہاتھ لگانے سے گریز کیا تھا، وہ گھوڑے سے گر کر بے ہوش ہو گئی تھی، پتھریلی زمین پہ وہ آڑی ترچھی پڑی تھی، اس کے بال بکھر کر اب بارش سے بھیگنے لگے تھے، اس کے ہونٹ سردی سے نیلے پڑنے لگے تھے، اب وہ محض ڈر کے مارے بے ہوش ہو گئی تھی یا اسے کوئی چھوٹ لگی تھی، یہ اس کے ہوش میں آنے کے بعد ہی پتہ چلنا تھا۔

''میرب آنکھیں کھولو، میرب۔'' زارون بے قراری سے اس پہ جھکا تھا اور ہولے سے اس کا گال تھپتھپایا تھا، سارا غصہ اسے اس حالت میں پڑا دیکھ کر ہوا ہو چکا تھا، غصے کی جگہ اب فکر اور پریشانی نے لے لی تھی کہ اگر اسے کچھ ہو گیا تو، یہ سوچ ہی اس کے دماغ کو ماؤف کر گئی تھی، وہ اس کے ماں باپ کو کیا جواب دے گا، جنہوں نے اس کے بھروسے اسے اتنا دور بھیج دیا تھا۔

''میرب...... اٹھو...... ہوش کرو۔'' وہ لمحہ زارون کو کہیں بہت پیچھے لے گیا تھا، وہ بھی تو ایسے ہی چپ چاپ لیٹی تھی، آنکھیں موندیں اور پھر اس نے کبھی آنکھیں نہیں کھولیں تھیں، اس کے ہزار آواز پر ہزار منتوں پر بھی نہیں، اس لمحے جانے کیوں زارون کو میرب میں زاریہ کی جھلک نظر آنے لگی تھی، اس کے اردگرد سرخ تالاب سا بننے لگا تھا، گاڑھا سرخ تالاب، اس کا دل بہت تیز دھڑکا تھا۔

''میرب!'' اس کا چہرہ تھپتھپاتے زارون کے ہاتھ سست سے پڑ گئے تھے، اس کی آنکھوں کے آگے دھند سی چھانے لگی تھی، مگر بعض برے لمحے پلٹ کر نہ آئیں تو بہتر ہے کیونکہ بار بار انسان انہیں سہار نہیں پاتا ہے، یہ بھی وہ برا لمحہ نہیں تھا، اسی لمحے میرب کی پلکوں میں جنبش سی

ہوئی تھی، اس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی تھی، اس کا سر اور آنکھیں بہت بھاری ہو رہی تھیں، گھوڑے سے گرنے کی وجہ سے اس کا سر پتھریلی زمین سے بہت بری طرح سے ٹکرایا تھا۔

''میرب...... اٹھو ہمت کرو، آنکھیں کھولو میرب۔'' اس کے کانوں سے ایک شناسا سی مدھم آواز ٹکرائی تھی، اس پہ جھکا وہ چہرہ، اس کے گال تھپتھپاتے وہ سرد ہاتھ، اس کے دل کی دھڑکن یکدم ہی تیز ہوئی تھی۔

وہ کہاں تھی، اس نے پورا زور لگا کر آنکھیں کھولیں تھیں، وہ ہوش میں آ رہی تھی۔

''میرب آنکھیں کھولو، ٹھیک ہو، کہیں چوٹ تو نہیں آئی ہے۔'' زارون کی پریشان آواز پھر سے اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی، وہ چند لمحے بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی تھی اور پھر اگلے ہی لمحے اپنے قریب پنجوں کے بل بیٹھے زارون کے بازو سے لپٹ کر بری طرح رو پڑی تھی، اس کی حالت اس لمحے ایسی تھی کہ جیسے کسی کو نخلستان میں کوئی اپنا نظر آ جائے، وہ یقین نہیں کر پا رہی تھی کہ وہ زندہ ہے اور کوئی اس کی مدد کو آ چکا ہے اور وہ بھی وہ انسان کہ جسے گھوڑے سے گرنے سے قبل دل نے پوری شدت سے پکارا تھا، اپنے بازو پہ گرم گرم آنسوؤں کی گرمائش محسوس کرتا زارون اپنی جگہ ساکت سا بیٹھا تھا، اس کا ایک ہاتھ خود بخود ہی روتی ہوئی میرب کے سر پہ آن ٹھہرا تھا۔

''سب ٹھیک ہے بس ریلیکس، کچھ نہیں ہوا ہے، سنبھالو خود کو۔'' چند لمحوں بعد کسی احساس کے تحت وہ خود ہی اس سے دور ہٹ گئی تھی، زارون نے اسے کھڑے ہونے میں مدد دی تھی اور اپنے کندھوں پہ پڑی براؤن شال اتار کر اس کے گرد لپیٹ دی تھی۔

''ٹھیک ہو نا، کہیں زیادہ چوٹ تو نہیں آئی ہے نا، چل لو گی۔'' زارون کے فکر مندی سے پوچھنے پہ میرب نے ہولے سے سر ہلا دیا تھا، حالانکہ اس لمحے اس کے پورے بدن میں درد کی لہریں سی اٹھ رہی تھیں اور خاص کر بائیں کندھے اور پاؤں میں شدید درد ہو رہا تھا، مگر وہ اپنی خفت مٹانے کو نفی میں سر ہلا گئی تھی۔

''وہ وہاں جیپ تک جانا ہے، آ جاؤ۔''

زارون نے اسے جیپ میں بیٹھنے میں مدد دی تھی، پھر خود وہاں رک کر اس گھوڑے والے سے کچھ بات کی تھی اور پھر خود بھی اس کے ساتھ پیچھے ہی آ بیٹھا تھا، میرب کی حالت اس وقت اتنی خراب تھی کہ زارون نے اسے کچھ بھی کہنے سے گریز ہی کیا تھا، وہ سر جھکائے ڈری سہمی بیٹھی تھی، آنکھوں میں نمی ابھی بھی تیر رہی تھی، زارون نے کتنی ہی بار فکر سے اسے دیکھا تھا، کچھ بھی تھا وہ اس وقت اس کی ذمہ داری تھی، باہر اب اندھیرا پھیلنے لگا تھا، بارش رک گئی تھی مگر چلنے والی ہوا قدرے تیز تھی، جو اس کھلی جیپ میں جسموں کے آر پار ہو رہی تھی، زارون کو ٹھنڈ سی محسوس ہو رہی تھی، اس نے بلیک شلوار قمیض پہ ہلکا سا اپر پہن رکھا تھا، جو اس موسم کی شدت کو کم کرنے کے لئے ناکافی تھا، شال وہ میرب کو دے چکا تھا، بازو سینے پہ لپیٹے وہ قدرے بے آرام سا بیٹھا تھا۔

''آپ یہ لے لیجئے سر، میں اب ٹھیک ہوں، ٹھنڈ بہت بڑھ گئی ہے، آپ کو سردی لگ جائے گی۔'' شاید میرب نے اس کا غیر آرام دہ انداز محسوس کر لیا تھا، اس لئے وہ شال اتار کر اس کی طرف بڑھائی تھی، اس نے لانگ سوئیٹر پہن رکھا تھا جو کہ خاصا گرم تھا اور یوں بھی وہ اب خاصا بہتر محسوس کر رہی تھی۔

''نہیں میں ٹھیک ہوں، آپ فکر نہ کریں۔'' زارون نے شال لینے کے لئے ہاتھ نہیں بڑھایا

تھا اور نفی میں سر ہلا کر کہا تھا، میرب نے شال خاموشی سے واپس اپنی گود میں رکھ لی تھی، اونچے نیچے ڈھلوانی راستوں پہ جیپ ہچکولے کھاتی چل رہی تھی، اچانک جیپ ایک جھٹکے سے رکی تھی۔

''کیا ہوا...... گاڑی کیوں رک گئی۔''

میرب نے پریشانی سے زارون کو دیکھا تھا۔

''پتہ نہیں دیکھتا ہوں۔'' زارون اسے تسلی دے کر گاڑی سے اتر آیا تھا اور گھوم کر ڈرائیور کے پاس گیا تھا، جو اب گاڑی کا بونٹ کھولے کھڑا تھا۔

''کیا ہوا ہے خان، گاڑی میں کوئی مسئلہ آ گیا کیا؟'' اس نے ڈرائیور کے پاس جا کر اسے پوچھا تھا۔

''جی صاحب انجن میں تھوڑا مسئلہ ہے، ٹائم لگے گا، اگر ٹھیک ہو گیا تو ورنہ مکینک کو بلانا پڑے گا۔'' ڈرائیور نے بونٹ پہ جھکے جھکے کہا تھا۔

''تو اب کیا ہو گا، کتنا ٹائم لگے گا خان؟''

زارون نے پریشانی سے پوچھا تھا، وہ جلد از جلد ریسٹ ہاؤس پہنچا چاہتا تھا، وہ اکیلا ہوتا تو پیدل بھی چل لیتا مگر میرب ساتھ تھی اور ایسی حالت میں تھی کہ ٹھیک سے چل بھی نہیں پا رہی تھی، اس کا پریشان ہونا لازمی تھا، رات بھی گہری ہو رہی تھی۔

''صاحب اگر آپ بولو تو ہم فون کر کے دوسرا گاڑی ارینج کر دیتا ہے، پر اس میں بھی تھوڑا ٹائم لگے گا، یوں بھی ہم پہنچ ہی چکے ہیں، یہاں سے آبادی بہت قریب ہی ہے، اگر آپ پیدل جانا چاہو تو، دس پندرہ منٹ لگے گا اور یہاں قریب میں ایک ڈاکٹر بھی ہے، اگر آپ بی بی کو لے جانا چاہو تو، ہم بہت شرمندہ ہے صاحب آپ سے کہ ہم آپ کو منزل پہ نہیں پہنچا سکا۔'' ڈرائیور شرمندگی سے بولا تھا، زارون اس کی بات سن کر سوچ میں پڑ گیا تھا، اب کیا کرے، وہ گھوم کر میرب کے پاس آیا تھا۔

''میرب آپ پیدل چل لیں گی، گاڑی میں پرابلم آ گئی ہے اور دوسری گاڑی آنے میں ٹائم لگے گا، یہاں تھوڑی دور ڈاکٹر ہے میں آپ کو وہاں لے چلتا ہوں، پھر وہاں پہنچ کر کچھ ارینج کر لیں گے، اگر آپ چل سکیں تو ورنہ ویٹ کر لیتے ہیں۔'' زارون نے ساری تفصیل بتا کر اسے منتظر نگاہوں سے دیکھا تھا جو اب کچھ تذبذب کا شکار نظر آ رہی تھی۔

''میرب ہمارے پاس ٹائم نہیں ہے، موسم خراب ہے اور کبھی بھی بارش ہو سکتی ہے، بہتر ہے کہ ہم یہاں سے نکلنے کی کریں، وہاں سب ہمارا انتظار کر رہے ہیں، بار بار سر اظہر اور نگین کی کالز آ رہی ہیں، آپ بس کلینک تک چلنے کی ہمت کریں وہاں سے یونی کی وین پک کر لے گی، میں کہہ دیتا ہوں، اب جلدی کریں ہری اپ۔'' زارون نے دور پہاڑوں کے اوپر چمکتی بجلی کو دیکھ کر پھر سے اسے سمجھایا تھا اور اس بار میرب کی سمجھ میں اس کی بات آ گئی تھی، وہ ہمت کر کے جیپ سے اتر آئی تھی، گو کہ چلنے میں دشواری تھی مگر شکر تھا کہ اتنی بھی نہیں کہ وہ چند قدم بھی نہ چل سکے، زارون نے اس کے بات سمجھ لینے پہ شکر ادا کیا تھا اور جیپ والے کو کرایہ دے کر اس کے ساتھ قدم ملا دیئے تھے، راستے میں اس نے سر اظہر کو کال کر کے ساری صورتحال بتا دی تھی اور وین بھیجنے کو کہا تھا، اس جیپ والے نے صحیح کہا تھا، وہ لوگ بمشکل دس منٹ ہی چلے ہوں گے کہ آبادی کے آثار نظر آنا شروع ہو گئے تھے اور وہیں چند قدم کے فاصلے پہ ایک ڈاکٹر کا کلینک بھی نظر آ رہا تھا۔

''میں ڈاکٹر کے پاس نہیں جاؤں گی، میں اب ٹھیک ہوں، مجھے بس ریسٹ ہاؤس جانا

ہے۔" میرب نے زارون کو کلینک کی طرف قدم بڑھاتے دیکھا تو فوراً ہی ٹوک دیا تھا۔

"کیوں...... کیوں نہیں جانا ہے، دیکھیں اگر خوش قسمتی سے ڈاکٹر مل گیا ہے تو دکھا لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، تسلی ہو جائے گی کہ کہیں کوئی سنگین چوٹ تو نہیں ہے۔" زارون نے دوٹوک انداز میں کہہ کر اسی طرف قدم بڑھائے تو میرب کو اس کی پیروی کرنا پڑی تھی۔

"ارے نہیں کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے، ایسی کوئی چوٹ نہیں ہے، بس پاؤں میں کہیں سی موچ ہے، کل تک ٹھیک ہو جائے گی اور بازو میں گرنے کے دباؤ کی وجہ سے درد ہے۔" ڈاکٹر نے اچھی طرح اس کا چیک اپ کرنے کے بعد کہا تھا، زارون نے اطمینان سے اثبات میں سر ہلایا تو وہیں میرب نے بھی سکون کی سانس لی تھی۔

"آپ نوجوان بھی نا ذرا ذرا سی بات پر پریشان ہو جاتے ہیں، بھئی جب ہنی مون منانے آتے ہیں تو اپنی ہنی کا خیال بھی تو رکھیں نا، نازک سی بچی کو لے کر گھوڑے پہ بٹھا دیا، گدھے ہو تم خود بھی ساتھ بیٹھتے نا۔"

ڈاکٹر اب اپنی دھن میں دوا لکھتے ہوئے بول رہا تھا، جبکہ ان کی بات سن کر زارون کو ایک جھٹکا سا لگا تھا، اس کی رنگت سرخ پڑ گئی تھی، وہ ان دونوں کو کیا سمجھ رہے تھے، جبکہ میرب چار سو چالیس کے کرنٹ جیسے جھٹکے سے کبھی زارون کو تو کبھی اس ڈاکٹر کو دیکھ رہی تھی۔

"دیکھیں ڈاکٹر صاحب آپ غلط سمجھ رہے ہیں، ہم......"

"ہاں ہاں میں سب سمجھ رہا ہوں، یہ دوا لکھ دی ہے، وقت پہ دے دینا اور بیوی کا خیال رکھنا۔" ڈاکٹر نے زارون کی بات کو درمیان میں کاٹ کر دواؤں کا پرچا اسے تھما دیا تھا اور پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا، مطلب کہ اب وہ لوگ جا سکتے تھے، ڈاکٹر عمر رسیدہ اور ریشہ خطمی ٹائپ تھے، صرف اپنی سنانے والے، زارون نے خشمگیں نگاہوں سے ڈاکٹر کو گھورا تھا اور چیئر سے اٹھ کھڑا ہوا تھا، جبکہ میرب کے لبوں پہ ایک مسکراہٹ سی مچلی تھی، زارون سخت غصے میں وہاں سے تیزی سے نکل آیا تھا۔

"پلیز سر تھوڑا آرام سے چلیں، مجھ سے اتنی تیز نہیں چلا جا رہا ہے۔" میرب کو اس کے قدموں کا ساتھ دینے کے لئے دوڑنا پڑ رہا تھا، جس کی وجہ سے اس کے پاؤں میں تکلیف ہونے لگی تھی۔

"ہاں تو میں نے کہا تھا کہ گھوڑے پہ بیٹھ جاؤ اور گر جاؤ، آخر تم لڑکیوں کو اتنے عجیب عجیب شوق کیوں ہوتے ہیں، ساری مصیبت میرے سر پہ آ گئی ہے، سارا دن خوار ہو گیا اور وہ خبطی ڈاکٹر پتہ نہیں کیا سمجھ رہا تھا، میری ہی غلطی ہے کہ میں تم لوگوں کی ضد میں آ کر یہاں چلا آیا، مجھے یہاں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔" وہ غصے سے کہتا ہوا مڑ کر اس کے سامنے آ رکا تھا اور خشمگیں نگاہوں اس پہ جما دیں تھیں۔

"ہاں تو مجھے کیا پتہ تھا کہ وہ گھوڑا اتنا بدتمیز ہو گا کہ اسے مہمانوں کو گھڑ سواری کرانے کی تمیز نہیں ہو گی، ایک ذرا سا ہارن سن کر دوڑ لگا دی گدھا کہیں کا اور حادثہ میرے ساتھ ہو گیا، گر میں گئی، مجھے اتنی چوٹیں آئیں اور آپ ڈانٹ بھی مجھے ہی رہے ہیں۔" وہ ڈر کر ایک قدم پیچھے ہٹ کر روہانسے لہجے میں بولی تھی، اسے زارون کے غصے کا اندازہ تھا مگر اس ڈاکٹر نے غلط سمجھ لیا تو اس میں اس کا کیا قصور تھا، اس کے سخت لہجے سے میرب کی آنکھوں میں پانی بھرنے لگا تھا۔

"تو کس نے مشورہ دیا تھا اس پہ بیٹھنے کا میرب بی بی، اس کو کون سا پتہ تھا کہ اس پہ کون سی شاہی سواری بیٹھنے والی ہے کہ وہ عزت و تکریم سے آپ کو گھر تک پہنچا کر آتا، جانور، جانور ہی ہوتا ہے، چاہے کتنا ہی سدھایا ہوا ہو، اسے حیوان بنتے دیر نہیں لگتی ہے، اب چلو وین آ گئی ہے بارات یہیں گزارنے کا ارادہ ہے اور ہاں اگلے تمام ٹرپ میں مجھے کوئی اور بے وقوفی نہیں چاہیے سمجھ آئی۔" زارون نے سارے دن کا غصہ اور خفت اس پہ اتار دی تھی اور تیزی سے سامنے کھڑی گاڑی کی طرف قدم بڑھا دیئے تھے، یہ دیکھے بنا کہ میرب اس کے پیچھے آ بھی رہی ہے یا نہیں، میرب اس وقت اسی میں عافیت سمجھی تھی کہ وہ خاموشی سے اس کے پیچھے چلے۔

☆☆☆

"تمہیں ڈر نہیں لگتا میرب! میں نے تمہیں کتنا منع کیا تھا، مگر تم مانی ہی نہیں، اگر کچھ ہو جاتا تو، میں تو اس قدر ڈر گئی تھی کہ بیان نہیں کر سکتی ہوں۔"

ایک تھکا دینے والے پریشان کن دن کے بعد جب وہ دونوں بستر پہ لیٹیں تو نگین نے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی، کیونکہ پاس لیٹی زویا کی نیند بہت کچی تھی اور وہ ان دونوں کی باتوں سے بہت ڈسٹرب ہوتی تھی۔

"ڈر...... ڈر تو بہت چھوٹا لفظ ہے نگین مت پوچھو میری کیا حالت تھی یار، وہ تو اللہ کا شکر ہے کہ اس نے بچا لیا اور سر زارون وقت پہ پہنچ گئے، ورنہ تو شاید ابھی میں یہاں نہ ہوتی۔"

میرب کا دل وہ وقت یاد کر کے ہی بیٹھنے لگا تھا، اسے سوچ کر ہی ڈر لگنے لگا تھا، اس وقت جو درد جو تکلیف محسوس ہو رہی تھی، وہ اس اذیت سے کہیں کم تھی جو اس نے سہی تھی، میڈم شگفتہ سے ڈانٹ پڑی وہ الگ، سر اظہر نے بھی نرمی سے سمجھایا تھا، مگر اسے کچھ برا نہیں لگا تھا کیونکہ بہر حال غلطی اس کی تھی، وہ سب اس کے لئے فکر مند تھے، پریشان تھے، اس لئے اسے ڈانٹنا یا سمجھانا ان کا حق بنتا تھا، میڈم شگفتہ کی ڈانٹ، زارون کا غصہ اسے کچھ بھی برا نہیں لگا تھا، وہ تو اس بات کا شکر ادا کر رہی تھی کہ وہ صحیح سلامت خیریت سے تھی اور اس وقت وہ آئنمنٹ لگانے اور دوا کھانے کے بعد خاصا بہتر بھی محسوس کر رہی تھی۔

"بھائی نے ڈانٹا تو ہو گا، کیونکہ وہ پریشان ہونے کے ساتھ ساتھ کافی غصے میں تمہارے پیچھے گئے تھے۔" نگین نے ایک نگاہ قریب لیٹی میرب کے چہرے پہ ڈال کر پوچھا تھا۔

"ارے ایسی ویسی ڈانٹ، فل ڈوز لی ان سے تو، ویسے ان کا قصور بھی نہیں تھا، پریشانی اور غصے میں ایسا ہو جاتا ہے، لیکن اس ڈاکٹر نے جو کہا، اس نے تو سر زارون کا مورال فل ہائی کر دیا تھا۔" ڈاکٹر کی بات سوچ کر ہی میرب کے لبوں پہ زارون کے تاثرات یاد کر کے ہی ہنسی آ گئی تھی۔

"ڈاکٹر کی بات...... کونسی ڈاکٹر کی بات؟"

نگین حیرانگی سے بولی تھی، جواباً میرب نے اسے پورا قصہ سنا دیا تھا، جسے سن کر نگین بھی ہنس پڑی تھی۔

"بس یار ایک چیز کا افسوس ہے، اس منحوس گھوڑے کے چکر میں میری ایک بالی کھو گئی، اتنی مشکل سے ڈھونڈ کر خریدی تھی۔" میرب نے افسوس سے ہاتھ میں تھامی اپنی چمکتی بالی پہ نگاہ ڈال کر کہا تھا، جو اس نے بہت دل سے خریدی تھی اور اب وہ ایک کھو چکی تھی۔

"تمہیں بالی کے کھو جانے کا افسوس ہو رہا ہے، بے وقوف جان بچی سو لاکھوں پائے، دوسرا

پیس خرید لینا، چلو اب سو جاؤ، تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔" نگین کے کہنے پہ اس نے اثبات میں سر ہلا کر بالی سائیڈ ٹیبل پہ رکھ کر ٹیبل لیمپ اف کر کے سیل فون اٹھا لیا تھا، نگین نے کروٹ بدلی تو اس نے واٹس ایپ کھول لیا تھا۔

"آج آپ کو میری وجہ سے خاصی تکلیف اٹھانا پڑی اس کے لئے سوری مگر میری زندگی بچانے کے لئے تھینکس۔"

اس نے میسج سینڈ کیا اور سیل سائیڈ میں رکھ کر آنکھیں موند لیں تھیں، ایک تھکا دینے والا دن گزارنے کے بعد زارون فریش ہو کر بستر پر آیا اور اپنا سیل اٹھا کر ڈیٹا آن کر لیا تھا، اسے کچھ ای میل چیک کرنا تھی، نوٹیفکیشن آ گئے تھے، واٹس ایپ پہ چند ایک میسجز تھے، جو اس نے سین کر کے بنا جواب دیئے بند کر دیئے تھے اور اپنا کام کرنے لگا تھا، وہ ہر ممکن طریقے سے اپنا دھیان آج ہونے والے واقعے سے ہٹانا چاہ رہا تھا، جو ذہن سے چپک کر رہ گیا تھا، نیند آ نہیں رہی تھی تو بہتر یہی تھا کہ ذہن کو کام میں لگا کر وقت گزارا جائے، سو وہ یہی کرنے لگا تھا۔

☆☆☆

برسوں پہلے مصر میں ایک شہزادہ تھا سیف نام کا، جو کئی سالوں تک اپنے خواب میں کسی جھیل کو دیکھتا رہا مگر سمجھ نہ پایا کہ وہ کہاں ہے، اپنے اسی خواب میں اس نے اسی جھیل کے کنارے جو چاروں طرف سے پہاڑوں میں گھری تھی ایک بے پناہ حسین پری کو دیکھا اور کھوج میں لگ گیا کہ آخر وہ جھیل کہاں ہے اور اس کے خواب میں کیوں آئی ہے، پھر اس نے اپنے اس خواب کا ذکر اپنے والد سے کیا اور انہی کے مشورے سے سفر کو نکلا اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے ناران آن پہنچا، جہاں اسے ہو بہو وہی جھیل ملی جسے وہ اپنے خواب میں دیکھتا تھا پھر وہیں اس کی ملاقات شہزادی بدر جمال سے ہوئی جو ایک دیو کے قید میں تھی، اس لئے تب سے اس جھیل کا نام جھیل سیف الملوک پڑا، سیف اس شہزادے کی پشت سے اور الملوک کا مطلب ملاقات ہے، چاروں اور سے پہاڑوں میں گھری پیالہ نما جھیل سیف الملوک قدرتی حسن کا شاہکار ہے، جتنا اس کے بارے میں سنا تھا، جب سامنے دیکھا تو اس سے کہیں بڑھ کر پایا، چاروں طرف بلند پہاڑ جن کی چوٹیاں زمین سے دیکھنے والوں کو آسمان سے باتیں کرتی دکھائی دیتیں تھیں، اس وقت دھوپ کی کرنوں سے سجے وہ بلند پہاڑ سونے کے بنے محسوس ہوتے تھے، لڑکوں کے یہاں آنے کا مقصد کیمپنگ اور ہائیکنگ تھا جبکہ لڑکیوں کو یہاں اترتی پریوں کو دیکھنا تھا، یہاں کی خوبصورتی کو محسوس کرنا تھا اور مقامی گائیڈ کی زبانی شہزادے سیف اور شہزادی بدر جمال کی کہانی سننا تھی، اس لئے وہ لوگ آج رات یہاں ہی رک رہے تھے، کیونکہ یہاں جھیل کے قریب ہی سیاحوں اور مقامی گھومنے پھرنے والوں کے لئے سہولیات موجود تھیں اور کرائے پہ کیمپ بھی لئے جا سکتے تھے، ان لوگوں کا بھی ایسا ہی کچھ پلان تھا، یہاں آنے کے لئے سب سے زیادہ شور میرب نے مچا رکھا تھا، اسے یہاں کے سحر کو محسوس کرنا تھا، یہاں کی خوبصورتی کو دیکھنا تھا، اس وقت یہاں شام اترنے کو تھی، پہاڑوں پہ اب سورج ڈھلنے کو تھا، بلند چوٹیوں کے پیچھے اب وہ چھپنے کی تیاری کر رہا تھا، جھیل کا ہر لحہ رنگ بدلتا پانی اس وقت، گہرا نیلا لگنے لگا تھا، وہ سب اِدھر اُدھر ٹولیوں کی صورت میں بکھرے تھے، کچھ کھا پی رہے تھے، کچھ بون فائر کی تیاری کر رہے تھے اور کچھ سیلفیاں لینے میں مصروف تھے، میرب نگین کو بتا کر جھیل کے

کنارے آ کھڑی ہوئی تھی، اسے ڈھلتے ہوئے سورج کو دیکھنا تھا اور چاند کو ان گھاٹیوں کے پیچھے سے ابھرتے ہوئے دیکھنا تھا، سردی کافی زیادہ تھی یا شاید پانی کے کنارے کھڑے ہونے کی وجہ سے زیادہ محسوس ہو رہی تھی، اس کی ناک سرخ ہونے لگی تھی اور ہاتھ ٹھنڈے ہو رہے تھے، پھر بھی وہ وہیں کھڑی رہی تھی، میرب نے اس وقت بلیک جینز کے ساتھ بلیک ہی کرتا پہن رکھا تھا، اوپر بلیک ہی اونی اپر تھا، گلے میں سرخ اونی اسٹول کو بل دے کو مفلر کی طرح ڈال رکھا تھا، کانوں میں چھوٹے سے اسٹون کے ٹاپس تھے، جن کے کناروں پہ چھوٹے چھوٹے باریک سرخ موتی جڑے تھے، بالوں کو آف کیچر میں جکڑ رکھا تھا، سردی سے سرخ ہوتی ناک اور ہوا سے اڑتے بالوں کے ساتھ وہ اس لمحے جھیل کے کنارے کھڑی سیف الملوک کی کوئی پری ہی معلوم ہو رہی تھی۔

"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے میرب؟" تبھی اس کے قریب پانی کے شور کے ساتھ ایک آواز ابھری تھی، اس نے گردن موڑ کر دیکھا تو کچھ فاصلے پہ زارون چوٹیوں کے پار نگاہ جمائے کھڑا تھا، شاید وہ بھی ڈوبتے سورج کو دیکھنے آیا تھا۔

"جی اب تو بالکل ٹھیک ہوں، فکر نہ کریں اگلے پورے ٹرپ میں، میں آپ کو بالکل پریشان نہیں کروں گی۔" وہ ہلکی مسکراہٹ سے اس کی طرف رخ موڑے ہوئے بولی تھی، اس کی بات سن کر زارون کے لبوں کو دھیمی سی مسکراہٹ نے چھوا تھا، اسے اپنی اس دن والی ڈانٹ یاد آئی تھی اور ساتھ میں اس کی بھیگی آنکھیں بھی، اس نے سر جھٹک کر اپنا دھیان پھر سے ڈوبتے سورج پہ ٹکایا تھا۔

"چلیں پھر یہ تو اچھی بات ہے، ویسے اس جھیل میں ایسی کوئی خاص بات تو نہیں ہے جو آپ اتنی بضد تھیں اسے دیکھنے کو، یہاں تو ہر طرف ہی ایسی جھیلیں اور پہاڑ ہیں۔" زارون نے اس کی محویت کو پوری طرح محسوس کیا تھا، تبھی اس سے پوچھا تھا۔

"خوبصورتی چیزوں اور مناظر کے ساتھ ساتھ آپ کی نگاہوں میں بھی ہوتی ہے سر، تبھی آپ کو ان مناظر اور چیزوں میں بھی نظر آتی ہے، جنہیں آپ دیکھنا چاہ رہے ہوتے ہیں، آپ کو یہ جھیل اتنی خاص نہیں لگ رہی تھی، مگر مجھے اس وقت یہ دنیا کا حسین ترین مقام لگ رہی ہے، یہ پہاڑ ان کے پیچھے ڈوبتا سورج، یہ رنگ بدلتا پانی، یہ ٹھنڈی روح کو سکون پہنچاتی ہوا۔" میرب نے آنکھیں بند کر کے پوری طرح اس منظر کی خوبصورتی کو محسوس کیا تھا، اس کی اس قدر دلکش منظر کشی کرنے پہ زارون کی دلچسپی بھی بڑھ گئی تھی، وہ تو بس یونہی چہل قدمی کرتے ہوئے یہاں آن ٹھہرا تھا۔

"ابھی آپ دیکھیے گا، جب چاند نکلے گا نہ تو اس منظر کی خوبصورتی اس کی دل کشی اور بڑھ جائے گی، پھر اس کے رنگ ہی کچھ اور ہوں گے، یوں بھی آج تو پورے چاند کی رات ہے، مجھے اس پہ اترتی پریوں کو دیکھنا ہے، سر آپ دیکھیں گے۔" وہ بالکل بچوں کے سے اشتیاق سے بولی تھی، اس کا انداز و اشتیاق دیکھ کر زارون ہنس پڑا تھا، کبھی کبھی وہ بالکل بچوں سی لگتی تھی۔

"ہنستے رہا کریں سر، آپ ہنستے ہوئے اچھے لگتے ہیں۔" میرب دل سے چاہتی تھی کہ پھر سے زندگی کی طرف لوٹ آئے، اس میں اس کی پسند سے زیادہ اس کی احساسیت کا دخل تھا، وہ ایک حساس اور خیال کرنے والی لڑکی تھی اور زارون کا

ماضی، اس کی تکلیف، نگین اور اس کی امی کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے وہ دل سے چاہتی تھی کہ وہ پھر سے زندگی کی طرف لوٹ آئے، پھر سے جینے لگے، اس کی بات سن کر زارون نے بے ساختہ ہی لب بھینچ لئے تھے، کبھی کبھی وہ لڑکی اس کے لئے امتحان بن جاتی تھی، وہ کیسے اس کی روح تک میں جھانک لیتی تھی، وہ سمجھ نہیں پاتا تھا۔

''آپ کا رنگوں کے بارے میں کیا خیال ہے سر، کیا رنگ ہماری زندگیوں پہ اثر انداز ہوتے ہیں؟'' میرب نے اس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اس کی بات سن کر خاموش ہو گیا ہے، اس لئے بات بدلنے کو بولی تھی۔

''میرا نہیں خیال میرب کہ ایسی بے جان چیزیں انسانی زندگی پہ اثر انداز ہو سکتیں ہیں، یہ سب چیزیں تو انسان کی تابع ہوتیں ہیں، وہ چاہے تو ان کو خود پہ طاری کر لے، ان کے اثرات پہ یقین کر لے، چاہے تو نہ کرے، میں ایسی باتوں اور چیزوں کو نہیں مانتا ہوں۔'' زارون نے ہاتھ میں تھامے کنکر کو جھیل کے شفاف پانی میں اچھال دیا تھا، جو بھنور بناتا ہوا گہرائی میں غائب ہو گیا تھا، وہ اس لمحے بھی سیاہ لباس میں ملبوس تھا اور دھیرے دھیرے چھاتی ہوئی تاریکی کا حصہ ہی معلوم ہو رہا تھا۔

''آپ صحیح کہہ رہے ہیں سر کہ انسان اپنی چیزوں کا تابع نہیں ہوتا اور نہ ہی ہونا چاہیے، مگر ایسی چیزیں ضرور انسان کی تابع ہوتیں ہیں، جیسے کہ یہ سیاہ رنگ، سوگواری اور حزن کو ظاہر کرتا ہے، بے شک اسے کے اندر سب کچھ اپنے اندر سما لینے کی صلاحیت ہے، مگر دیکھنے والوں کو یہ فوراً اپنی طرف متوجہ کرتا ہے اور اس کا اسرار مقناطیس کی طرح آپ کو اپنی طرف کھینچنے لگتا ہے اور ایسے میں اگر اس کے ساتھ سرخ شامل ہو جائے تو وہ شوخ اور زندگی سے بھرپور تاثر دیتا ہے اور اگر سفید ملا دیا جائے تو پاکیزگی اور ٹھنڈک کا احساس دلاتا ہے، اب آپ یہ جھیل ہی دیکھ لیں۔'' میرب نے لحہ بھر کو رک کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا تھا کہ کہیں اسے اس کی باتیں بری تو نہیں لگ رہی ہیں، مگر وہاں ایسا کوئی تاثر نہیں تھا، وہ خاموشی سے ساکت پانی پہ نگاہیں جمائے کھڑا اسے سن رہا تھا۔

''جب ہم یہاں آئے تھے تو اس کا پانی سفیدی مائل نیلا تھا، آسمان کی وسعتوں سا جو دل کو سکون پہنچا رہا تھا، پھر دن ڈھلا تو یہ سبزی مائل نیلا لگنے لگا اور اب رات کی تاریکی اوڑھے، سیاہ لگ رہا ہے، پراسرار سا، اگر یہ ہر وقت ہی ایسا لگنے لگے تو یقیناً برا لگے گا نا، دیکھنے والوں کو اس میں اتنی کشش محسوس نہیں ہو گی، سو ہر رنگ کی اپنی پہچان اپنی اہمیت ہے، اگر ہم ان کو خود پہ طاری نہ بھی کریں تو بھی ان کی خوبصورتی اور افادیت اس کے تابع ہو جائیں اور وہ آپ کا رنگ بن جائے۔''

''خاصی ریسرچ کر رکھی ہے آپ نے رنگوں کے بارے میں۔'' اس کی بات مکمل ہوئی تو زارون نے ذرا سا ہنس کر اس چھوٹی سی لڑکی کو دیکھا تھا، جو خود اس وقت سیاہ رنگ میں ملبوس تھی، وہ جانتا تھا سمجھ رہا تھا کہ وہ کیا بات کر رہی ہے، کس بارے میں اور کیوں کر رہی ہے، اسی طرح کہ مختلف میسجز اور آرٹیکل وہ اسے وقتاً فوقتاً واٹس ایپ کرتی رہتی تھی، جن کو پڑھ کر زارون مسکرا ضرور دیتا تھا، مگر کبھی اس کا جواب نہیں دیا تھا اور نہ ہی اس کی حوصلہ افزائی کی تھی، کیونکہ وہ کرنا چاہتا ہی نہیں تھا، وہ خوش تھا اپنی زندگی کے

ان رنگوں کے ساتھ جو زاریہ کے حزن سے جڑے تھے۔

''نہیں نہیں ایسا تو کچھ نہیں ہے سر، بس یونہی خیال آیا تو کہہ دیا، آپ مائینڈ مت کیجئے گا پلیز۔'' وہ شرمندہ سی ہنسی ہنستی اس لمحے زارون کو بڑی معصوم سی لگی تھی۔

''میرب آپ بہت سادہ اور معصوم ہیں، کم عمر ہیں، میری دعا ہے کہ اللہ آپ کو زندگی کے وہ رنگ کبھی نہ دکھائے، جو ایک بار انسان پہ چڑھ جائیں تو ایسی گہری چھاپ چھوڑ جاتے ہیں کہ انسان باقی کے سارے رنگ بھول جاتا ہے، آپ پر یونہی سدا یہ گلاب رنگ چھایا رہے۔'' نہایت سنجیدگی سے وہ بہت گہری بات کر گیا تھا، وہ ایک پھیکی سی ہنسی ہنس دی تھی، جو گلاب رنگ وہ خود پہ چڑھانا چاہتی تھی، اس سے وہ جان کر بھی انجان بن رہا تھا تو وہ اپنے پندار کو ٹھیس کیوں پہنچاتی، یوں بھی عورت چاہے کتنی بھی کم عمر اور معصوم کیوں نہ ہو، محبت کے معاملے میں نہایت انا پرست ہوتی ہے، محبت کا اعتراف پہلے مرد کی طرف سے ہو یہی بات اس کی انا کو تسکین پہنچاتی ہے، اس کے لئے محبت سے زیادہ وہ احساس اہم تھا، وہ انسانیت اہم تھی کہ جس کے تحت وہ چاہتی تھی کہ زارون زندگی کی طرف لوٹ آئے، باقی اپنے پندار کو اپنی عزت نفس کو وہ کبھی بھی ٹھیس نہیں پہنچا سکتی تھی، وہ جتنی حساس تھی اس سے کہیں زیادہ خود دار بھی تھی، یوں بھی جب آپ کے اندر محبت جنم لیتی ہے تو اس کے ساتھ انا اور خودداری بھی ساتھ ہی پروان چڑھتی ہیں۔

''کیا باتیں ہو رہیں ہیں بھئی، آئیں ایک سیلفی ہو جائے۔'' سامنے سے آتی نگین نے ان دونوں کا دھیان اپنی طرف کیا تھا، ہاتھ میں موبائل تھامے وہ ان دونوں سے دو قدم آگے کھڑی ہو گئی تھی، ایسے کہ پیچھے وہ دونوں اکٹھے کھڑے نظر آ رہے تھے، سیاہ لباس میں ملبوس، چڑھتے چاند کی روشنی میں وہ ایک بہت خوبصورت اور یادگار سیلفی تھی۔

☆☆☆

وہ دس یادگار دن کیسے گزر گئے پتہ ہی نہیں چلا اور واپسی کا دن آ گیا، وہ سب لوگ اداس سے تھے، اتنی خوبصورت جگہوں اور مناظر ایسا دلفریب موسم چھوڑ کر جانے کو بھلا کس کا دل چاہتا ہے، کل صبح انہیں واپسی کے لئے نکل جانا تھا اور آج کی رات یہاں ان کی آخری رات تھی، سونے کا کسی کا کوئی ارادہ نہیں تھا، نومبر کا وسط تھا اور مری میں موسم کی پہلی برف گری تھی، گو کہ شدید برف باری نہیں تھی، مگر پھر بھی ہر شے جیسے ہلکی سفید تہہ کے نیچے چھپ سی گئی تھی، ہر طرف دھند کا راج تھا اور سردی کی شدت میں بے حد اضافہ ہو چکا تھا، ایسے میں مال روڈ کی رونق دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی، وہ سب بھی خود پہ گرم کپڑوں کا ڈھیر لپیٹے مال روڈ کی رونق مزید بڑھانے کو نکلے ہوئے تھے، سر اظہر اور میڈم شگفتہ کی خاص اور سخت تاکید تھی کہ دو گھنٹے بعد وہ سب اپنے اپنے کمروں میں موجود ہونے چاہیے، کیونکہ صبح جلدی نکلنا تھا اور موسم کا کوئی بھروسہ نہیں تھا، اگر یہاں لیٹ ہو جاتے اور وہ پھنس جاتے یا لینڈ سلیڈنگ ہو جاتی تو وہ اگلے کئی دن تک یہاں مقید ہو کر رہ جاتے، مگر یہاں پرواہ کسے تھی، ایک کان سے سن کر اور دوسرے سے نکال کر وہ سب اپنی مستیوں میں مگن تھے، سر شعیب، زارون اور میڈم فاریہ ان کے ساتھ تھے، علاوہ زارون کے سر شعیب اور میڈم فاریہ انجوائے کرنے والوں میں سے تھے، سو انہیں چنداں پرواہ نہ تھی، گروپس کی شکل میں وہ گھوم

رہے تھے، ایک دوسرے پہ برف کے گولے بنا بنا کر اچھال رہے تھے اور خوب مزے کر رہے تھے۔

وہیں ذرا دور ایک کونے میں پہاڑوں کے قریب ایک مقامی میوزیکل بینڈ تھا جو علاقائی میوزک پلے کر رہا تھا اور کئی نوجوان مل کر اس پہ اٹن ڈانس کر رہے تھے، اٹن ڈانس وہاں کے علاقائی رقص کو کہا جاتا ہے، جو کئی لوگ مل کر دائرے کی شکل میں کرتے ہیں اور وہ بے پناہ خوبصورت رقص ہوتا ہے، ان کے گروپ کے بھی دو تین لڑکے جن میں سر شعیب بھی شامل تھے، ان رقص کرنے والوں میں شامل ہو گئے تھے، بہت اچھا نہ سہی مگر وہ ان لوگوں کا ساتھ دینے کو اچھی کوشش کر رہے تھے، لڑکیاں پاس ہی کھڑی لطف اندوز ہو رہی تھیں اور کچھ موبائل فون سے وڈیو بنا رہی تھیں، میرب اور نگین بھی وہیں کچھ فاصلے پہ میڈم فاریہ کے ساتھ کھڑی انجوائے کر رہیں تھیں، تبھی سر شعیب نے دائرے سے نکل کر ذرا فاصلے پر کھڑے زارون کا ہاتھ پکڑ کر دائرے میں کھینچ لیا تھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر سب کا ساتھ دینے کو کہا تھا، پہلے تو وہ انکار کرتا رہا تھا اور وہاں سے نکل جانا چاہا مگر جب جان خلاصی نہ ہوئی تو مجبوراً ان کا ساتھ دینے لگے تھے، پھر آہستہ آہستہ جب اسے لطف آنے لگا ان کا ساتھ دینے میں تو وہاں موجود سب نے دیکھا کہ اس دائرے میں موجود تمام مردوں سے بہترین اٹن ڈانس وہ ہی کر رہا تھا، وہ سیاہ لباس میں ملبوس شاندار سا مرد اس لمحے وہ دلفریب سا رقص کرتے ہوئے پوری طرح سے میرب کی دھڑکنوں کو روکے ہوئے تھا، وہ کبھی بھی زارون سے اس بات کی توقع نہیں کر سکتی تھی کہ وہ ایسا خوبصورت علاقائی رقص بھی کرنا جانتا ہوگا، وہ خاموش گم سم کھڑا شخص اس لمحے تمام ماحول پہ چھا رہا تھا۔

"یار بھائی کو تو دیکھو ذرا، کیسے چھپے رستم نکلے ہیں، کیا بہترین ڈانس کر رہے ہیں۔" نگین خوشی سے بھرپور لہجے میں کہتے ہوئے موبائل نکال کر اس کی وڈیو بنانے لگی تھی، مگر میرب تو اس لمحے کسی اور ہی ٹرانس میں تھی، وہ مکمل طور پہ سامنے نظر آتے اس دائرے میں گم تھی، جہاں اس لمحے اس کی زندگی محو رقص تھی، اسے نہ کچھ اور دکھائی دے رہا تھا اور نہ کچھ سنائی دے رہا تھا، زندہ تھا تو صرف وہ، سامنے نظر آتا لمحہ جس میں زارون حیدر محو رقص تھا، سر شعیب اور باقی لڑکے اس دائرے سے نکل گئے تھے، اور اب سٹیاں اور تالیاں بجا کر زارون کو بیک اپ کر رہے تھے، جو پوری طرح اس وقت ان کے رنگ میں رنگا نظر آ رہا تھا، اس کے لبوں پہ مسکراہٹ تھی اور چہرہ آسودہ نظر آ رہا تھا، وہ اسی لمحے مطمئن سا لگ رہا تھا، نگین کو آج کتنے سالوں بعد اس زارون کا چہرہ دیکھنے کو ملا تھا، جو وقت کی دھول میں کہیں کھو سا گیا تھا، پچھتاؤں کی نظر ہو گیا تھا، اس نے بے ساختہ ہی آنکھوں میں آئی نمی کو صاف کیا تھا اور ہمیشہ اس کے اس طرح خوش رہنے کی دعا کی تھی، وہ پورے دل سے اس کے لئے دعا گو تھی۔

"بھائی مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ آپ ہیں، کتنا بہترین رقص کیا آپ نے، آپ تو بڑے چھپے رستم نکلے۔" وہ دائرے سے نکل کر آیا تو نگین بھاگ کر اس تک پہنچی تھی، میرب کلہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا اس لئے وہ بھی ساتھ ہی کھنچتی چلی گئی تھی، خوشی سے بھرپور لہجے میں نگین اس کے قریب کھڑی کہہ رہی تھی۔

"ہاں بس یونی میں کچھ دوستوں سے سیکھا تھا، آج تو شعیب نے زبردستی ہی دھکیل دیا، مجھے اتنا آکورڈ لگ رہا تھا۔" اس کا چہرہ سرخ تھا،

سانس ابھی بھی پھولی ہوئی تھی اور بال ماتھے پہ بکھرے بکھرے سے تھے، مگر وہ خوش لگ رہا تھا، جیسے انجوائے کیا ہو، شروع میں وہ تھوڑا کنفیوژ تھا، آکورڈ فیل کر رہا تھا مگر بعد میں اسے مزہ آنے لگا تھا، ایک لمبے عرصے بعد وہ کھل کر ہنسا تھا اور دل سے خوشی کو محسوس کیا تھا۔

"آکورڈ کیوں بھائی، اتنا تو اچھا کیا آپ نے، میں نے تو وڈیو بھی بنائی ہے، گھر جا کر ای اور راحم بھائی کو دیکھاؤں گی۔" نگین نے ہاتھ میں تھاما سیل لہرا کر کہا تھا، وہ سچ میں خوش تھی کہ اس کا بھائی زندگی کی طرف لوٹ رہا تھا۔

"پاگل!" زارون نے ہلکی سی چپت اس کے سر پہ لگائی تھی اور پاس کھڑی خاموش سی میرب پہ ایک نگاہ ڈالی تھی، زارون کو لگا جیسے وہ اس لمحے میں موجود نہیں ہے بلکہ کہیں اور ہے، اس نے ماتھے پہ بکھرے بال انگلیوں سے برابر کرتے ہوئے ابرو کے اشارے سے میرب کو متوجہ کیا تھا، یکدم ہی اس کا ٹرانس ختم ہوا تھا اور وہ واپس لوٹ آئی تھی اور اس لمحے زارون نے اس کی آنکھوں میں ستائش ابھرتی دیکھی تھی، وہ سر جھٹک کر پلٹ گیا تھا، میرب ستائشی نگاہوں اور وا ہوتے لبوں سے اسے دیکھتی رہی تھی، مگر وہ پلٹ کر جا چکا تھا اور وہ وہیں کھڑی رہی تھی۔

"آج سے پہلے میں نے اتنا خوبصورت اٹن ڈانس پہلے کبھی نہیں دیکھا، وہ لمحہ میری نگاہوں میں ٹھہر گیا ہے اور خدا کرے کہ وہ ہنسی ہمیشہ آپ کی لبوں پہ ٹھہری رہے۔" سونے سے پہلے زارون نے واٹس ایپ پہ آیا وہ میسج بہت دھیان سے پڑھا تھا، ہاں البتہ جواب آج بھی نہیں دیا تھا اور لیپ آف کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا تھا، اس خوبصورت یادگار ٹرپ کا اختتام ایک خوبصورت رات پہ ہوا تھا، جو برسوں یاد رہنے والی تھی۔

☆☆☆

وہ لوگ ٹرپ سے واپس آئے تو روٹین لائف شروع ہو گئی، دو ماہ بعد دسمبر میں فائنل ایگزامز تھے، اس لئے وہ سب ہی ان سنہری یادوں کو دل میں بسائے پڑھائی میں جت گئے تھے، ساتھ ہی فائنل پروجیکٹ بھی شروع ہو چکا تھا اور وہ سب ہی اس کی تیاریوں میں بھی مصروف تھے، نگین اور میرب ایک ہی گروپ میں تھیں اور ساتھ ہی نوی اور عفان تھے، کمبائن اسٹڈی، ٹیچرز سے ایکسٹرا کلاسز، لائبریری، سب اسی میں بری طرح مصروف تھے۔

بس کسی طرح یہ دو مہینے گزریں، فائنل امتحان ہوں، پروجیکٹ سے جان چھوٹے اور وہ سب سکون کا سانس لیں، واپس آنے کے بعد زارون واپس اپنے اسی پرانے خول میں قید ہو چکا تھا، یونیورسٹی میں وہ صرف ان کا استاد تھا اور بس، گھر میں نگین کا بھائی، اس کی وہی پرانی روٹین شروع ہو گئی تھی، نگین اور امی اس کے لئے ہنوز پریشان تھیں، نگین حیران تھی، کیونکہ وہاں مری میں اس نے ایک بالکل بدلے ہوئے زارون کو دیکھا تھا اور یہاں آ کر پھر وہی اور میرب کو تو وہ ایسے ٹریٹ کرتا تھا کہ جیسے جانتا ہی نہ ہو اور یہی چیز میرب کو تکلیف پہنچاتی تھی، اسے ہرٹ کرتی تھی، وہ سب باتیں، یادیں ان پہاڑوں میں ہی کہیں گم ہو گئیں تھیں جیسے۔

کتابیں سامنے رکھ کر بھی اس کا ذہن بھٹک بھٹک کر اس دشمن جان کی طرف ہی جاتا تھا، وہ رات وہ ڈانس، اس کا گھوڑے سے گرنا اور زارون کا بے قراری سے اسے پکارنا، اس کے ذہن سے یہ سب جاتا ہی نہیں تھا، وہ پین جس پہ اس نے زارون کا نام کندہ کروایا تھا، اس کی

وارڈروب کے پیچھے لاکر میں پڑا تھا، وہ کسی اچھے موقع پہ اسے وہ چین دینا چاہتی تھی، اسی آس پہ روز بیگ میں ڈال کر لے آتی تھی اور پھر موقع نہ پا کر واپس لے جا کر وہیں دراز میں رکھ دیتی تھی، وہ آج بھی اکثر ہی اسے واٹس ایپ کر دیتی تھی، مگر ہمیشہ کی طرح کبھی جواب نہیں آتا تھا، یہ رویے میرب کو ٹھیس پہنچاتے تھے۔

جو چیزیں وہ وہاں سے انس کے لئے لائی تھی وہ اسے بہت پسند آئی تھیں، امی اور بابا کے لئے بھی وہ گفٹس لائی تھی، نگین کو بھی اپنے نام والے کی چین بہت اچھا لگا تھا اور ان دونوں نے اپنے اپنے ناموں کے کندہ کی چین اپنے بیگز میں لٹکا رکھے تھے، انہی بھاگتے دوڑتے دنوں میں تایا اور تائی کے عمرے پہ جانے کا ہنگامہ اٹھا تو سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے، فراز اپنی مرضی کا تھا، مگر اس بار جانے کس دل سے تائی جان سعد کی ذمہ داری طیبہ پہ ڈال گئیں تھیں کہ وہ اس کے کھانے پینے کا خیال رکھیں، شاید یہ تایا جان کا حکم تھا یا پھر سعد کی مرضی، بھلا طیبہ کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا، انہوں نے بخوشی وہ ذمہ داری اٹھائی تھی، پندرہ بیس دن کی تو بات تھی، پھر اس طرح انہیں سعد کو قریب سے پرکھنے کا موقع بھی مل رہا تھا، انہوں نے منصور صاحب سے کہہ دیا تھا کہ اگر وہ دل سے چاہتے ہیں کہ یہ رشتہ ہو تو وہ میرب کے کان میں یہ بات ڈال دیں، تا کہ وہ بھی خود کو سمجھا لے، تیار کر لے، کیونکہ سعد میں وہ کافی بدلاؤ دیکھ رہیں تھیں، کافی ذمہ دار ہو گیا تھا، باقاعدگی سے آفس جاتا وہ کافی سلجھا ہوا اور سمجھدار لگا تھا، ان کا دل اب مطمئن ہونے لگا تھا، اب وہ موقع کی تلاش میں تھے تا کہ میرب سے بات کر سکیں مگر میرب تو ان دنوں اپنی پڑھائی اور اپنی ہی سوچوں میں مگن تھی، ویسے بھی یوں بھی جب سے وہ ٹرپ سے واپس آئی تھی قدرے قدرے خاموش سی تھی، وہ اسے تھکن اور پڑھائی کا بوجھ سمجھے تھے، اسی لئے اسے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

☆☆☆

امتحانات شروع ہوئے اور آخری پیپر کا دن بھی آن پہنچا تھا، وہ سب بڑے پرسکون سے ایگزامینیشن ہال سے نکلے تھے، امتحانات کی تلوار سر سے ہٹ چکی تھی اب بس فائنل پروجیکٹ کی تلوار سر پہ لٹک رہی تھی، وہ بھی انشاء اللہ جلد ہی ہٹ جاتی تو پھر وہ لوگ رزلٹ آنے تک فارغ ہی تھے۔

''اف یار آج کتنے دنوں بعد میں گھر جا کر سکون کی نیند سوؤں گی، شکر ہے ایگزام ختم ہوئے۔'' میرب نے خوشگوار لہجے میں کہتے ہوئے وہیں ریلنگ سے ٹیک لگائی تھی، یہ اس کی پسندیدہ جگہ تھی، یہاں بالکونی سے نیچے تقریباً پوری یونی نظر آتی تھی۔

''ہاں یار واقعی، پر میں آج ابھی سے جا کر صرف سو نہیں جاؤں گی بلکہ امی کی مدد کروں گی، وہ آج کی تاریخ کو خاصی مصروف ہوتیں ہیں، ابھی بھی صبح سے اکیلی لگی ہوں گی، تمہیں پتہ ہے میرب آج زونی بھائی کا برتھ ڈے ہے، یہ کبھی سیلبریٹ تو نہیں کرتے ہیں مگر امی ہمیشہ ہی کچھ نہ کچھ اہتمام کر لیتی ہیں، کیک وکیک کاٹنے کے خلاف ہیں، مگر امی ان کی پسند کا کھانا بناتی ہیں، یتیم خانے وغیرہ میں بھجواتی ہیں، اس طرح اور بھی بہت کچھ امی کرتیں ہیں، سو خاصی مصروف ہوتیں ہیں تو میں بھی جا کر ان کے ساتھ ہی لگ جاؤں گی۔'' نگین نے اس کے ساتھ ہی کھڑے ہوتے ہوئے بتایا تھا، وہ کبھی بھی کچھ بھی میرب سے نہیں چھپاتی تھی، اس لئے ابھی بھی اسے

سب بتا دیا تھا، آج تیئس دسمبر تھا، آج زارون کا برتھ ڈے تھا اور میرب کو خبر ہی نہیں تھی، خبر ہو بھی کیسے سکتی تھی، نگین بھی آج پہلی بار ہی ذکر کر رہی تھی، وگرنہ میرب کو کیسے پتہ چلتا، میرب نے اس لمحے وہ تاریخ دل پہ لکھی تھی۔

''اچھا آج سر زارون کا برتھ ڈے ہے، تم نے کبھی بتایا نہیں اور ہم نے بھی کبھی سر سے پوچھا نہیں۔'' پتہ نہیں کب سے ان کے پیچھے آتا نومی ان کی بات سن کر ان کے پاس آن رکا تھا، انہیں اس کی موجودگی کی خبر ہی نہیں ہوئی تھی۔

''ہاں بس کبھی بتانے کا اتفاق نہیں ہوا۔'' نگین نے کچھ جھجک کر اس سے کہا تھا، کمبائن اسٹڈی کے دوران ان کی اچھی دوستی ہو گئی تھی، مگر اتنی بھی نہیں کہ وہ اپنے پرسنلز اس سے شیئر کرتی، ویسے بھی زارون کو ایسی باتیں ڈسکس کرنا پسند نہیں تھا، سو نگین بھی احتیاط کرتی تھی۔

''تو کیا خیال ہے پھر لٹس سیلبریٹ۔'' نومی نے چٹکی بجا کر کہتے ہوئے ان دونوں کی طرف دیکھا تھا، وہ دونوں گھبرا کر ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں تھیں۔

''نہیں نومی پلیز رہنے دو، کہیں انہیں برا نہ لگ جائے، وہ شاید ایسی باتوں کو پسند نہیں کرتے ہیں، کبھی اتنے فرینک نہیں ہوئے نا۔'' میرب نے نگین کے اشارہ کرنے پہ اس سے کہا تھا، اب کچھ تو بات بنانی تھی نا۔

''ارے برا کیوں لگے گا، کم آن یار وہ ہمارے ٹیچر ہیں، تھرو آؤٹ پورے مشن میں انہوں نے تمہیں اتنا ہیلپ آؤٹ کیا ہے اور ان سے ہماری اتنی اچھی دوستی ہے، تم لوگ گھبراؤ مت، میں سب سنبھال لوں گا، میں پہلے پتہ کر لوں کہ وہ یونی میں ہیں یا نہیں، پھر سارا انتظام کرتا ہوں۔''

وہ اپنی ہی ہانک کر وہاں سے چلتا بنا تو وہ دونوں پریشانی سے ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں تھیں۔

☆☆☆

پھر سارا انتظام نومی نے ہی کیا تھا، اس نے پہلے پتہ کیا کہ سر زارون یونی میں ہی تھے، پھر وہ اپنے دو اور دوستوں کے ساتھ جا کر کیک لے آیا تھا اور اسی پہ چھوٹی چھوٹی کینڈلیز بھی لگا دیں تھیں، یہ ٹھیک تھا کہ وہ سب شروع میں زارون سے بہت لئے دیئے رہے تھے، مگر پھر آہستہ آہستہ وہ اس کی نیچر کو سمجھتے ہوئے فرینک ہو گئے، کیونکہ عمروں میں بھی اتنا زیادہ فرق نہیں تھا اور زارون بھی ایز اے ٹیچر بہت تعاون کرتا تھا، سو وہ سب بھی اب اسے دل سے پسند کرنے لگے تھے، اس لئے آج یہ سب انتظام انہوں نے کیا تھا۔

''یار باقی سب کی تو خیر ہے، مگر وہ گھر جا کر مجھے ضرور ڈانٹیں گے کہ میں نے ان کی ڈیٹ آف برتھ سب کو کیوں بتائی۔'' نگین کیونکہ بھائی کی طبیعت سے واقف تھی اس لئے ابھی بھی بہت ڈری ہوئی تھی۔

''اٹس اوکے نگی اس میں بھلا تمہاری کیا غلطی ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ سب کو ایک ساتھ دیکھ کر کچھ نہ کہیں، پھر ہم نے تو کچھ بھی نہیں کیا نا، نومی کو بھی منع کیا تھا، سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر وہ مانا ہی نہیں تو ہم کیا کریں۔'' میرب نے اسے تسلی دی تھی، واقعی اس میں ان کی کیا غلطی تھی، مگر نگین ابھی بھی ڈری ہوئی تھی۔

''آ جاؤ بھئی سب، سر زارون کو سرپرائز دیتے ہیں۔'' نومی نے سب کو بلایا، جس جس کو بھی زارون کی برتھ ڈے کا پتہ چلا وہ سب ہی ساتھ آ گئے تھے اور اب خاصے اسٹوڈنٹس اس کے آفس کے باہر جمع ہو چکے تھے۔

''نہیں بھئی، تم ہی لے جاؤ اسے اندر۔'' نگین نے نومی کے ہاتھ سے کیک لینے سے منع کر دیا تھا۔

''میرب تم پکڑ لو، ویسے بھی لڑکیاں یہ کام کرتی ہوئی اچھی لگتی ہیں۔'' نومی نے عجلت میں وہ کیک اسے ہاتھ میں تھما دیا تھا اور خود آگے بڑھ کر زارون کے آفس کا دروازہ کھول دیا تھا، میرب مرتی کیا نہ کرتی کے مصداق ہاتھ میں تھامے کیک پہ جلتی موم بتیوں سمیت آگے بڑھی تھی، جہاں وہ حیرانگی سے ان سب کو اندر آتے دیکھ کر اپنی چیئر سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یوسر، مینی مینی ہیپی ریٹرن آف دا ڈے۔'' سب سے پہلے نومی ہی آگے بڑھا تھا اور زارون سے ہاتھ ملا کر اسے سالگرہ کی مبارک باد دی تھی، زارون نے خود پہ ضبط کرتے ہوئے مسکرا کر سر ہلا دیا تھا، مگر ہاتھ میں تھامے کیک پہ جلتی موم بتیوں کی روشنی کے عکس میں نظر آتے صبیح چہرے پہ نگاہ پڑتے ہی اس کے لب بھینچ گئے تھے۔

''یہ یقیناً اس کے ذہن کی ہی خرافات ہو گی۔'' اس کی ریڑھ کی ہڈی میں غصے کی ایک لہر سنسناتی ہوئی اٹھی تھی، وہ بمشکل خود کو سنبھالے ہوئے تھے، نگین سے بھائی کے چہرے کے تاثرات چھپے نہیں رہے تھے، اس کی آنکھوں میں ابھرتا غصہ اس سے چھپا نہیں رہا تھا، اب وہ سب باری باری اسے وش کر رہے تھے، میرب نے وہ کیک ٹیبل کے درمیان میں رکھ دیا تھا اور خود اسے وش کر کے دور ہٹ گئی تھی، غیر محسوس انداز میں اس نے اپنے بیگ سے ایک چھوٹا سا پیک نکال کر ٹیبل پہ اس کے لیپ ٹاپ کی آڑ میں رکھ دیا تھا، ایسے کہ وہ کسی کو دکھائی نہیں دے رہا تھا، بھلا اس سے بہتر کون سا موقع آتا کہ وہ پین زارون کو دینے کا، لیکن اس کی یہ حرکت زارون کی نگاہ سے چھپی نہیں رہی تھی، زارون چاہتے ہوئے بھی ان لوگوں سے کچھ نہیں کہہ پایا تھا، وہ یہاں سب کے سامنے کوئی تماشہ نہیں لگانا چاہتا تھا، لیکن جانے اس کے یقین تھا کہ یہ سارا پلان میرب کا ہی بنایا ہوا ہوگا کیونکہ اسے ہی یہ ساری خرافات سوجھتی تھیں، وہ اس سے جتنا دور جانے کی کوشش کرتا تھا، وہ لڑکی اتنا ہی اس کی ذاتیات میں گھسنے کی کوشش کرتی تھی، لیکن آج تو حد ہی ہو گئی تھی۔

''آپ سب لوگوں کا بہت شکریہ، پلیز آپ اب مجھے ایکسیوز کیجئے گا، مجھے کچھ کام ہے اور پلیز یہ بھی لے جایئے۔'' اس نے خود پہ قابو پاتے ہوئے بہت طریقے سے ان سب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان سے معذرت کی تھی، وہ سب سر ہلاتے ہوئے باہر جانے لگے تھے، نومی نے ٹیبل پہ رکھا وہ کیک بھی اٹھا لیا تھا۔

''نگین یہاں رکو ذرا۔'' سب کے پیچھے جاتی نگین کے قدموں کو زارون کی آواز نے روک دیا تھا، وہ ست روی سے وہیں رکی تھی، میرب چونکہ اس کے پیچھے تھی، اس لئے اسے بھی ٹھہرنا پڑا تھا۔

''جی بھائی!'' نگین نے پریشانی سے اس کی پیشانی کے بل گنے تھے، جانتی تھی وہ خفا ہے۔

''جب تمہیں پتہ ہے کہ میں ایسی خرافات اور فضولیات کو پسند نہیں کرتا تو کیا ضرورت تھی یہ سب تماشہ لگانے کی۔'' اس کے لہجے میں غصہ تھا مگر آواز قدرے مدھم تھی، کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ آواز روم سے باہر جائے۔

''بھائی میری غلطی نہیں ہے، میں تو بس میرب سے بات کر رہی تھی، نومی نے پتہ نہیں کیسے ہماری باتیں سن لیں اور یہ سارا پلان بھی

اسی کا تھا، ہم نے تو اسے بہت منع کیا تھا، کہ آپ کو برا لگے گا، مگر اس نے سنا ہی نہیں۔'' نگین نے فوراً ہی وضاحت دی تھی اور سچ بھی یہی تھا۔

''کیا ضرورت ہے اپنے پرسنلیز ہر کسی سے شیئر کرنے کی، تم سے تو میں گھر جا کر بات کروں گا اور ہاں ان محترمہ کو سمجھا دو کہ میرے معاملات میں انٹرفیئر کرنا چھوڑ دیں۔'' زارون نے چیئر سے کھڑے ہوتے ہوئے اپنی چیزیں سمیٹنا شروع کر دیں تھیں، وہ اب یہاں سے جانا چاہتا تھا، وہ ویسے بھی آج کل کچھ پریشان تھا، طبیعت میں عجیب سی بے چینی تھی اور امی کا شادی کے لئے اصرار دن بدن بڑھتا جا رہا تھا۔

''ایکسوزمی سر، آخر آپ کا پرابلم کیا ہے، آپ ہر معاملے کا ذمہ دار مجھے کیوں سمجھتے ہیں، جب ہم کہہ رہے ہیں کہ ہماری کوئی غلطی نہیں ہے تو......'' میرب اس لمحے خود پہ لگا الزام برداشت نہیں کر سکی تھی، زارون کا اس طرح سے اسے مورد الزام ٹھہرانا اسے اپنی انسلٹ لگی تھی، اس لئے وہ چپ نہیں رہ سکی تھی۔

''میرا پرابلم آپ ہیں مس میرب منصور، آپ کیوں نہیں اس بات کو سمجھ جاتیں ہیں کہ میں آپ کی موجودگی اپنے اردگرد نہیں چاہتا ہوں، مجھے ایسے لوگ سخت ناپسند ہیں جو دوسروں کی زندگیوں میں پرسنلیز میں بلا ضرورت گھسنے کی کوشش کرتے ہیں اور آپ بھی ایسا ہی کر رہی ہیں، آپ کیوں یہ بات بھول جاتی ہیں کہ آپ بھی سب کی طرح میری ایک اسٹوڈنٹ ہیں اور میری بہن کی دوست اینڈ نتھنگ سو پلیز لیو می۔'' زارون کے الفاظ اس کا سخت لہجہ اس لمحے میرب کے منہ پہ تھپڑ کی طرح لگا تھا، اتنا سخت لہجہ، اتنے سخت الفاظ اور وہ بھی بنا کسی قصور کے، دل تو یوں بھی ان دنوں رنجیدہ سا تھا، اب ایک پل لگا تھا اور اس کی آنکھوں میں پانی بھرنے لگا تھا، وہ تو بس انسانیت کے ناطے یا پھر شاید دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر بار بار اس طرف بڑھتی تھی، لیکن آج تو حد ہی ہو گئی تھی، بنا کچھ پوچھے بنا کچھ سنے زارون نے اسے اتنا کچھ سنا دیا تھا، وہ شکوہ کناں نگاہوں سے اسے دیکھتی منہ پہ ہاتھ رکھے اپنی سسکیوں کو دباتی وہاں سے تیزی سے باہر نکلی تھی، اس کے سب گروپ ممبر ابھی باہر ہی موجود تھے اور زارون کی آواز اتنی بلند ضرور تھی کہ باہر بھی سنائی دی ہو گی، میرب تیزی سے وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

''بھائی آپ نے بہت غلط کیا ہے، آپ کو یہ سب میرب سے نہیں کہنا چاہیے تھا، آپ نے ہمیں بہت ہرٹ کیا ہے۔'' نگین کو اس لمحے بڑے بھائی کا رویہ بہت برا لگا تھا، میرب اس کے سامنے کھلی کتاب کی مانند تھی، وہ لاکھ شرارتی، لاابالی سہی مگر آج اس معاملے میں اس کی کوئی غلطی نہیں تھی، وہ بھی تیزی سے اس کے پیچھے بھاگی تھی کہ عزیز دوست اسے بہنوں کی طرح عزیز تھی، جبکہ پیچھے کھڑے زارون کے دل میں وہ تاسف سے بری پانی چھلکاتی نگاہیں گڑ کر رہ گئیں تھیں، اپنا سارا غصہ، ساری خفت اس معصوم پہ نکال کر اب وہ تاسف کا شکار ہونے لگا تھا، وہ ایسا کیوں کر رہا تھا، وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

''اف کیا مصیبت ہے۔'' اس نے بے ساختہ ہی پاس پڑی کرسی کو ٹھوکر ماری تھی۔

☆☆☆

بعض باتیں اگر آپ کی توقعات کے برعکس ہوں تو وہ آپ کو اداس اور دل کو رنجیدہ کر دیتیں ہیں، آپ چاہ کر بھی ان کو بھلا نہیں پاتے ہیں، زارون کی سالگرہ والے واقعے کو کافی دن گزر چکے تھے، ان کا فائنل پروجیکٹ بھی جمع ہو چکا تھا،

اب بس رزلٹ کا انتظار تھا، یونی سے تعلق تقریباً ختم ہو چکا تھا، سب دوست، سب استاد پیچھے رہ گئے تھے، مگر دل پہ نقش کچھ باتیں اور یادیں ایسی تھیں جو وہ چاہ کر بھی بھلا نہیں پا رہی تھی، اس دن کے بعد سے نگین سے بھی اس کا تعلق بس فون کی حد تک رہ گیا تھا، وہ بے چاری بھی بھائی کے رویے پہ بہت پشیمان تھی، مگر اس سارے قصے میں وہ بھی اتنی ہی بے قصور تھی جتنی کہ میرب، اس لئے میرب نے اس سے کچھ نہیں کہا تھا اور اس کے ایکسکیوز کو قبول کر لیا تھا، زارون کا نمبر ابھی بھی اس کے فون میں سیو تھا ہاں یہ اور بات تھی کہ اس نمبر پہ اس نے کوئی میسج نہیں کیا تھا، وہ اس وقت بھی اکثر اسی سوچوں میں بیٹھی تھی، سائیڈ ٹیبل پہ رکھا فون مسلسل وائبریٹ کر رہا تھا، اس نے اسکرین پہ چمکتے نگین کے نام کو دیکھا اور بیزاری سے فون واپس رکھ دیا تھا، اس وقت اس کا کسی سے بھی بات کرنے کا موڈ نہیں تھا، وہ یونہی کسلمندی سے بیڈ سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی، تبھی دروازے پہ ناک ہوئی تھی۔

"کون ہے..... آ جائیے۔" میرب نے سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے کہا تھا، اس کا خیال تھا کہ امی ہوں گی یا انس، مگر خلاف توقع سامنے بابا کو دیکھ کر وہ فوراً ہی اٹھ بیٹھی تھی۔

"بابا آپ، آیئے نا، خیریت ہے کوئی کام تھا کیا، آیئے بیٹھیے نا۔" اس نے دوپٹہ سلیقے سے اوڑھتے ہوئے ان کے لئے اپنے قریب ہی بیٹھنے کی جگہ بنائی تھی۔

"بالکل خیریت ہے، بس ویسے ہی دل چاہا کہ اپنی بیٹی سے گپ شپ لگاؤں تو چلا آیا۔" بابا اس کے پاس بیٹھتے ہوئے خوشدلی سے بولے تھے۔

"کیا بات ہے بیٹا، میں دیکھ رہا ہوں کہ تم پچھلے کئی دنوں سے خاموش خاموش سی ہو، طبیعت ٹھیک ہے میرے بچے کی، کوئی بات ہے کیا؟" انہوں نے فکر مندی سے اس کے چہرے کی جانب دیکھا تھا۔

"جی بابا بالکل ٹھیک ہوں، آپ پریشان نہ ہوں، بس امتحانوں کی ٹینشن ختم ہوئی ہے تو یونہی طبیعت پہ سستی سی سوار ہے، ٹھیک ہو جائے گی۔" میرب نے لہجے کو پرشاش بناتے ہوئے انہیں تسلی دی تو ان کی تسلی ہوئی تھی۔

"میرب آپ سے ایک بات کرنا تھی بیٹا۔" بابا نے گود میں رکھے اس کے ہاتھ اٹھا کر اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

"جی بابا بولئے نا، پوچھ کیوں رہے ہیں۔" میرب نے محبت سے اپنا دوسرا ہاتھ بھی ان کے مضبوط ہاتھوں پہ رکھ دیا تھا، اسی لمحے میرب کا فون پھر سے وائبریٹ ہوا تھا، اس نے بے ساختہ ہی سر گھما کر دیکھا تھا، اسکرین پہ نگین کالنگ لکھا ہوا واضح نظر آ رہا تھا۔

"سن لو بیٹا، شاید کوئی ضروری کام ہو نگین بیٹی کو۔" بابا نے بھی فون کی طرف دیکھا تھا اور اسے اجازت دی تھی کہ وہ فون سن لے۔

"نہیں بابا کچھ خاص نہیں ہوگا، آپ بولیئے میں اس سے بعد میں بات کر لوں گی۔" وہ فون کو نظر انداز کر کے مکمل طور پہ بابا کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"بیٹا میں چاہتا تھا کہ یہ بات تمہاری امی تم سے کریں، مگر انہوں نے یہ ذمہ داری میرے کندھوں پہ ڈال دی، بیٹا تمہیں سعد بیٹا کیسا لگتا ہے۔"

"بابا میں سمجھی نہیں۔" میرب نے قدرے الجھ کر باپ کو دیکھا تھا۔

"بیٹا بات دراصل یہ ہے کہ میں تمہیں

تمہارے امتحانوں کے دوران ڈسٹرب کرنا نہیں چاہتا تھا، اس لئے اتنے دن خاموش رہا مگر اب بھائی صاحب کا اصرار بڑھتا جا رہا ہے اور مجھے بھی اس میں کوئی حرج نظر نہیں آتا ہے، دراصل وہ سعد کے لئے تمہیں مانگنا چاہتے ہیں، تمہاری امی کو کچھ تحفظات ہیں، میں تو سمجھے بھی مگر ان سب پہ میرے لئے بھائی کا احترام اور ان کا مان زیادہ اہم ہے، اس لئے سوچا ایک بار تم سے پوچھ لوں، تاکہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔" باپ کے ہاتھوں میں دبے اس کے ہاتھوں میں اس لمحے لرزش سی اتر آئی تھی، اس نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے، تو گویا یہ وقت بھی آنا تھا، کہ دل پہ پاؤں رکھ کر اسے کوئی فیصلہ کرنا تھا، اس لئے یہ لمحہ بہت مشکل تھا، وہ ذہنی طور پر ان سب کے لئے ابھی قطعی طور پہ تیار نہیں تھی۔

"بابا..... دراصل وہ میں..... کتنی ہی دیر بعد وہ کچھ بول پائی تھی، پھر جھجک کر رک گئی تھی۔

"ہاں بولو بیٹا، جو بھی بات ہے کہہ دو۔" بابا نے نرمی سے کہا تھا، وہ ایسے ہی نرم مزاج اور پیار کرنے والے شفیق باپ تھے، وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اگر وہ ایک بار بھی انکار کر دے گی تو وہ کبھی پلٹ کر اس سے استفسار نہیں کریں گے۔

"بابا ابھی تو میری پڑھائی ختم ہوئی ہے، اس طرف میں نے کبھی سوچا نہیں ہے، کچھ ٹائم گزر جانے دیں، پھر جیسے آپ کو ٹھیک لگے۔" بالآخر میرب نے دل کی طرف سے کان لپیٹ کر کہہ ہی دیا تھا، وہ لاکھ تیز مزاج کا سہی مگر اسے رشتے نبھانا اور ان کا مان رکھنا آتا تھا۔

"ہاں ہاں بالکل تم ٹھیک کہہ رہی ہو، جب تم کہو، کوئی جلدی تھوڑی ہے، جیتا رہ میرا بچہ۔" بابا نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر اس کی روشن پیشانی کا بوسہ بڑے مان سے لیا تھا، وہ بہت جھک کر اس سے بات کرنے آئے تھے، چاہتے تھے کہ ماں ہونے کی حیثیت سے طیبہ اس سے بات کریں، مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا تھا، کیونکہ وہ خود انکاری نہیں اس رشتے سے اور چاہتی تھیں کہ میرب بھی باپ کو انکار کر دے تاکہ ان کو خود ہی اندازہ ہو جائے، مگر میرب اس وقت کسی اور ہی کیفیت میں تھی، نارسائی، حزن، نا امیدی میں اور شکست خوردگی کی کیفیت میں، مان ٹوٹنے کی کیفیت میں، وہ جان گئی تھی کہ جو وہ چاہتی ہے، وہ نہیں ہو سکتا ہے، تو وہ، وہ کیوں نہ کرے جو اس کے والدین چاہتے ہیں، محبت بھی بڑی عجیب ہے اتنی چھان پھٹک کہ کسی کو منتخب کرتا ہے، اسے اپنا مکین بناتا ہے اور جب وہ نہ ملے تو ہم کہتے ہیں کہ جب وہ نہیں تو کوئی بھی ہو کیا فرق پڑتا ہے، مطلب پھر انسان کا کوئی معیار ہی نہیں رہتا ہے، وہ لاتعلق سا ہو جاتا ہے، پوری دنیا سے حتیٰ کہ خود سے بھی اور اپنی محبت سے بھی۔

بابا جب اٹھ کر کمرے سے باہر گئے تو اس نے بمشکل خود پہ قابو پایا تھا، آنکھیں بس چھلکنے کو تیار تھیں، اس نے بمشکل آنسوؤں کو گرنے سے روکا تھا، اس کے، پورے وجود پہ ابھی بھی لرزش سی طاری تھی، اس نے سعد کے بارے میں بھی اس طرح سے نہیں سوچا تھا، وہ سوچنا چاہتی بھی نہیں تھی، کیونکہ اس کی سوچوں پہ کسی اور کا پہرہ تھا، اس کا دل کسی اور کا اسیر تھا، اسے سعد یا فراز کبھی بھی پسند نہیں رہے تھے، نہ تائی جان، مگر جانے کیسا کمزور لمحہ تھا یہ کہ وہ باپ کے سامنے ہار گئی تھی۔

اس نے انکار کیوں نہیں کیا، وہ کیوں خاموش رہی، اسے اب خود پہ غصہ آ رہا تھا، وہ اتنی کمزور تو کبھی نہیں رہی تھی، پھر اب کیوں، اتنی بے بس ہو گئی تھی، کیوں خود کو تکلیف دینے چلی

تھی، کیا وہ سہہ پائے گی، سوچیں پورے وجود پہ حاوی ہونے لگیں تو وہ خود کو کمپوز کرتی واش روم میں چلی آئی تھی، نل کھول کر کتنی ہی دیر منہ پہ ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارتی رہی تھی، جلتی آنکھوں کو کچھ سکون ملا تھا، مگر اگلے ہی لمحے وہ بے بسی سے دیوار سے ٹیک لگائے نیچے بیٹھتی چلی گئی تھی، ہاں محبت انسان کو اتنا ہی بے بس کر دیتی ہے، اتنا ہی لاچار، وہ چاہ کر بھی کچھ نہیں کر پاتا ہے، دل کرلاتا ہے مگر انا اس پہ پاؤں رکھ دیتی ہے۔

☆☆☆

''طیبہ کہاں ہو بھئی؟'' منصور صاحب بڑی خوشی خوشی بیٹی کے کمرے سے باہر آئے تھے، اس بات سے بے خبر کہ اندر ان کی لاڈلی پہ کیا بیت رہی ہے۔

''جی کیا بات ہے، میں یہاں ہوں۔'' وہ ابھی نماز پڑھ کر اٹھیں تھیں، جائے نماز ہاتھ میں تھامے وہیں چلی آئیں تھیں، دوپٹہ بھی ابھی نماز کے انداز میں ہی لپیٹ رکھا تھا۔

''میں نے میرب سے سعد کے لئے بات کر لی اور اسے کوئی اعتراض نہیں ہے، اس نے کہا بابا جیسے آپ کو ٹھیک لگے، میں نے کہا تھا نا کہ میری بیٹی میرا مان ضرور رکھے گی۔'' خوشی ان کے چہرے ان کے لہجے سے چھلکی پڑ رہی تھی، جبکہ طیبہ الجھن سے انہیں دیکھ رہیں تھیں۔

''میرب کو کوئی اعتراض نہیں، ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔'' وہ ہولے سے بڑبڑائیں تھیں، انہیں پورا یقین تھا کہ میرب اس رشتے سے انکار کر دے گی اور تب منصور صاحب بھی کچھ نہیں کہیں گے، کیونکہ میرب کو کبھی بھی وہ لوگ پسند نہیں رہے تھے اور وہ باپ کے اتنا قریب ضرور تھی کہ اپنا مدعا کھل کر بیان کر سکتی، وہ ایسی نہیں تھی کہ اپنی مرضی کے بنا صرف باپ کے کہے پہ سر جھکا لیتی، مگر جیسا وہ سوچ رہیں تھیں، ویسا نہیں ہوا تھا، اس لئے ان کا پریشان ہونا بنتا تھا، کیونکہ وہ بے خبر تھیں کہ میرب نے یہ فیصلہ کس کیفیت میں آ کر کیا ہے۔

☆☆☆

زارون کو آج کل گھر میں سب قدرے کھنچے کھنچے سے اور خاموش سے لگ رہے تھے، امی کی طبیعت بھی آج کل کچھ ٹھیک نہیں رہتی تھی، نگین بھی ابھی تک اس سالگرہ والے واقعے کے بعد اس سے خفا خفا سی تھی، مسئلہ راحم کا تھا، وہ من موجی سا لڑکا آج کل قدرے الجھا ہوا اور پریشان سا لگتا تھا، زارون نے کئی بار اس سے پوچھا مگر وہ ٹال گیا تھا، آج وہ امی سے بات کرنے کا پورا ارادہ کیے ہوئے تھا، اس کا اپنا دل بھی پتہ نہیں کیوں آج کل عجیب بے چینی کا شکار تھا، بزنس تقریباً سیٹ ہو چکا تھا اور شکر تھا کہ کامیابی سے رواں دواں تھا، یونی میں اس کے کانٹریکٹ کو ختم ہونے میں آٹھ مہینے باقی تھے، مگر اب اس کا دل اس جاب میں نہیں لگ رہا تھا، زارون کی کلاس اب بھی وہی تھی، پرانا بیج جا چکا تھا، نئے اسٹوڈنٹس آ چکے تھے اور وہ سب بھی اسی طرح زارون کو آئیڈیلز کرتے تھے، مگر زارون پہلے سے بھی زیادہ لئے دیئے انداز میں ان سے ملتا تھا، وہ دل ہی دل میں اس سالگرہ والے واقعے پہ شرمندہ تھا، بعد میں نومی نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ سب اس کا پلان تھا اور اس میں نگین اور میرب کا کوئی حصہ نہیں تھا، مگر اب خود سے معذرت کرتے ہوئے سے عجیب سا لگ رہا تھا، حالانکہ میرب کا نمبر اس کے پاس تھا، مگر وہ خود سے کیسے Contact کرے، بس یہی سوچ کر ہمیشہ رک جاتا تھا اور وہ بھی عجیب لڑکی تھی، اس دن کے بعد سے کہیں خود تو غائب ہوئی اس کے اکثر آنے والے اس کے واٹس ایپ میسجز بھی ختم ہو گئے تھے، وہ اکثر ہی اس سے زندگی کے متعلق، رنگوں کے متعلق اور اچھے اچھے موضات پہ آرٹیکلز وغیرہ شیئر کرتی رہتی تھی اور کبھی کبھار گڈ مارننگ کے میسج جو کہ اب کافی عرصے سے وہ سلسلہ بند ہو چکا تھا، پہلے پہل تو زارون کو اس کے میسجز سے الجھن ہوتی تھی، مگر جب اسے عادت ہو گئی اور انتظار رہنے لگا تو وہ سلسلہ بند ہو گیا تھا، گو کہ یہ کبھی جواب نہیں دیتا تھا مگر ایک بے نام سا تعلق تھا، جواب ختم ہو گیا تھا اور گھر میں بھی کوئی مسئلہ تھا جو ابھی تک اس سے چھپا ہوا تھا اور امی کی طبیعت کی وجہ سے بھی وہ کچھ پریشان سا تھا، انہی ہی ساری پریشانیوں کو دل میں چھپائے، وہ اپنی بے چینی کو ختم کرنے آج کافی دن بعد اس شہر خموشاں میں آیا تھا، جہاں کچھ عرصہ پہلے وہ روز آتا تھا، مگر اب زندگی کے جھمیلوں میں الجھ کر آج وہ کئی دن بعد آیا تھا، اس نے پہلے بابا اور پھپھو کی قبر پہ فاتحہ خوانی کی پھر زاریہ کی قبر کے کنارے ہمیشہ کی طرح ذرا تر چھا سا ہو کر بیٹھا تھا۔

''کیسے ہو بیٹا، آج بڑے دنوں بعد آئے، سب خیریت تھی نا۔'' بوڑھا گورکن اسے پہچان کر پاس چلا آیا تھا۔

''جی بس کچھ مصروفیات رہی، اس لئے نہیں آ سکا۔'' زارون کے لہجے میں شرمندگی سی تھی، جیسے وہ اتنے دن یہاں نہ آنے پہ شرمساری محسوس کر رہا ہو۔

''اچھا کیا بیٹا، بہت اچھا کیا، یہ دنیا دل لگانے کی جگہ تو نہیں مگر قبروں کے پاس رہ کر دل کو ویران کرنے سے بہتر ہے کہ خود کو دنیا کے جھمیلوں میں الجھا لیا جائے۔'' بوڑھے گورکن نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر اسے تھپتھپایا اور آگے بڑھ گیا تھا۔

''کیا واقعی میرا دل ویران ہو گیا ہے، جو کچھ محسوس نہیں کر پاتا ہے، کوئی خوشی، کوئی احساس، مگر میں ایسا تو نہیں تھا نا، کیا میرا اللہ پر سے قسمت پر سے ایمان اٹھ گیا تھا، جو میں اتنے سال اندھیروں میں رہا، سب کچھ جانتے بوجھتے عقل سمجھ رکھتے ہوئے بھی غافل رہا، زندگی اور موت تو ازل سے لکھی جا چکی ہے، پھر میں اس سے منکر ہو کر خود کو سزا کیوں دے رہا تھا، کیوں خود کو قصوار ٹھہرانے لگا تھا، میں تو غلط کر رہا تھا، بہت غلط۔''

زارون نے منوں مٹی تلے لیٹے اس وجود سے کیسے سوال کیا تھا، مگر وہاں خاموشی تھی، گہری خاموشی، اور یہ خاموشی تو ہمیشہ ہی ہوتی تھی، بس وہ محسوس آج کر رہا تھا، وہ کتنی ہی دیر خاموشی سے وہاں بیٹھا ان سرخ گلابوں کو دیکھتا رہا تھا جو اس نے خود ابھی اپنے ہاتھوں سے اس قبر پہ ڈالے تھے، پتہ نہیں کیوں آج اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ یہاں سے اٹھ جائے، اسے ہمیشہ ایسا لگتا تھا کہ جیسے اندر لیٹا وجود اسے جکڑ لیتا ہے، مگر آج اسے یہاں وحشت ہو رہی تھی، چاروں طرف کا سناٹا اور ویرانی اسے دہشت زدہ کر رہی تھی، یکبارگی اسے گھبراہٹ سی ہونے لگی تھی، اس کا دل چاہا کہ وہ یہاں سے چلا جائے ابھی، فوراً اور ایسا آج سے پہلے اسے کبھی محسوس نہیں ہوا تھا، آج دھوپ معمول سے زیادہ تیز تھی یا اسے محسوس ہو رہی تھی، اسے اپنی پشت پہ تکے سورج کی کرنیں اپنے وجود کے آر پار ہوتی محسوس ہو رہیں تھیں، اسے لگا کہ اگر وہ مزید چند لمحے یہاں اور کھڑا رہا تو اس کا وجود پتھر کا ہو جائے گا اور ابھی وہ پتھر کا ہونا نہیں چاہتا تھا، وہ گھنٹوں وہاں رہنے والا آج ذرا سی دیر میں ہی وہاں سے نکل آیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ)

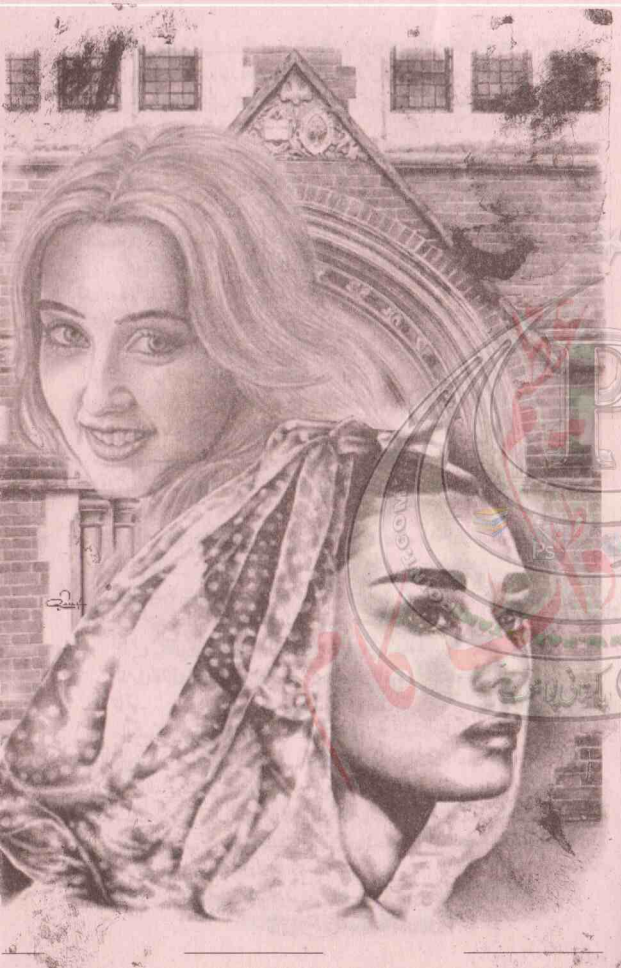

اسیرِ عشق

سدرۃ المنتہیٰ

دسویں قسط کا خلاصہ

پربھات نے شمع کو بتا دیا ہے کہ وہ کون ہے، شمع نے خوف زدہ ہو کر انہیں نکل جانے کا حکم دیا ہے، پربھات کی دوست روبی نے دروازے کے اندر ایک پراسرار کھڑکی میں اپنا ہاتھ ڈالا تو اور ہی جانب سے کسی حبشی عورت نے پکڑ لیا ہے، اسی بہانے ان کی رہائی سے ملاقات ہو گئی ہے۔

پربھات یہاں سے جاتے ہوئے اپنے آبائی قبرستان میں رکی ہے، روبی خوف زدگی میں یہاں سے جلد از جلد نکل جانا چاہتی ہے۔

سکھاں نے سب کے سامنے اقرار کر دیا ہے اور عنایت شاہ کے عتاب کا سامنا کرنا پڑا ہے، حبیب گھر سے خوشی خوشی دولہا بننے نکلا ہے، ماضی کی کہانی میں، پربھات حسین کی فیملی کو اپنے گھر لائی ہے اور وہاں آ کر شعیب کی تصویر دیکھ کر جہاں سارنگ بھٹکا ہے وہاں سکھاں ایک الگ کرب سے گزر رہی ہے، اگلے دن اس نے پربھات کو درخواست کی ہے کہ صبح سویرے اسے یہاں سے گاؤں روانہ کیا جائے شام نہ ہونے پائے۔

شمع نے بیٹی سے شکوہ کر دیا ہے۔

حبیب پاکستان کے لئے روانہ ہو گیا ہے۔

گیارہویں قسط

اب آپ آگے پڑھیے

"کتنا اچھا احساس ہے نہ شفیعت کہ ہم جارہے ہیں، اپنے وطن واپس جارہے ہیں اور سب سے بڑی بات کہ میں زندہ جارہا ہوں، میری بیٹی میری لاش کی بجائے مجھے ریسیو کرے گی۔"

"ہاں بالکل آپ ٹھیک کہتے ہیں، بجا کہتے ہیں، ہم سب خیریت سے جارہے ہیں، وہ لوگ ائیر پورٹ پہنچ چکے تھے، آج ان کی فلائٹ تھی۔

"تم نے پربھات کو بتایا تو نہیں نہ شفیعت۔"

"نہیں ابا آپ نے روکا تھا، تو نہیں بتایا، ویسے اچھا ہوتا کہ اگر ہم مزید ایک ہفتہ ٹھہر جاتے، لیکن خیر اب کیا کیا جاسکتا ہے، آپ کو یہاں نہ ماحول بدل سکا نہ علاج، انسان خود نہ بدلنا چاہے تو اسے کچھ بھی نہیں اثر کرتا۔" وہ متفکر سی تھی۔

"ٹھیک کہتی ہو، لیکن پلیز اب ایسی رنجیدگی والی بات مت کرو، ہم آج نکل رہے ہیں کچھ دیر میں اور پھر ہم آج پربھات سے ملیں گے، وہ آچکی ہے نہ گھر؟"

"جی آچکی ہے۔"

"خوب لڑے گی وہ مجھ سے کہ بات نہیں کی میں نے اس سے فون پر، اچھا ہے وہی نبٹتی ہے آپ سے، چلیں اندر کی طرف۔" وہ سامان ٹرالی میں رکھ کر انہیں کہنے لگی۔

وہ بہت خوش تھے آج اور بار بار یہی سوچ رہے تھے کہ پربھات انہیں اچانک یوں دیکھ کر بہت خوش ہوگی، وہ آج اسے سرپرائز دیں گے۔

یہ جانے بغیر کہ قسمت نے ان کے لئے بھی ایک طرح کا سرپرائز رکھا ہوا ہے، وہ یونہی جلدی کی خواہش میں نہیں نکل رہے، بلکہ قسمت بھی ان کا ساتھ دے رہی ہے۔

☆☆☆

"کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آپ کو صبحیں عام صبحوں سے کچھ ہٹ کر لگی ہیں۔" انہیں بھی ایسا محسوس ہو رہا تھا۔

"سارنگ جانے کیوں اس گھر میں میرا جی نہیں لگ رہا ہے۔" پربھات نکل چکی تھیں، میراب خاتون اور سلمیت کو لے کر اور وہ ناشتہ لے کر سارنگ کے ساتھ آبیٹھیں تھیں۔

"ڈیل یہ ہوئی تھی کہ وہ آئیں گی تو پھر یہ دونوں جائیں گے۔"

شام کی گاڑی سے سکھاں، سندس اور سلمیت نے روانہ ہونا تھا اور سارنگ اور میراب خاتون نے رکنا تھا۔

سارنگ کا دوپہر میں چیک اپ تھا اور پربھات نے کیب منگوالی تھی، جو سارنگ کو لے کر ہسپتال جاتی۔

"ہاں لگ تو مجھے بھی یہی رہا ہے، لیکن میں یہاں کچھ روز نکلنا چاہتا ہوں، ہوسکتا ہے اماں کے جانے کے بعد کچھ دن چیزل کے پاس چلا جاؤں گا، بس ابا ذرا بہتر ہوجائیں، میں سوچتا ہوں کاش کہ پہلے مان لیتا آپ لوگوں کی بات تو آج گھر میں پڑے رہنے کی بجائے اپنے باپ کے پاس ہوتا، خود دیکھ رہا ہوتا سارا کچھ، خود کر رہا ہوتا سارا کچھ۔"

"شکر ہے سارنگ تم نے سوچا تو، اب دیکھنا سوچا ہے تو خود ہی کروگے سب کچھ، بس ایک بار

تیار ہو جاؤ، ایک بار اچھے سے ٹھیک ہو جاؤ، کتنی اچھی نیک سیرت ہے نہ یہ لڑکی جس نے تمہیں یہ احساس دیا ہے۔"

"ہاں ٹھیک کہتی ہیں بہت نیک سیرت ہے یہ لڑکی، لگتی نہیں کہ وڈیروں کے گھر کی ہے، پیروں کے گھرانے سے اس کا تعلق ہے۔"

ایسا نہ کہو سارنگ پیر بڑے دیالو لوگ ہوتے ہیں۔"

"رہنے دو پھپھی اماں، پیر اور دیالو حد کرتی ہو، وہ تو صرف لینے کے لئے ہوتے ہیں، سب لے لیں ان کا بس چلے تو سب ہی سب لے لیں، سکون بھی، سکھ بھی۔" وہ تلخی میں کہہ گیا تھا۔

"کہتے تو کسی حد تک ٹھیک ہو، لیکن وہ انجانے میں لیتے ہوئے سب کچھ دے بھی جاتے ہیں، سکون بھی سکھ بھی، اگر نہ دے سکیں سارنگ تو یہ سمجھنا کہ سکون تو خود ان کے پاس بھی نہ تھا، تبھی تمہیں نہ دے سکے۔"

"پھپھی اماں۔" وہ حیرانی سے دیکھنے لگا۔

"آپ کو کیا دیا ہے ان لوگوں نے، سچ بتائیں۔"

"سارنگ ان کے گھر کے بڑے تم نے نہیں دیکھے نہ۔"

"عنایت شاہ کو شکر ہے دیکھا نہیں صرف سنا ہے۔" وہ طنزیہ ہنسا تھا۔

"سارنگ کاش تم ایک بار جیجی ماں کو دیکھ لیتے ایک بار، تو تمہاری رائے بدل جاتی، تمہیں پتہ ہے سارنگ وہ صرف دیتی تھیں، انہیں صرف دینا آتا تھا، وہ خزانہ تھیں بھر دیتی تھیں بندے کو۔"

"جھولی بھرنے والے بہت ہوتے ہیں، دل کوئی نہیں بھرتا، دل جو بھر دے، وہ سیرابی دیتے ہیں۔"

"سیراب کر دیتے ہیں، وہ ایسی ہی تھیں، بھر دیتی تھیں محبت دیتی تھیں، سحر تھا ان میں، جب وہ نہ رہیں تب کچھ بھی نہ رہا، ان کی نسلوں میں بیک وقت موتی جیسی بچے پیدا ہوتے ہیں۔"

"آپ کو کیا لگتا ہے پھپھی اماں، اب کون ہوگا وہاں، اب تو سنا ہے صرف شمع بی بی اپنے بیٹے فیروز کے ساتھ رہتی ہیں۔"

"ہم تو پرانے عقیدت مند تھے ان کے، ہمارے بڑوں نے کیوں چھوڑا انہیں؟"

"انہیں تو ان کے اپنوں نے بھی چھوڑ دیا سارنگ...... بڑے ہی بدنصیب ہیں۔"

"مت کہہ سارنگ ایسا مت کہہ۔" وہ لرز سی گئیں تھیں۔

"ایسا مت کہہ، بہت بانصیب لوگ ہیں یہ۔"

"بہت بانصیب لوگ، ان کے جیسے نصیب لے کر تو لوگ آسمان سے نہیں اترتے، اور یہ لوگ دھرتی پر پیدا ہیں۔"

"بس انہیں یہ نصیب آزماتا بہت ہے۔"

"اتنا آزماتا ہے کہ آدھا کر دیتا ہے اور ان کے ساتھ جو جڑتا ہے سو اپنا آدھا بھی گنوا بیٹھتا ہے۔"

"ٹھیک کہتی ہیں آپ۔" وہ لمبی سانس چھوڑتے ہوئے بیساکھی لٹکا کر بیٹھا تھا۔

”تم نے اس کی فراست اور ان کا فہم نہیں دیکھا، لوگ ان کے اندھے قانون پر تو بات کرتے ہیں، عنایت شاہ کی چوہدرانہ فطرت کو یاد رکھا ہوا ہے لیکن اس خاندان کی ایک عورت کا بڑا تدبر ہوتا تھا، پھر جو اس خاندان سے جڑتا تھا وہ تدبر والا ہو جاتا تھا، پربھات کی دادی شاہ بانو دوسرے خاندان سے تھیں، لیکن تمہیں کیا پتہ کہ اس عورت نے کیا کچھ کھویا، کیا کچھ پایا، کتنا سہا، کتنا جھیلا کہ اس عورت کا تحمل اسے ممتاز کر دیتا تھا، بہت بڑے کردار ہیں اس خاندان کے۔“

”مجھے تو کبھی کبھار آپ بھی بڑے خاندان کی بڑی کردار لگتی ہیں۔“

”لگتا نہیں کمیوں کے خاندان سے آپ کا تعلق ہے۔“

”رہنے دو اب تم اپنی مت جھاڑا کرو زیادہ۔“ وہ سر جھٹک کر اٹھیں۔

”مجھے تو بس اب پربھات کا انتظار ہے، وہ آئے تو میں نکلوں، تم بھی کپڑے بدل لو، تیار ہو جاؤ، بس خدا کرے یہ لڑکی شام سے پہلے پہنچے۔“

”آپ تو ایسے خوف کھا رہی ہیں جیسے شام ہوئی تو آپ نکل نہیں سکیں گی، یا پھر شام کو کوئی سواری نہیں ملے گی۔“

”بری باتیں منہ سے مت نکال سارنگ، مجھے آج ہی نکلنا ہے بس دل کہہ رہا ہے کہ شام سے پہلے نکل لوں اور لگتا ایسے ہے کہ دیر ہو جائے گی تو نکلنا مشکل ہو جائے گا، یہ نہیں کہ نکل ہی نہ سکیں، سفر جب آسان ہو تو خواہ مخواہ شام ڈال کر اسے مشکل کیوں کیا جائے ہاں۔“ یہ بھی ہے اس نے ان کا جملہ زیر لب دہرایا اور بیساکھی پکڑ کر اٹھا تھا۔

”میں بھی تیاری پکڑ لوں، دوپہر زیادہ دور نہیں ہے اور آج تو میرا دل ہی ایسے دھڑک رہا ہے جیسے مجھے کوئی مشکل سا پرچہ حل کرنا ہو۔“

”تجھے شاید چیک اپ سے خوف آ رہا ہے، فکر نہ کر، اب بھی تو اتنا مجبور نہیں ہے، بے ساکھی تھام کر بھی چل تو پا رہا ہے نہ قدم سے قدم ملا کر نہ سہی ڈگمگاہٹ سے، لیکن چل تو رہا ہے نہ، جو قدم زمین پر ٹیڑھا ہو کر پڑتا ہے اسے بس سیدھا کرنا ہے، ایک وقت آئے گا کہ اس کا نقص نکلے گا۔“

”بس تو شکر کر کہ قدم جیسے تیسے پڑتا تو ہے اب زمین پر۔“ وہ ان کی اس بات پر مسکرایا تھا۔

”اور کچھ ہو نہ ہو لیکن آپ کی باتیں کبھی کبھار دل موہ لیتی ہیں، تسلی دے دیتی ہیں دل کو، قرار سا آنے لگتا ہے، کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی قرار آئے یہ کتنی بڑی بات ہوتی ہے نہ پھپھی اماں۔“

”ہاں سارنگ اور تمہیں پتہ ہے جیجی ایسی تھیں، کہ جب بات کرتی تھیں، از خود قرار سا آنے لگتا تھا، ایسا کیوں لگ رہا ہے جیسے ان کی کوئی بات آپ میں آ گئی ہو، توبہ کر سارنگ ایسا نہ کر، یہ تجھے کیا ہوا ہے آج، بلکہ آج مجھے کیا ہو رہا ہے، میں کیوں ایسی باتیں کر رہی ہوں تمہارے ساتھ۔“

انہوں نے پیشانی پر ہاتھ پھیرا تو ہاتھ پسینے سے تر تھا، وہ گھبرا سی گئیں۔

”مجھے بھی دیکھو، میں یہ کہہ رہی ہوں، تم جیسے احمق کو۔“ وہ اٹھ کر بڑبڑاہٹ کے انداز میں بولتی ہوئی باہر نکل گئیں، وہ انہیں کچھ سمجھ اور کچھ نا سمجھی سے دیکھنے لگا تھا، ایسا کیا تھا جو مخفی تھا، وہ سوچنے لگا تھا، ہر کسی کے اندر کچھ دفن ہے، ہر کوئی اپنے ساتھ کچھ لئے لئے پھرتا ہے، کوئی راز، کوئی بات، کوئی الجھن، کوئی معمہ، اسے لگا ابھی بہت کچھ حل کرنے کے لئے موجود ہے، جس کی سمجھ تا

حال نہیں آئی تھی۔

☆☆☆

”مجھے لگا کہ رباعی مجھے تمہیں کال کرنی چاہیے اور میں نے کر لی۔“ وہ اس کی بات پر ہنسی تھی دوسری طرف۔

”تم اداس ہو رباعی؟“ اسے محسوس ہوا تھا۔

”میں اداس ہوں، ہاں شاید، مجھے تو اب اداسی محسوس ہی نہیں ہوتی، اتنی عادی ہو گئی ہوں اب کہ جس دن اداس نہ ہوں، وہ دن ذرا ہٹ کر لگتا ہے، اتنا گداز کیوں پالا ہوا ہے تم نے اپنے اندر، گداز پتہ نہیں، ماں تو کہتی ہے کہ کیا غم پالا ہوا ہے تم نے کہ چہرے پہ مسکراہٹ بھی ترس کر آتی ہے، خیر چھوڑو تمہیں خبر دینی تھی ایک۔“

”اچھا وہ کیا۔“ وہ اس کے لہجے کی اداسی کو مزید محسوس کرنے لگی۔

”وہ یہ کہ اگلے ماہ شادی ہے آؤ گی۔“

”رباعی...... شادی......اتنی جلدی۔“

”ہاں...... کرنی تو ہے نہ...... جلد یا بدیر۔“

”تم عجیب لڑکی ہو، خوش نہیں ہو تب بھی کر رہی ہو، دنیا میں ستر فیصد لوگ شادی صرف شادی کے لئے کرتے ہیں، اس سے خوشی کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا، بس وہ شادی اس لئے کرتے ہیں کہ شادی کرنی چاہیے، لیکن تم عام لوگوں سے ہٹ کر ہو رباعی۔“

”میں عام لوگوں کی طرح سوتی جاگتی ہوں، کھاتی پیتی ہوں عام لوگوں جیسی مصروفیات اور محسوسات ہیں، میں ایک نارمل عام انسان ہوں۔“

”تم بالکل بھی ایک نارمل عام انسان نہیں ہو رباعی، کوئی نارمل انسان اپنے کمرے کی دیوار پر کوئلوں سے نعرے بازی نہیں لکھتا۔“

”کسی عام آدمی کی الماری میں کپڑوں کی جگہ کتابوں کے ڈھیر نہیں ہوتے، مجھے یقین ہے کہ کپڑے تمہارے پاس گنے چنے ہونگے، اور کتابوں کے ڈھیر ہونگے۔“

”پھر تو تمہیں یہ بھی پتہ ہونا چاہیے کہ میں ہر نئے جوڑے پر نئی کتاب کو ترجیح دیتی ہوں، میری آدھی سے زیادہ پاکٹ منی اسی پر لگ جاتی ہے، بلکہ تین حصے ہو اور مجھے اس کا کوئی غم نہیں ہے، مجھے محبت ہے کتابوں سے۔“

”اور کس کس سے محبت ہے؟“ پربھات بے ساختہ بول پڑی تھی۔

”اور نہ جانے کس سے، شاید کسی سے نہیں۔“

”پھر مجھے ایسا کیوں لگتا ہے رباعی کہ تمہارے اندر محبت پنپ رہی ہے۔“

”لگتا تو مجھے بھی یہی ہے پرہ کہ میرے اندر محبت پنپ رہی ہے لیکن اسے کوئی بہانہ کوئی جواز نہیں مل رہا۔“

”اب میں تمہیں یہ بھی نہیں کہہ پا رہی کہ یہ محبت تم فیروز سے کرنا، البتہ یہ ضرور ہے کہ اس سے شادی کر رہی ہو تو اب دوستی کی کوشش کرنا۔“

"دوستی ہوگئی تو ہوسکتا ہے کہ کچھ مسائل حل ہو پائیں، دوستی، محبت سے بھی دشوار ہے، خیر تمہارا مشورہ ہے تو سوچیں گے ضرور سوچیں گے، بلکہ سوچنا چاہیے۔"

"ہاں، ایک منٹ ٹھہرنا میں گاڑی یہاں سے ہٹا دوں۔"

"اوہ تم گاڑی میں ہو؟"

"ہاں لیکن گاڑی کھڑی ہے چلا نہیں رہی یہاں سائڈ میں پارک کی تھی، لیکن اب پیچھے دو گاڑیاں آ گئی ہیں تو مجھے ہٹانی ہوگی۔" اس نے بتاتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی، مرر سے آگے پیچھے دیکھا اور گاڑی روڈ پہ ڈال دی۔

"تمہیں ڈرائیو کرتے ہوئے مشکل ہوگی پربھات۔"

"نہیں مجھے کئی مشکل نہیں ہوگی، تم بولو، میں نے آدھے گھنٹے کی ڈرائیو کرکے معصوم شاہ کے گھر تک پہنچنا ہے، وہ گھر یہ تھا، اخبار کے دفتر سے ہو کر میں نے گاڑی سائیڈ میں کرلی اور ویسے پوچھو میں اخبار کے دفتر کیوں گئی تھی؟"

"کیوں گئی تھی تم اخبار کے دفتر؟"

"تمہاری نظم دینے کے لئے۔"

"ارے پربھات لیکن کیوں۔"

"لیکن کیا تم نے اتنی اچھی لکھی تھی کہ مجھ سے رہا نہ گیا، ویسے بھی وہاں میرا ایک دوست کام کرتا ہے، سوچا اس سے بھی ملاقات ہو جائے گی اور تمہاری نظم بھی اسے دے دوں گی۔"

"تم مجھ سے پوچھ تو لیتیں کم از کم، وہ فکرمند سی ہوگئی۔"

"اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے رباعی، تم لکھتی تو ہو نہ اور غالباً شائع بھی ہوتی ہوگی تمہاری کوئی چیز، ہاں ہوتی ہے لیکن اصلی نام سے نہیں۔"

"تم نے تو میرا اصلی نام دیا ہوگا۔"

"تم پاگل ہو رباعی بھلا آج کل کون کسے جانتا ہے، حد کرتی ہو یار، دنیا میں ہزاروں لڑکیاں ہونگی اس نام کی۔"

"لو جی اب حد بھی میں ہی کرتی ہوں، دیکھو لاکھوں لڑکیاں ہونگی اور ان میں سے کئی رباعیوں میں وہ رباعی ایک ہی ہوگی جو اس خاندان سے تعلق رکھتی ہوگی۔"

"اف توبہ رباعی چھوڑو یار ان سوچوں کو، تم تو کم از کم ایسی باتیں نہ کرو، مجھے تو تم سے عام پیروں کی لڑکیوں والی بو آ رہی ہے، ٹیپکل وڈیرنی، ابھی تو موصوفہ کی شادی بھی نہیں ہوئی ابھی سے پوری پیرنی نہیں گئی ہو۔" وہ اسے چھیڑ رہی تھی۔

"پیرنی۔" وہ زیرلب دہراتے ہوئے ہنس دی۔

"ہاں نہ پکی پیرنی اور کیا، ویسے سنو رباعی برا وہ ضرور ہے لیکن اتنا بھی برا نہیں ہے، تمہارا، زیادہ کچھ نہیں بگاڑ سکے گا، آدھا دن آدھی رات نشے میں دھت رہتا ہے، جان چھوٹی رہے گی تمہاری، جب وہ سر پہ نہ ہو، تب لکھ لینا۔"

"ڈرا رہی ہو مجھے؟"

"میں ڈری ہوئی نہیں ہوں پربھات، میں الرٹ ہوں۔"

"ہاں یہ بھی ہے، ویسے رباعی دعا کرو یار سارنگ کا کام ہو جائے جس کے لئے معصوم سے ملنے جا رہی ہوں، دیکھو معصوم وہ زمین نہیں خریدے گا تو اس کا کوئی بڑا نقصان نہ ہوگا اور خریدنے سے بھی سوائے چند ایکٹر کے اضافے سے اسے زیادہ فائدہ نہ ہوگا لیکن سارنگ کے لئے سودہ ایک امید ثابت ہوگا۔"

"تم سب کے لئے اتنی ہمدرد کیوں ہو؟"

"میں اتنی بھی اچھی نہیں جتنا اچھا گمان کر رہی ہو۔"

"خیر میں پہنچنے والی ہوں، ہم رات کو بات کریں گے، کیونکہ میں پہنچنے سے پہلے ایک رنگ چھوڑ کر اسے یاد دلاؤں گی تاکہ وہ وہیں رہے۔"

"ہاں ٹھیک ہے، اپنا خیال ضرور رکھنا پربھات۔"

"اس کی تم پرواہ مت کرو بہت اچھے سے رکھتی ہوں۔" اس نے خدا حافظ کہہ کر فون رکھا اور یوٹرن لیا، یہ سڑک معصوم کے گھر سے کافی نزدیک تھی۔

☆☆☆

"حویلی میں ایک عرصے بعد رونق آ رہی ہے، میں خوش ہوں فیروز تو بھی خوش ہے نہ؟"

"بیڑیاں ڈال رہی ہے میرے پاؤں میں اور پوچھتی ہے کہ خوش ہے۔" وہ جھولے میں لیٹا ہوا تھا، جھولا آہستہ آہستہ ہل رہا تھا، وہ موڑھے پر چھڑی سنبھالے آ بیٹھی تھیں۔

ملازمائیں کام پر لگی ہوئی تھیں، ایک عرصے بعد انہیں گھر میں نارمل زندگی کے آثار نظر آ رہے تھے، ورنہ تو بوجھل ویرانی ہر آنے والے کا خیر مقدم کرتی تھی اور مکینوں کا سنگھار بنی رہتی تھی۔

"دیکھ فیروز مرد کے پاؤں میں کوئی بیڑی نہیں ہوتی، وہ آزاد ہی ہوتا ہے، مرد قید ہو نہیں سکتا، مرد آزاد ہوتا ہے، عورت قیدی بن کر آتی ہے۔"

"تو کیوں دل برا کر رہا ہے، تیرا تو گھر بس رہا ہے۔"

"بسنے دے فیروز، تیرا گھر بسے گا تو ماں کا دل بھی بس جائے گا، بسنے کیوں نہیں دیتا۔"

"تجھے کب روکا ہے ماں، سب تو کر رہی ہے، مجھ سے پوچھے بغیر تاریخ رکھ آئی اور کیا اختیار دوں تجھے، بس مجھ سے ایسے سوال نہ کیا کر، خوش ہے کہ نہیں۔"

"دیکھ فیروز، بات سن گھر میں بساتی ہوں تیرا، تو دل بسا لے، دل بسا لے اپنا، سن رہا ہے نہ، بڑی چنگی ہے تیری ہونے والی، تو دل سے لگا رکھے گا تو دل لگا رہے گا تیرا گھر میں۔"

"او خدا کے واسطے اماں۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا جھلاتے ہوئے۔

"مجھے مت پڑھا یہ فلسفے، مت پڑھا، جینے دے بس جی رہا ہوں کافی ہے۔"

"اے فیروز نہ کر ماں کے ساتھ بھلا، سمجھا رہی ہوں تجھے تھوڑا سدھر بھی جا۔"

"دیکھ میں تیرے آگے ہاتھ جوڑ رہا ہوں، مجھ سے نہ کر ایسی باتیں، میں ایسا ہی بھلا ہوں، ایسی باتیں کرتی ہے تو گھٹ چڑھ جاتی ہے مجھے، یہاں۔" اس نے گلے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"گاتا ایسا ہے جیسے کوئی روگ لگا بیٹھا ہو جی کو کم بخت۔" وہ سبھاگی کے ساتھ جیجی کے بند کمرے کی طرف جانے گیں جہاں پیٹی رکھی ہوئی تھی۔

"رب تجھے ہدایت دے فیروز شاہ، رب تجھے ہدایت دے، تیرا گھر وسے (بسے) تیرا گھر آباد ہو، تیرا ویڑا وسے تیری اولاد ہو، تو اولاد کے سکھ اٹھائے، رب تجھے اولاد کے دکھ سے بچائے۔" کہتے ہوئے رو پڑی تھی، جیجی کی بات یاد آ گئی تھی۔

"خدا بندے کو اولاد تو دے، پر اولاد کے دکھ سے بچائے رکھے۔" جیجی بھی کہتے ہوئے رو پڑی تھی اور تب خیری نے کہا تھا کہ۔

"جیجی روتی کیوں ہیں، پناہ مانگ رہی ہیں تو رو کیوں رہی ہیں۔"

"تجھے کیا بتاؤں مائی خیری، جب اولاد ملے تو اس کے سکھ دکھ سب ملتے ہیں، جو اس کا حصہ ہوتے ہیں، اس کے نصیب کا حصہ ہوتے ہیں، سب ملتے ہیں۔"

"تو جیجی آپ نے ہی تو کہا تھا کہ پناہ مانگنے سے دکھوں کی تھیلی جھڑتی ہے، وزن کم پڑ جاتا ہے۔"

"ہاں مائی تبھی تو مانگتی ہوں۔"

"اور وہ جب خود بڑھاپے کی دہلیز پر آئیں تو پتہ چلا کہ وقت کیا ہوتا ہے، دکھ کیا ہوتا ہے اور سکھ کی حاکمیت کیا ہوتی ہے، جوانی کا نشہ کیا ہوتا ہے، جیسے منہ زور گھوڑا، جو مستی میں اتھراتا ہے، جو مست ہوتا ہے اور جب لگام کسی جاتی ہیں یہ گھوڑا اہنہنا کر چپ ہو بیٹھے، جوانی کی مستی کا زور ٹوٹنے لگے، تو اور ہی لئے ہوتی ہے اور ہی سر، جو کہ مدھم پڑ جاتے ہیں، تو انسان کی ساری مستی بھک سے اڑ جاتی ہے اور بڑھاپے کی ڈھال چال لڑکھڑانے لگتی ہے، اکڑفوں ختم ہو جاتی ہے اور تب پہلی بار انسان نہ صرف جسمانی طور پر خود کو تھکا ہوا محسوس کرتا ہے بلکہ ہر شے جھکی محسوس ہوتی ہے، درخت کی ٹہنی کا وزن معلوم پڑتا ہے، خود اپنی ذات کا بوجھ انسان لے کر پھرنے لگتا ہے، اپنے ساتھ، خود اپنا بوجھ لے کر پھرنے لگتا ہے ساتھ۔"

☆☆☆

اس نے سارنگ کی معصوم کے ساتھ فون پر بات کروا دی تھی، چھ ایکٹر میں سے دو پر بھاتی نے اسے بچانے کے لئے کہا اور چار کا سودا کر لیا، معصوم درمیانی قیمت پر راضی ہو گیا، دو کی رقم ایڈوانس دینے کی بات کی اور دو کی سال بھر بعد پر بھات نے سارنگ کو راضی کر لیا، اسے پتہ تھا وہ ساری رقم اگر ایک ہی سال میں خرچ کر بیٹھا کچھ معاملات میں تو آگے اسے اسٹیبل ہونے میں کچھ وقت لگنا تھا، تب تک وہ کیا کرتا، دو ایکڑ جو بچائے تھے وہ معصوم کو بھی رینٹ پر دے دیئے کہ اس علیحدہ رقم سے اس کے گھر کا راشن آتا ہے اور جب وہ آباد کرنا چاہے یہ دو ایکڑ تو چھ سات ماہ میں فصل اترنے کے بعد یا سال بھر بعد یہ دو ایکڑ لے سکتا ہے واپس اور خود آباد کر سکتا ہے، سارنگ کو سودا مناسب لگا تھا۔

معصوم نے رقم سارنگ کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کرانا چاہی تو اکاؤنٹ بند ہونے کا سن کر اسے افسوس سا ہوا اور احساس بھی کہ وہ گھر سے باہر تو نکلا نہیں تھا اس لئے ممکن تھا کہ بیرونی

"ایسے لگتا ہے جیسے کوئی پھانسی کا پھندہ لگا رہا ہے مجھے، بس نہ کر مجھ پر۔" وہ جب سے اسے دیکھنے لگیں۔

"کیسی باتیں کر رہا ہے تو فیروز۔"

"ایسی ہی کرتا ہوں جیسی کرنی آتی ہیں، ایک تو تجھے لفظوں کی پٹاری لگی ہوتی ہے، لفظوں میں نہیں جیت سکتا تجھ سے، میں نہیں کرنی آتیں، مجھے ایسی باتیں، رحم کر مجھ پہ بوجھ نہ ڈال۔" ان کا تعجب افسوس میں بدل گیا، اس کا باپ بھی ایسا ہوتا تھا، الجھا اور چڑچڑا، بے رنگ اور خشک۔

جانے کیوں حویلی میں آنے والی عورتوں کی زندگی ایسی گزرتی ہے، بے رنگ، اجاڑ، بے بھروسہ، اور سپاٹ، لمحے کو انہیں آنے والی لڑکی سے ہمدردی سی محسوس ہونے لگی تھی۔

"باپ پر ہو فیروز شاہ، مقدر جلا آنے والی کا۔" وہ بے دم سی ہو کر اٹھنے لگیں بڑبڑاتے ہوئے۔

"تو پھر مت جلا، دے دے جواب، مجھے نہیں فرق پڑتا۔"

"توبہ کر فیروز زبان دے کر اور زبان لے کر کیا پھرنا، بس ماں کی خواہش پوری کر لے سہرا سجا چہرے پر، گھر میں دولہن آئے۔"

ہو سکتا ہے کہ حویلی میں کوئی خوشی کی مہک جاگ اٹھے۔

ہو سکتا ہے کہ دیواریں کھل اٹھیں گھر کھیں، ذرا رونق آئے، ہو سکتا ہے کہ ہم آدھے ادھورے لوگ بھی کچھ گھڑی خوش رہ لیں۔

"تو نہ اپنا اپنی باتوں سے ماں، جو چاہے کہہ لے۔"

"ہاں پت تجھ پر تو اثر ہونا نہیں ہے، اس لئے میں جو چاہے کہوں، تجھے کیا، بس شکر ہے مالک کا، نہ ہونے سے ہونا بھلا۔"

"بس ایک احسان اور کر کہ شادی کی ذمہ داریاں اچھے سے نبھا۔"

"او معاف کر دیں ماں جی، گھر میں عورتیں باہر اسلم سے اسے کہہ دے سارے کام، زمین کے پیسے بھی تیرے پاس چابیاں بھی تیرے پاس، سب کر جو کرنا ہے، مجھے بس دن یاد دلا دینا، جس دن بارات ہے، اپنے کپڑے تو خرید لے فیروز شاہ۔"

"اسلم لے آئے گا وہ بھی، میری جان چھوڑ۔" وہ سخت بیزار تھا، حالانکہ عام دنوں سے وہ خاصہ بہتر تھا۔

آج نشہ بھی نہیں تھا لیکن حالت تب بھی ویسی تھی۔

"تجھے میں نہیں بدل سکتی فیروز شاہ، وہ آ کر بدلے تو اس کا نصیب ہے۔"

"اے بھاگی، چھوری آ، پیٹی سے سامان نکال کر دیکھیں۔" وہ چھڑی تھام کر اٹھیں۔

اور فیروز دوبارہ لیٹ گیا اور جھولنے کو ہوا دے دی، اب دیسی جھولا، زور سے دائیں بائیں جھولنے لگا تھا اور وہ بلند آواز میں گانے لگا تھا۔

روندے عمر نبھائی
یار دی خبر نہ کائی

معمولات ڈسٹرب ہوئے، وہی طور پر اس نے رقم کا چیک لے کر اپنے اکاؤنٹ میں جمع کروا دیا تھا، اسے کل سارنگ کو بینک لے جا کر یہ معاملات بھی درست کروانے تھے، لیکن فی الفور اسے گھر تک پہنچتے پہنچتے شام ہو ہی گئی تھی۔

اسے پتہ تھا کہ سکھاں بے چینی سے انتظار کرتی ہو گی، سندس کو یا انہیں راستوں کا ٹھیک پتہ ہوتا تو شاید وہ نکل ہی جاتیں گھر پہنچی تو سکھاں کا چھوٹا سا تھیلا باہر لاؤنج کے دروازے کے پاس ہی رکھا تھا اور وہ خود بے چینی سے وہیں بیٹھی ہوئیں تھیں ڈائننگ میز کے پاس، سارنگ اور سندس بھی تھے۔

سارنگ سے پہنچتے ہی اس نے طبیعت کا اور چیک اپ کا احوال لیا تھا، اس چند منٹوں کی گفتگو کے دوران بھی اس نے سکھاں کے چہرے پر بلا کی بے چینی دیکھی۔

''سوری پھپھی اماں، دیر ہو گئی۔'' اس نے سارنگ کی طرح انہیں مخاطب کیا تھا۔

''میں نے تمہیں کہا تھا کہ شام مت کرنا۔''

''میں نے آپ کو کہا تھا کہ کل کے روز میں آپ یہاں سے نکلیں گی اندازہ تھا کہ شام تو ہوتی ہی ہے، کام جو اتنے تھے، لیکن کوشش بہرحال کی تھی مگر ہو نہ سکا، بس دس منٹ میں نکلتے ہیں میں ذرا شاور لے لوں اور سندس ایک کپ چائے کا میرے لئے بھی بنا دو تازہ۔''

''یعنی کے آدھا پون گھنٹہ گیا۔'' سندس کہتے ہوئے مسکراتے اٹھی تھی، اس کا اشارہ پھپھی کی بے چینی کی طرف تھا۔

''تمہیں کیا اعتراض ہے بھلا؟'' وہ خود ہنس پڑی تھی، سکھا کی بے زاری دیکھ کر۔

''وہ کہتے ہیں نہ کہ مرے ہوئے ہیں زندوں کے بس، سو یہاں بھی یہی معاملہ ہے۔'' سکھاں نے بے بسی سے کہا۔

''میرا بس چلے تو میں ادا سارنگ کے ساتھ یہیں ٹھہر جاؤں۔'' سندس نے کچن کی طرف جاتے ہوئے کہا تو سکھاں نے اسے گھر کا۔

''تو ٹھہر جاؤ میں تو خوش ہوں بہت۔'' پربھات نے کاغذ زمینی کاروائی کے سارنگ سے سائن کرواتے ہوئے کہا۔

''اب اس کی ایک کاپی دیں گے معصوم کو، ایک تم رکھنا، ایک تم بھی رکھ لینا، کیونکہ مجھ سے کبھی کبھار کاغذ اوپر نیچے ہو جاتے ہیں۔'' سارنگ نے اس سے معصومانہ انداز میں کہا تو وہ مسکرائی۔

''ضرور رکھ دوں گی، فکر نہ کرو، اور سنبھال کر رکھوں گی، بس تم ٹھیک ہو جاؤ، فی الحال یہ میں اپنے پرسنل ڈراؤ میں رکھتی ہوں تا کہ صبح اگر تم سوئے ہوئے ہو تو میں نکلتے وقت تمہاری نیند نہ خراب کروں پیپر لینے کے لئے۔''

''ویسے سارنگ سوچو ذرا اگر میں رقم لے کر کہیں بھاگ گئی تو؟'' اسے اٹھتے ہوئے شوشا سوجھا۔

''اپنے گھر میں کر ایسی بات کر رہی ہو، سوچو اگر میں چوری کر کے تمہارے گھر سے نکلا تو کیا کرو گی۔''

''اب ایسا بھونڈا مذاق بھی مت کرو۔'' وہ کہتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف جانے لگی۔

''ایسا نہ ہو کہ سندس کی چائے بن جائے اور میں یہیں کھڑی رہوں، ابھی آتی ہوں دس منٹ، نہیں بلکہ اس سے کچھ جلدی۔''

اور وہ جب بارہویں منٹ میں فریش ہو کر باہر آئی تو سارنگ نے گھڑی کی طرف اشارہ کیا، سندس ایک منٹ بعد چائے لائی تھی۔

''وہ میں تمہارا کپ ڈھونڈ رہی تھی جس میں تم چائے پیتی ہو۔''

''بالکل نچلے کیبنٹ میں پڑا ہوا تھا۔''

''سندس تم تو بہت سعادت مند ہو یار، شادی کے بعد خوش رہو گی۔'' وہ بڑے اطمینان سے چائے پی رہی تھی اور سکھاں پر جیسے وقت بھاری بن کر گزر رہا تھا۔

''آپ پریشان مت ہوں گاؤں جلدی پہنچ جائیں گے، بس چلیں۔'' اس نے آدھا کپ وہیں چھوڑا چائے کا اور اٹھی۔

''تم اب چائے پی لو پوری، پھر چلتے ہیں۔''

''نہیں بس تھکن اتر گئی کافی، چلیں، سامان تو پیک ہی ہے نہ۔''

''نہیں پہلے پی لو، رزق کو ضائع نہیں کرتے، میں ایسا کرتی ہوں مغرب پڑھ لیتی ہوں، تا کہ نماز نہ جائے، اذانیں ہونے والی ہوں گی، تب تک وضو کر کے تسبیح کر لوں گی۔'' وہ کچھ اطمینان ظاہر کرتے ہوئے اٹھیں، تو پربھات کو ذرا تسلی ہوئی، اس نے اٹھ کر فریج سے کیک کے دو پیس بھی نکال لئے تھے۔

''تم نے کھانا نہیں کھایا تھا نا۔'' سارنگ نے فکر مندی سے کہا۔

''نہیں کھانا تو یاد ہی نہیں رہا، لیکن معصوم کے ہاں دو سموسے اور چائے کا کپ لے لیا تھا، لیکن ابھی بھوک محسوس ہو رہی ہے تو سوچا وقت کا فائدہ لے لوں، تم بھی لو نا، ویسے سارنگ پھپھو کو پہنچنے کی اتنی جلدی کیوں ہے؟ آج تو انکل بھی کچھ بہتر نظر آ رہے تھے، تسلی ہوئی اصرار نے وڈیو کال کی تھی کیونکہ جا تو نہیں سکی تھی ہسپتال میں، اس لئے سوچا دیکھ لوں۔''

''تم کتنی کیئرنگ ہو نہ پربھات، کتنا خیال رکھتی ہو سب کا۔''

''تعریف کسے اچھی نہیں لگتی سارنگ شکریہ۔'' اس نے کہتے ہوئے آدھا پیس اس کی طرف سرکا دیا تھا، وہ آج بہت اطمینان محسوس کر رہی تھی آدھے کام نمٹا آئی تھی تو اچانک خیال آیا کہ شفعیت کو فون کرے، لیکن تب تک سکھاں نماز پڑھ کر آ گئیں تھیں، اس نے سوچا چلو انہیں ڈراپ کرنے کے بعد آسانی سے فون کر لے گی۔

''میں سوچ رہی تھی اگر صبح تک انتظار کرتے تو بڑی گاڑی میں چلے چلتے، کیونکہ ابھی گاڑی کی بیٹری اور ٹائر بھی مجھے خدشہ لگ رہا ہے، طویل سفر پہ دھوکہ ہو سکتا ہے۔''

''نہیں اب اللہ خیر رکھے گا، چلو۔'' سکھاں نے چادر لے لی تھی، سندس نے دوپٹہ سر پر لے لیا اچھے سے اور بیگ اٹھایا، سارنگ نے بے ساکھی تھامی۔

''تم ٹھہرو بیٹھے رہو سارنگ۔'' سکھاں نے ٹوکا۔

"دروازے تک تو چل ہی سکتا ہوں میں چھوڑنے۔"

"اپنا خیال رکھنا سارنگ۔" سکھاں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"میں یہاں بہت سیف ہوں، آپ اپنا بہت خیال رکھیے گا، آپ کے اکیلے پن کا احساس نہ ہوتا تو میں سندس کو روک لیتا کیونکہ پرجھات پر بہت ذمہ داری آجاتی ہے۔"

"تم فکر مت کرو کل ملازم آجائے گا تو وہ تمہارا خیال رکھے گا اور کمپنی بھی مل جائے گی تمہیں۔" اس نے نکلتے ہوئے سارنگ کو تسلی دی تھی، وہ لوگ لاؤنج سے بیرونی گیٹ تک پہنچے ہی تھے کہ باہر کسی گاڑی کے ہارن کی آواز آئی، پھر گاڑی رکی اور کسی کے اترنے کی آواز، پرجھات نے آگے بڑھ کر ذرا تیزی سے گیٹ کا دروازہ کھولا تو ششدر رہ گئی، سامنے گاڑی سے ڈاکٹر نعمان اور شفیعت کے ساتھ ابا اتر رہے تھے، وہ بے ساختگی میں دروازے سے باہر نکل کر ان کے قریب آ کر پہلے انہیں غور سے دیکھا اور ان کے بازو پیشانی چہرے کو چھو کر تسلی کر لی کہ وہ زندہ سلامت لوٹ آئے ہیں، چہرے پر نقاہت کے آثار ضرور تھے لیکن اسے دیکھنے کی خوشی بھی آنکھوں میں چمکی تھی۔

"ابا.....!" وہ لپٹ گئی ان سے۔

"مجھے یقین نہیں آرہا اتنی اچانک، پر شکر ہے آپ آگئے بتایا کیوں نہیں۔" وہ اب نعمان کو سلام کرنے کے بعد شفیعت سے مل رہی تھی۔

سارنگ نے تشویش سے سندس کی مدد سے مین گیٹ پورا کھولا تھا کہ جو مہمان اچانک آئے ہیں۔

☆☆☆

"تم کتنی خوش نصیب ہو کہ تم نے کبھی عشق نہیں کیا۔"

"وہ سب لوگ خوش نصیب ہوتے ہیں جو عشق نہیں کرتے اور عشق کیے بغیر مر جاتے ہیں، وہ لوگ درحقیقت خوش نصیب ہوتے ہیں۔" اس نے بڑے دنوں بعد آج ایک ادھوری کہانی کی دھن چھیڑ دی تھی۔

"تم ان سب میں کیوں لگی ہوئی ہو رہا ہی؟"

"تمہاری شادی ہے، اس کی تیاری کرو، ماں عام ماؤں جیسی سادہ تھی۔"

وہ عام بیٹیوں کی طرح عام ماؤں جیسی ماں کو دیکھنے لگی۔

"کیا تیاری کروں اماں؟"

"کپڑے بنا کے رکھو، ٹھیک سے، پھول کاڑھنے کا وقت ہوتا تو میں تمہیں کہتی دوپٹے پر پھول کاڑھ یاد ہے کچھ سال پہلے تو کتنی اچھی کڑھائی کرتی تھی۔"

"پھر جو باسی سلیمت سے جو کچھ سیکھا تھا تو نے، سب بھول گئی ہے کیا رہا ہی۔" وہ خود ہی کہتے ہوئے افسردہ ہو گئیں۔

"وہ سب پرانے شوق تھے اماں، سال کھا گئے انہیں۔"

"یہ نہ کہو دھی رانی، سال زیادہ نہیں ہوتے، ایسا کرے گی تو اچھا نہیں ہوگا، ماں کا دل رکھ

لے۔"

"کیا کروں، پھول کاڑھوں اماں، پھول کاڑھنے لگوں گی تو کانٹا لگ آئے گا۔"

"ایسی باتیں نہ کر رہا ہی، پھول اگانے سے پھول ہی کھلتا ہے، کانٹا بھی تو ساتھ ہوتا ہے اماں۔"

"تو بھی نہ رہا ہی بس حد ہی کر دیتی ہے، مشکل باتیں کر کے ماں کی جان جلاتی ہے، میں کہتی ہوں چھوڑ کتابوں کی جان گھر کی کر۔"

"اماں ماں بن ساس نہ بن، ماں ماں ہوتی ہے، ساس ساس ہوتی ہے، ماں اگر ساس بن گئی تو پھر ماں کہاں سے لائی جائے گی۔"

"ساس فضیحت نہیں کرتی رہا ہی، ماں کرتی ہے۔"

"ماں کا کام نصیحت کرنا ہے، اسے کرنے دے، نصیحت نہ کروں تو.....تو سدھرے گی کیسے۔"

"تو مجھے سدھارنے نکلی ہے رہا ہی، حد کرتی ہے۔"

"ٹھیک کہتی تھیں بڑی چچی ماں کہ اولاد جب ماں پہ کو غلط کہنے لگے تو سمجھو کہ قیامت ہی آنے والی ہے۔"

"بس ٹھیک ہے نہ اماں، سمجھو قیامت آ ہی گئی ہے۔" اس نے میگزین ترتیب سے رکھنا شروع کر دیے تھے، اس کے اندر تو قیامت چل رہی تھی جسے اس نے یکسر فراموش کر رکھا تھا اور اسی وقت اس کے فون پر پبل ہوئی، جو کیے بعد دیگرے تو اتر سے ہوتی رہی۔

"دیکھ کس کا فون ہے؟ ہر وقت بجتا رہتا ہے، جب بھی تیرے پاس ماں آ کر بیٹھے اس نے بجنا شروع کر دیتا ہے۔"

"توبہ کراماں، اب اس بیچارے سے بھی دشمنی لے گی کیا۔" اس نے فون اٹھایا تو آواز نہ آشنا تھی۔

"مس رہا ہی بات کر رہی ہوں؟" وہ خاموش رہی لمحے کے لئے۔

"میں اخبار کے دفتر سے بات کر رہا ہوں جی، آپ کی نظمیں ہم نے سنڈے ایڈیشن سیکشن میں لگائی ہیں۔"

"اوہ.....جی.....شکریہ" وہ سمجھ نہ سکی کہ فی الفور کیا کہے کسی بھی ادارے سے اس کے لئے پہلی کال تھی، کیونکہ اس سے پہلے ایک تو وہ نام بدل بدل کر لکھتی رہی تھی اور پھر فون نمبر نہیں دیتی تھی۔

"کسی کو پتا چل گیا تو سمجھو کہ قیامت آ گئی ہے۔"

"بس ٹھیک ہے اماں تو پھر سمجھو کہ قیامت ہی آ گئی ہے۔" اس نے رسالے ترتیب سے رکھنا شروع کر دیئے تھے۔

"قیامت تو ویسے بھی چل رہی ہے، کس نے دیکھی، بس سہی گئی ہے۔"

"تیری شادی ہو رہی ہے رہا ہی، تو خوش کیوں نہیں ہے۔"

"شادی کر رہی ہوں اماں، اب خوش ہو کر بھی دکھاؤں کیا، جوکر ہی بن جاؤں پھر تو۔"

"رہا ہی لڑکیاں تو پاگل ہو جاتی ہیں خوشی سے۔"

"اماں میں اگر پاگل ہوئی تو خوش ہو جاؤں گی، مجھے خوش ہونے کے لئے پاگل ہونا پڑے گا اماں، مجھے ابھی تھوڑا بہتر رہنے دے، پاگل پن کو چھوڑ، جی رہی ہوں نہ جینے دے۔"

"رہا ہی، ایسے نہ کر دھی۔"

"اماں، ایسے نہ کر ماں، کتابیں رکھنے دے، پڑھنے دے، پھر تھوڑی دیر میں بچے پڑھنے آ جائیں گے، گوٹھ کے۔"

"بچوں کی چھٹی کر دے اب رہا ہی، دن ہی کتنے رہتے ہیں، ہاتھ بٹا میرا کام کاج میں۔"

"ہاتھ بٹانے کو اور لوگ بھی ہیں، مجھے اپنے حصے کا کام کرنے دے۔"

"کر تو رہی ہوں نہ شادی اماں۔" وہ بے چارگی سے دیکھنے لگی تھی، اسی وقت فون بجا تھا، اس نے تیسری بیل پر اٹھا لیا۔

"ہیلو۔" اسے امید تھی کہ پربھات ہو گی۔

"ہیلو مس رہا ہی، السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام، میں جی آپ کون؟"

"میں جی اخبار کے دفتر سے بات کر رہا ہوں، کلیم نام ہے میرا آپ کی نظمیں اسپیشل سنڈے سیشن میں لگائی ہیں۔"

"اچھا..... اچھا، شکریہ جی آپ کا۔"

"تو آپ مزید بھی کچھ بھیجئے نہ ہمیں۔"

"جی ضرور، ضرور دیکھوں گی۔"

"آپ کی شاعری بڑی منفرد لوحیت کی ہے مس رہا ہی۔"

"اچھا شکریہ جی۔" فی الفور اسے سمجھ نہ آیا کیا کہے۔

وہ بندہ اور بھی بہت کچھ کہہ رہا تھا اس کی تعریف میں، نظم کا وزن ترنم، خیال وغیرہ، فون رکھ کر اس نے پربھات کو میسج کیا۔

"اخبار کے دفتر میں تم نے نمبر دیا ہے؟" بغیر سلام دعا کے اس نے پہلا میسج ہی بے ساختگی میں یہی کیا تھا۔

"ہاں۔" وہاں سے مختصر جواب آیا۔

"مجھ سے پوچھ لیتیں۔" بے بسی تھی۔

"کس لئے؟" وہ عجیب تھی۔

"میرے لئے مصیبت آ سکتی ہے۔"

"کیوں آئے گی؟"

"شادی ہونے والی ہے میری پربھات، اخبار کے دفتر والے چکر چلانے کے لئے فون نہیں کرتے، بے فکر رہو۔" اس نے فون لگا دیا اسے، لیکن اس نے اٹھایا نہیں۔

"فون اٹھاؤ۔"

"نہیں اٹھاؤں گی۔"

"کس لئے؟"

"مصیبت آ سکتی ہے میرے لئے۔" پربھات کا میسج آیا۔

"چکر چلانے کے لئے فون نہیں کر رہی میں۔"

"چکر چلانے کی ہمت ہے تو چلا لو، پیچھے نہیں ہٹوں گی۔"

"ہاں پتہ ہے حبیب شاہ کی بیٹی ہو۔" رہا ہی کے ٹیکسٹ پر دوسری طرف وہ چونکی تھی، کیونکہ وہ اس کے سامنے ہی تو لیٹے تھے۔

"وہ تو ہوں، کوئی شک ہی نہیں ہے، شیر کی بیٹی ہوں۔"

"شیر۔" اس نے خود ہی زیر لب دہرایا تھا۔

"بعد میں بات کرتے ہیں رہا ہی، ابھی ہوئی ہوں۔"

"مجھ سے زیادہ ابھی ہوئی ہو کیا؟"

"شاید تم سے زیادہ ابھی ہوئی ہوں۔"

"ابھی کیا ہے؟"

"سمجھ گئی تو بتاؤں گی۔"

"تو سمجھے تو بتانا، سمجھنے کے بعد کیا فائدہ۔"

"ٹھیک ہے، فون کروں گی رات تک۔"

"انتظار کروں گی۔" رہا ہی نے میسج چھوڑا اور فون رکھ کر باہر نکل گئی تھی، پڑھنے کے لئے بچے آ گئے تھے اور انہیں کام دے کر اسے کچن دیکھنا تھا۔

ماں نے ریشمی کپڑے باہر تخت پر پھیلائے ہوئے تھے، پڑوسن سے مشورہ لے رہی تھیں۔ کسی کا گوٹہ کناری لگنی تھی، کسی کی ٹمش رہتی تھی تو کسی دوپٹے کی لچھے دار لیس، رنگ کون سا کس پر کیسے جچے گا، وہ بڑی سنجیدگی سے پوچھ رہی تھیں۔

تھوڑی دیر کے لئے اسے ماں بچاری پر رحم سا آ گیا تھا۔

"کس شکل میں ڈال رہی ہیں خود کو۔" سوچا آگے بڑھ کر روکے لیکن پھر سوچا کہ اتنی خوشی پر تو ان کا حق ہی ہے، وہ جو چاہیں کریں، بس مجھے نہ ساتھ لگائیں، کل تو غصے میں ماں نے یہ تک کہہ دیا کہ پھر شادی بھی چل میں ہی کر لیتی ہوں تیری جگہ، تو وہ پھوٹ پھوٹ کر ہنسی اور کہنے لگی۔

"مجھے اعتراض نہیں ہے ابا سے پوچھ لیں۔" اس پر انہوں نے اسے گھورا اور شاید سنایا۔

"میں بھی تیرے لئے ناسور ہوں اماں۔" انہیں کا کہا ہوا جملہ خود دہرانے لگی تو ان کی آنکھوں میں پانی سا آ گیا تھا۔

"میں کہوں تو ماں ہوں، تجھے یہ کہنے کا حق کس نے دیا؟ آئندہ کہا تو تھپڑ مار دوں گی۔"

ماں کی بچپن کی مار یاد آئی۔

"پھر تو مار لینا، ضرور کہوں گی۔"

"ماں کے دل سے کھیلتی ہے تو رہا ہی۔"

"ماں کے دل سے، کھیلتی ہوں، میں تو اپنے دل سے کھیل گئی ماں۔"
"مت کھیل رباعی، انسان کی بچی بن۔"
"وہی تو بنی ہوئی ہوں اماں، انسان کی بچی نہ بنی ہوتی تو تو میری شادی کے جوڑے کے بجائے کفن کی تیاری کرتی۔" اور ماں نے ایک بھی نہیں دو تھپڑ جڑ دیئے تھے اور جڑنے کے بعد رو پڑیں دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر۔
"معاف کر دے اماں، رومت پلیز معاف کر دے، اب نہیں کہوں گی ایسا۔"
"بار بار کہتی ہے تو رباعی، کئی بار کہا ہے۔"
"اب نہیں کہوں گی، بس کر کے دکھا دوں گی۔" دوسرا جملہ اس نے زیر لب کہا تھا لیکن ماں نے لرز کر دیکھا تھا اور خود کو پیٹنے لگیں، یہ بے بسی کی انتہا تھی۔
"کیا کر رہی ہے اماں، چری ہو گئی ہے کیا، پاگلی، نہ کر، نہ کر۔" وہ ماں کے ہاتھ پکڑتے ہوئے خود رو پڑی تھی۔
"نہ کر اماں۔"
"تو نے کیا کہا رباعی، تو نے یہ کیا کہا۔"
"اماں تو نے سنا تو نہیں نا۔"
"میں نے سمجھا تو نے کیا کہا، آئندہ مت کہنا۔"
"نہیں کہوں گی ماں۔"
"سوچنا بھی مت رباعی۔"
"نہیں سوچوں گی ماں۔" وہ جھوٹا دعوا کر بیٹھی تھی اور ماں تھی کہ سوچوں پر ہی مہر لگانے لگی تھی اور ابھی کتنی تسلی سے سب بھول بھلا کر اس کے جہیز کے لئے کپڑے نکال بیٹھی تھی۔
بار بار کپڑوں کو ایسے نکال کر دیکھتیں جیسے انہیں یہ لمحہ نصیب ہو بھی کہ نہیں، اس لئے بس نہیں چلتا تو وہ لمحے کو پکڑ رکھتیں، یہ چند دن نکالنا بھی ان کے لئے دشوار تھا۔
رباعی اچھی طرح ان کے دل میں پلنے والے خوف سے باخبر تھی، لیکن وہ اپنے دل کا کیا کرتی، جہاں پر کچھ نہ تھا، سوائے خالی پن کے، جہاں سے ہوک اٹھ رہی تھی، جیسے راکھ اڑنے کے بعد صحرا کا سماں ہوتا ہے، اجڑا، اکھڑا، ویران سا۔

☆☆☆

گھر میں ایک قسم کا سکوت چھا گیا تھا جو آنا فانا داخل ہو گیا تھا، ہر کوئی کچھ سوالات کی بنت میں مصروف تھا، خود سے جھگڑا، خود سے جنگ سکھاں اور سندس کو وہ چھوڑ آئی تھی، اسٹیشن تک، سارے راستے سکھاں گم صم رہی اور بڑبڑاتی رہی، کتنا کہا تھا کہ صبح سے شام نہ کرنا، شام ہو گئی، بس ایک نہیں ہوئی زندگی کی شام۔
وہ انہیں چھوڑ کر لوٹی تو لاؤنج میں جیسے خاموشی چھائی ہوئی تھی شفیعت اپنے کمرے میں چلی گئی تھی، لاؤنج میں تین بندے تھے ایک نعمان، ایک حبیب اور ایک سارنگ، اسے اندازہ تھا کہ سب سے زیادہ گلٹ اور الجھن کا سارنگ شکار ہوگا، اسے دیکھتے ہی جیسے اس کی جان میں ایسے

جان آئی کہ جیسے اجنبیوں کے درمیان کوئی اپنا شناسا لوٹ آیا ہو۔
"تمہیں دیر ہو گئی۔" وہ بے چینی اور بے ساختگی سے بول پڑا۔
"ہاں، وہ سوچا کھانا بھی لے لوں راستے سے، ابا کے لئے ڈبل روٹی پھل وغیرہ، جہاز میں کہاں کھایا ہوگا کچھ بھی انہوں نے۔"
"میں کھانا لے آتا، دھیان نہیں رہا۔" نعمان نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔
اس کا چہرہ بھی اترا ہوا تھا، جیسے وہ بہت کچھ سمجھ گیا ہو اور جیسے بہت کچھ سمجھنا چاہتا ہو۔
"کوئی بات نہیں، آپا کدھر ہیں، کھانا لگاؤں میں پربھات۔" سارنگ نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔
"کیا، تم ٹھیک تو ہو، طبیعت ٹھیک ہے، دوائی لی تم نے۔" وہ ایسے متفکر ہوئی تھی کہ حبیب نے حیرت سے اپنی حساس بیٹی کو دیکھا جس نے بغیر انہیں بتائے ان پر ظاہر کیے، ان کے پیچھے نئے دوست اتنی سچائی سے بنا لئے تھے۔
شفیعت تو خوب بھری تھی لیکن اب تک چپ تھی، پربھات کو اندازہ تھا کہ یہ سب شروع ہو گئے اس پر سے صرف خود کے خول سے ذرا نکلیں، اپنی جنگ سے جان چھڑا لیں۔
"میں ٹھیک ہوں، تم مجھے احرار کے پاس بھجوا دو، یا پھر چیزل کے، یا پھر ہسپتال، ابا کے پاس، صبح ویسے ہی میں ہسپتال چلا جاؤں گا، تم یہاں رہو بیٹے، ہماری موجودگی میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔" انہوں نے سارنگ کی خفت دیکھتے ہوئے تسلی دی۔
"ہاں سارنگ ویسے بھی تم میرے کمرے میں رہ رہے ہو، میں ابا کے ساتھ ہی رہتی ہوں، ان کے کمرے میں زیادہ تر کیونکہ ہم کسی بھی وقت رات کو اٹھ کر باتیں کرنے لگتے ہیں۔"
"صرف باتیں نہیں، یہ میرا اماؤں کی طرح خیال رکھتی ہے باقی لوگ تو ادھر ادھر ہو جائیں گے دن میں ہم دو اکیلے ایک دوسرے کا سہارا بنیں گے، باتیں کریں گے چائے پئیں گے، خوش رہیں گے۔" وہ خود بھی اس سے مانوس ہونے کی کوشش کرنے لگے تھے۔
"لیکن مجھے کہا تھا احرار نے کہ۔" سارنگ بچوں کی طرح گڑبڑایا تھا۔
"لیکن کچھ نہیں، احرار کے گھر میں ذرا مزا نہیں آئے گا تمہیں، آنٹی جاب پر چلی جاتی ہیں، وہ گدھا گھر پر ہوتا نہیں ہے اور اس کے ابا زید عالم کو اپنی تصویروں سے فرصت نہیں ہوتی کوئی ضرورت نہیں ہے، کہیں جانے کی، جتنے دن رہنے دیں یہیں رہو۔"
اسی وقت شفیعت کمرے سے نکلی تھی
"نعمان سامان میں نے نہیں کھولا، گھر چل کر کھولیں، کیب منگائی ہے، گاڑی تو گیراج میں تھی۔" شفیعت صرف نعمان کی طرف دیکھ رہی تھی۔
"تم کہاں جا رہی ہو شفیعت، تم تو کچھ دن یہیں تھیں۔"
"نہیں ابا، اب سنبھالیں آپ اپنی چہیتی کو اور یہ آپ کو، میری چھٹی کریں، کل ہسپتال بھی جانا ہے۔"
"شفیعت کچھ دن یہیں رہو بچے۔"

''نہیں ابا پلیز، گھر جا کر دیکھوں فکر ہو رہی ہے، نہیں رہ پاؤں گی۔'' سارنگ نے نظریں جھکا لیں تھیں اور نعمان نے نوٹ کیا تھا۔

''آپا کھانا کھالیں، پھر چلی جایئے گا۔'' وہ کھانا لگانے لگی تھی میز پر۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' اس کا لہجہ خشک سا تھا۔

''آج رات تو یہیں رکو شفیعت کچھ تو باپ کی مان لو یار۔''

''باپ کی نہ مانتی تو علاج بیچ میں چھوڑ کر نہ لے آتی آپ کو، بہت شوق تھا سرپرائز دینے کا آپ کو، حیران کرنے کا۔'' وہ تلخی سے بولی تھی، ان کی کیفیت سے بے خبر، سارنگ خاموشی سے بے ساختہ سنبھالے اٹھا تھا۔

''پربھات تمہیں برا تو نہیں لگے گا اگر میں کمرے میں کھانا کھالوں۔''

''جہاں تم کمفرٹیبل محسوس کرو سارنگ، میں کمرے میں لے آتی ہوں تمہارا کھانا۔'' اس نے اس کی پریشانی دیکھ کر کہا، اسے رحم آ رہا تھا اس لمحے سارنگ کی حالت پر، وہ خاموشی سے کمرے میں چلا گیا تھا اور اس کے بعد شفیعت آ کر بیٹھ گئی کرسی پکڑ کر، نعمان اور وہ بھی اٹھ آئے تھے۔

''یہ بچہ بیچارہ کچھ زیادہ نروس ہو رہا ہے، کیوں۔''

''یہ ایسا ہے ابا، اسے اس کی مجبوری نے ایسا کر دیا ہے۔''

''حسین لاہوتی کی دلیری کے تو بہت چرچے ہیں، یہ اسی کا بیٹا ہے نہ، ہو سکتا ہے کبھی یہ بھی دلیر ہو۔'' وہ سارنگ کے لئے الگ سے کھانا نکال رہی تھی، اسی لمحے دونوں بہنوں کی نظریں ملیں تھیں اور شفیعت جیسے کچھ کھوجنے لگی کہ اس نے ایسا کیوں کیا ہے، یہ تو اندازہ تھا کہ وہ کچھ بجھ رکھتی ہے، لیکن کتنی اسے اب کھٹک سی ہونے لگی تھی۔

''حسین انکل کو بہت بری حالت میں بھیجا گیا ہے، سب بہت پریشان تھے ظاہر ہے، ان کے گھر والے، مجھے نامناسب لگ رہا تھا ان کا ہسپتال میں پریشانی کے عالم میں رہنا، لے آئی اور بہت کہنا پڑا سب کو، مجھے اگر اندازہ ہوتا آپ لوگوں کی جلدی واپسی کا یا پھر یہ کہ کسی کو ناگواری ہو گی تو شاید میں اتنے مان سے ان کو یہاں نہ لاتی۔'' وہ بہت آہستگی سے اور ٹھہر ٹھہر کر وضاحت دے رہی تھی کھانا کھاتے ہوئے۔

''تمہیں کس نے کہا کہ ناگواری ہوئی ہے۔'' وہ سوپ کے پیالے میں چمچ چلاتے ہوئے کہنے لگے۔

پربھات خاموش تھی البتہ شفیعت نے قدرے ناگواری سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''مجھے کیوں اعتراض ہو گا، یہ اب تمہارا گھر ہے میرے اختیار یہاں کب چلتے ہیں۔'' وہ خاصی تلخ تھی۔

''سوچا تھا خوشی خوشی جا رہے ہیں تو گھر پہنچ کر تو آج اپنے گھر میں ایک بہترین دن گزاریں گے، اب ایسا بھی کیا ہو گیا ہے، چلو مہمانوں سے ہی سامنا ہوا نہ، کوئی بات نہیں، باقی تو چلے بھی گئے۔'' نعمان نے اپنے تئیں بات کو ہلکا کرنے کی کوشش کی تھی۔

شفیعت نے سر جھٹک کر کھانا شروع کر دیا دوبارہ سے، البتہ حبیب کے چہرے پر پہلے کی

نسبت کچھ ٹھہراؤ تھا۔

''میں سونا چاہتا ہوں۔'' وہ سوپ کے کچھ چمچ لے کر اٹھے تھے، پربھات کو اندازہ تھا کہ انہیں تنہائی چاہیے ہے، تنہائی جس میں بیٹھ کر وہ اپنا غبار نکال سکیں، خود سے باتیں کر سکیں، اسے بس یہ فکر تھی کہ ان کی طبیعت نہ زیادہ خراب ہو، حالانکہ اس وقت چہرے کی ہوائیاں اڑی ہوئیں تھیں، کچھ سفر کی تھکن اور کچھ اس اچانک جھٹکے نے دیا کہ حواس جیسے باختہ ہو گئے تھے، چہرے پر ایک یاد آ کر لہرا گئی، آنکھیں بے چارگی رکھنے لگیں تھیں، لیکن اگلے ہی لمحے خود سے دور کہیں جیسے چپ چاپ جا بیٹھے اندر کرسی پر، لمحوں کا کھیل تھا کہ وہ بوکھلاتے ہوئے قدم دہلیز پار کر گئے اور جیسے کئی سوال، کئی باتیں کئی لمحے، ششدر رہ گئے تھے جن کی تاب لانا بھی مشکل ہی تھا، وہ اٹھے اور کمرے میں چلے گئے، نہ شفیعت نے کچھ کہا اور نہ اس نے، نعمان نے بے بسی سے بس دیکھا۔

''ابا دوائی کب لیں گے؟'' وہ خود ہی بول پڑا۔

''دوا کی ضرورت نہیں ہے نعمان، نیند آ جائے گی، اپنے گھر میں آ چکا ہوں، پربھات کو دیکھ لیا ہے، اب آ جائے گی، سب دیکھ لیا، اب تو نیند آ جانی چاہیے۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے کمرے کی طرف گئے تھے۔

کچھ لمحوں میں کچھ گرنے کی آواز آئی اور پربھات سمیت وہ تینوں ہڑبڑا کر اٹھے کہ انہیں کچھ ہو تو نہیں گیا، لیکن ٹکرا کر چیزیں گرنے کی آوازوں سمیت بے ساختہ اور کسی کے جیسے گرنے کی دھمک تھی کہ پربھات نے اپنے کمرے میں سارنگ کہتے ہوئے دوڑ لگا دی اور پیچھے وہ دونوں تھے اندر سارنگ میز سے ٹکرایا تھا، کچھ چیزیں بکھری تھیں اور ساتھ میں وہ اندھا پڑا تھا بے ساختہ گری تھی، وہ دیوانہ وار آگے بڑھی۔

''سارنگ کیا ہوا، سارنگ، نعمان آؤ پلیز۔'' نعمان آگے بڑھا اور اسے سیدھا کرنے کی کوشش کی، پربھات نے اس کا سر بے ساختگی میں ہلایا۔

''سارنگ اٹھو، کیا ہوا اٹھو نہ ہمت کرو۔''

''پربھات...... میں...... میری...... کمر۔'' اس نے سر اٹھایا تو پورا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا اور تکلیف کی شدت تھی۔

''پربھات میری کمر ٹوٹ گئی۔''

''نہ...... نہیں سارنگ ایسا نہیں ہے، تم کوشش کرو اٹھنے کی۔'' نعمان نے اسے پشت سے تھام لیا۔

''نہیں پربھات، میری کمر ٹوٹ گئی۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر بچوں کی طرح رونے لگا تھا۔

''نہیں سارنگ، کچھ نہیں ہو گا ہمت رکھو۔''

''شفیعت گاڑی بلاؤ جلدی۔'' نعمان نے حواس باختہ کھڑی شفیعت کو الرٹ کیا تو وہ فوراً باہر گئی فون کرنے کے لئے۔

''اٹھو سارنگ سیدھا ہونے کی کوشش کرو دوست، کچھ نہیں ہو گا، فکر نہ کرو۔'' وہ اسے پوری طرح تھام چکا تھا۔

''پربھات میں مرگیا، میں مر کیوں نہیں جاتا۔'' وہ سر جھکائے پربھات کا ہاتھ تھامے بچوں کی طرح بلک رہا تھا۔

نعمان نے اسے کچھ سیدھا کر کے خود پر اس کا وزن رکھا لیکن وہ مشکل سے ہل پا رہا تھا، نعمان کو بھی اندازہ ہوا کہ کمر کا کوئی مسئلہ ہوا ہے، اس کا چہرہ بجھ گیا تھا۔

حبیب اپنے کمرے میں گولی کھائے بے سدھ ایسے پڑے تھے جیسے کوئی شکست خوردہ آدمی خود سے سامنا نہ کرنے کی حالت میں تھکتا ہے اور ڈھے سے جاتا ہے خود سے ہی آنکھیں چرائے ہوئے۔

ایمبولینس تھوڑی دیر میں آ گئی تھی، نعمان نے ایک بندے کی مدد سے سارنگ کو اٹھایا اور گاڑی میں ڈالا۔

''تم ابا کے پاس رکو ہم جاتے ہیں۔''

''نہ...... نہیں سارنگ پریشان ہوگا میں اس کے ساتھ۔''

''مجھے معلوم ہے تم اس کی دوست ہو، لیکن میں ڈاکٹر ہو، اس کی ہڈی کا مسئلہ نہ ہو مجھے دیکھنا پڑے گا۔'' شفیعت نے اسے تقریباً ڈانٹا تھا اور جھڑک کر نعمان کے ساتھ خود بیٹھ گئی تھی، پربھات سے سارنگ کا سر تھپک کر اسے تسلی دی تھی۔

''میں تھوڑی دیر میں آ جاؤں گی، تم فکر نہ کرو۔''

گاڑی نکل گئی تھی اس نے اندر آ کر ملازم کو فون کیا تھا، گھر آنے کا، وہ اکثر کام کے بعد چلا جاتا تھا اور آج تو صبح ہی پربھات نے اسے چھٹی دے دی تھی کہ اندازہ تھا کہ سارنگ احرار کے ساتھ ہسپتال جائے گا اور باقی لوگ سفر کے لئے نکلیں گے تو ضرورت نہیں پڑے گی ملازم کی، وہ اندر کمرے میں آئی انہیں ایسے ہی بے سدھ لیٹے پایا، اسے بھی لگا کہ وہ گہری نیند میں ہیں، لیکن وہ جو پہلے ہی بوکھلائی تھی ان کے سسکنے کی آواز پر رکی اور قریب گئی ان کے وجود میں ہلکی ہلکی لرزش تھی۔

''ابا...... ابا...... آپ ٹھیک ہیں۔'' اس نے ان کا بازو ہلایا، وہ تقریباً اوندھے لیٹے تھے، کبھی شدید نیند میں وہ ایسے سوتے تھے، اس لئے پہلے اسے اندازہ نہ ہو سکا تھا۔

''ابا...... ابا جی...... کیا ہوا۔'' اس نے انہیں سیدھا کیا اور دھک سے رہ گئی کہ ان کا چہرہ بھی آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔

''ابا کیا ہوا۔'' وہ جو ضبط کیے ہوئے تھی۔

''پربھات۔'' وہ رو پڑے کہتے ہوئے تو وہ بھی رو پڑی۔

''کیا ہوا ابا جانی، کیوں رو رہے ہیں؟'' روتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''پربھات، مجھے ایسے لگ رہا ہے، جیسے میری کمر ٹوٹ گئی ہے۔''

''ابا۔'' اس نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا حیرت سے، اس جملے پر۔

''سب ٹوٹ گیا پربھات سب ٹوٹ گیا، سارے بت ٹوٹ گئے، سارے بت پربھات، سارے بت ٹوٹ گئے۔'' وہ بے بسی سے اس سے لپٹ کر رو پڑے تھے۔

اور اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس کا دکھ رو رہی تھی، خود کو ستر پوشوں میں چھپائے رکھتی شفیعت کا۔

سب کچھ ہاتھ سے کھسک جانے اور خود کو غیر اہم سمجھنے کے دکھ کے باوجود سنبھالے ہوئے شکایتی نظروں سے چوری چوری پرکھنے والے نعمان کا۔

سفر پر روانہ ہوتی دھواں اڑاتی آنکھوں میں بلکتے ہوئے مچلتے ہوئے بے دردی سے دھکیلے ہوئے آنسوؤں کو روندتی ہوئی سکھاں کا، اس کی بے چارگی کا۔

یا پھر سارنگ کی بکھرتی ہوئی آسوں، امیدوں میں پھیلی ہوئی شکست سے ٹوٹتے ہارتے ہوئے سارنگ کا یا پھر بے بسی کی انتہاؤں میں خود کو سنبھالتے ہوئے بکھر جانے والے معصوم فرشتوں جیسے دکھتے ہوئے باپ کا، کس کا دکھ رو رہی ہے؟

اور ان سب دکھوں میں اس کا اپنا دکھ کہاں ہے، کون سا ہے؟ یا پھر وہی ہے جو سب کا، فی الوقت تو وہ بے بسی سے انہیں ساتھ لپٹائے ہوئے رو پڑی تھی اور ان کی ایک ہی تکرار تھی کہ ٹوٹ گئے، سارے بت ٹوٹ گئے، پربھات سب ٹوٹ گئے، اور اس نے تائید کی کہ ہاں ابا سب ٹوٹ گئے، سارے بت ٹوٹ گئے، آج تو سارے ہی بت ٹوٹ گئے ہیں، آج تو سب ہی ٹوٹ گئے ہیں

شگفتہ شگفتہ ــــــ رواں دواں
ابن انشاء
اچھی کتابیں
پڑھنے کی عادت ڈالیں
اردو کی آخری کتاب
خمار گندم
دنیا گول ہے
آوارہ گرد کی ڈائری
ابن بطوطہ کے تعاقب میں
چلتے ہو تو چین کو چلیئے
نگری نگری پھرا مسافر
دخل در معقولات
بقلم خود
لاہور اکیڈمی چوک اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 37310797

اس نے ایسے انہیں ساتھ لگایا تھا، جیسے بچپن میں وہ لگا لیتے تھے اور وہ کہتی تھی کہ کھلونے ٹوٹ گئے رو کر ان سے لپٹ جاتی اور جب رونے میں شدت آ جاتی تو وہ بھی اس کی طرح رونے لگتے اور اسے خود سے لپٹا کر کہتے۔

''ٹوٹ گئے، ہاں ٹوٹ گئے، لیکن جڑ جائیں گے۔''

اور اسے تب ذرا برابر یقین نہیں آتا تھا جڑ جانے کا، تب بھی وہ ان کے منہ سے یہ سننا چاہتی تھی کہ جڑ جائیں گے اور اس لئے اس نے ابھی بے ساختہ کہا تھا کہ ٹوٹ گئے لیکن جڑ جائیں گے، انہوں نے سر اٹھا کر اس کی جانب بے بسی سے دیکھا تھا۔

''نہیں جڑ سکتے پربھات، صدیوں کے ٹوٹے ہوئے ہیں نہیں جڑ سکتے۔''

''جڑ جائیں گے ابا، کوشش تو کریں گے نہ جوڑنے کی، جڑ جائیں گے۔'' انہیں یاد آیا وہ بھی ٹیپ، ایلفی گلو سب لے کر بیٹھ جاتے تھے اس کے کھلونے جوڑنے کے لئے۔

انہیں اندازہ تھا کہ وہ بھی ایسا کرے گی، تقریباً کوشش تو کرے گی ہی جوڑنے کی، جیسے وہ جوڑتے تھے تو باوجود جوڑنے کے بے دم ہو کر لڑھکتے تھے، انہیں پتہ تھا وہ جوڑے گی تب بھی لڑھکیں گے۔

''پربھات نہیں جڑتے، پھر نہیں جڑتے، دل اگر ٹوٹ جائیں ایک بار تو پھر نہیں جڑتے۔''

اور اس نے اپنے ہاتھوں سے ان کا چہرہ تھپکتے ہوئے صاف کیا تھا۔

''کھلونے نہیں جڑتے ابا، لیکن دل تو اگر ٹوٹ بھی جائیں تب بھی جڑے رہتے ہیں تب بھی جڑے ہوئے ہوتے ہیں، ٹوٹنے کے باوجود بھی جڑے ہوئے ہوتے ہوئے، خود سے ٹوٹ بھی جائیں لیکن وہاں سے نہیں ٹوٹتے جہاں پر جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔'' وہ یکدم سے چپ ہو کر اسے حیرانی سے دیکھنے لگے تھے، وہ سچ ہی تو کہتی تھی۔

''نہیں جڑتے، ہاں جڑ سکتے نہیں۔''

''ٹوٹ گیا، سب ٹوٹ گیا، بکھر گیا۔'' انہوں نے تکیے پر سر رکھ دیا تھا، اس نے اٹھ کر ان کے لئے گلاس میں پانی لیا تھا۔

''سب گیا ہاتھ سے، سب گیا، کچھ نہیں رہا، عمریں گزر گئیں، لیکن وقت پھر سے سامنے لے آیا، وقت معاف نہیں کرتا پرانے حساب۔'' ان کا لہجہ چور چور تھا اور آنکھیں آنسوؤں سے بوجھل تھیں۔

''سب گیا، دل بھی گیا۔''

''بہت کچھ ملا، پر دل واپس نہ ملا پربھات، دل نہ ملا، وہ اسی دن گیا، اسی دن۔'' انہوں نے پانی کے صرف دو گھونٹ لئے تھے۔

''اسی دن جس دن اس نے کہا تھا کہ مرشد کہتا ہے جھوٹ بولو، میں جھوٹ کیسے بولوں۔''

''اسی دن جس دن اس نے عشق کا اقرار کیا تھا، ہامی بھری تھی، اور خود کو دوراہے پر لا کھڑا کر دیا تھا اور آپ دولہا بننے کے لئے گھر سے نکلے تھے نہ، ہیں نہ ابا؟''

''یہ ہونا تھا اور وہ بھی ہونا تھا جو تب میرے ساتھ کسی سراب کی طرح ہو کر گزر گیا، یہ سب ہونا تھا، یہ طے تھا، میں نے آج اسے برسوں بعد دیکھا، اسے برسوں بعد دیکھا، وہ بوڑھی ہو گئی ہے، تم نے پڑھ لیا ہے پربھات۔''

''ہاں ابا پڑھ لیا ہے سارا کچھ پڑھ لیا ہے میں نے لیکن اس کے آگے کیوں نہیں لکھا۔''

''پھر کیا ہوا، بتائیں نہ آگے کیا ہوا، پیچھے کیا ہوا، مجھے لگتا ہے شمع نے دعا کی ہوگی کہ آپ کا دل بدل جائے۔'' وہ اس بات پر چونک سے گئے۔

''شمع نے دعا کی، ہاں وہ دعا شمع نے ہی کی ہوگی، ہاں اسی نے کی ہوگی۔''

''لیکن قبول تو نہیں ہوئی نا ابا، کیا فائدہ، وہ بدل نہ سکی آپ کا دل۔''

''لیکن مقدر اس پر تو اس کی تلوار چل گئی، اس کی دعا کی تلوار چل گئی۔''

''ہوا کیا تھا، ابا جب آپ دولہا بننے کے لئے نکلے تھے، کیا دولہا بن کر نہیں لوٹے، اس نے تو اقرار کر لیا تھا نہ ابا، پھر کیا ہوا ابا، آگے کیوں نہیں لکھا۔''

''پربھات میں جب دولہا بننے نکلا، میں بہت خوش تھا، دولہا تو میں پھر بعد میں بنا، لیکن اسے میں نے کھو دیا۔''

''کیسے کیسے کھویا جب وہ خود بھی سب چھوڑ آئی تھی، تم نے اس سے کچھ نہیں پوچھا؟''

''نہیں میری ان سے بات نہیں ہوئی اس بارے میں، رات کہنے لگی کہ صبح ہوتے ہی مجھے یہاں سے نکالنا، صبح سے شام نہ ہونے پائے، مجھے اندازہ نہ تھا کہ ضد کیوں ہے، مجھے کیا پتہ کہ محبت میں خدشے اور وہم بھی ہوتے ہیں تو الہام بھی ہوتے ہیں۔''

''اب یہ ان کا خدشہ تھا کہ الہام، لیکن وہ شام سے بھاگ رہی تھیں، شاید اندیشہ تھا انہیں، یا پھر الہام تھا، اسے بھی پتہ چلا، میں بھی کئی دنوں سے تیار تھا، لیکن دو دن پہلے میں نے طے کر لیا تھا کہ مجھے اس دن میں صبح نہیں تو شام تو گھر پہنچنا ہے، مجھے بھی کوئی بلا رہا تھا، شاید یہ وقت تھا، یہ قسمت تھی۔''

اسے بھی وقت کھا گیا۔''

''مجھے بھی وقت کھا گیا ہے پربھات، میں بھی بوڑھا ہو گیا، لیکن آج میں نے دیکھا وہ خالی تھی، وہ بالکل ایسے خالی تھی جیسے سالوں پہلے تھی، اس نے آپ کے ساتھ دھوکہ کیا نہ۔''

''نہ...... نہیں پربھات، قصور تو سارا میرے کھاتے میں ہی نکلتا تھا، قصور تو میرا ہی تھا۔''

''آپ تو دولہا بننے نکلے تھے، آپ نے تو بغاوت کی تھی، پھر آپ کی طرف قصور کیسے نکلا ابا جی۔''

''ہے نہ پربھات، میری طرف نکلتا تھا۔''

''میں پہنچا تو گھر بکھرا تھا، راکھ اڑی تھی، مٹی کا دھواں تھا، میرا دل اس دن مر گیا تھا، وہ لمحہ بھیانک تھا پربھات، وہ لمحہ نہیں تھا، وہ قیامت تھی، جب مجھے دولہا بن کر لوٹنا تھا۔''

(جاری ہے)

شرارت یاد آئی گی

انیلا طالب

سخت سردی...... دھند...... سڑک پر اکا دکا
وگ ہوں گے، ایسی ٹھٹھرتی سردی کہ جب
بلیاں بھی سڑکوں سے نکل کر محفوظ اور گرم جگہ
تلاش کرتے پھریں ایسے موسم میں ایک پاگل
ڑکی ڈھابے کی طرف چلی آ رہی تھی، بیچ بیچ
قدم اٹھاتی، دھند اور سردی سے بے نیاز۔
سرخ رنگ کے ڈسٹر کوٹ میں ملبوس بلیو
ز کے ساتھ لانگ شوز پہنے آنکھوں پہ سیاہ رنگ
ے قیمتی سن گلاسز لگائے سنہری حسن کی حامل،
ابی ہونٹوں اور جاذب نظر نقوش والی اس لڑکی
ں عجیب سحر انگیزی پائی جاتی تھی۔
اس نے سیاہ رنگ کی کار ایک جگہ پارک کی
ی اب وہ آہستگی سے چلتے ہوئے ڈھابے کی
رف آ رہی تھی، ڈھابے میں پڑی دو چار
رسیوں پہ براجمان مرد اپنا آپ بھول گئے
تھے۔
شکور نے بڑے سے پتیلے میں اچھا خاصا
ودھ ڈال رکھا تھا وہ چائے پکار رہا تھا کڑکتی
یائے، تیز پتی، چینی کم، چائے میں چینی کم ہو تو
ل جاتی ہے پلانے والے کی چاہ کم ہو تو کبھی بھی
نہیں چلتی۔
شکور چائے بناتا تو ساتھ ساتھ چاہ بھی دیتا
ہے، محبت کی چاہ، چاہت کی چاہ، ابھی بھی چائے
بناتے وہ بڑی سریلی آواز میں گنگنا رہا تھا۔

اہی وے مینوں چائے پلا دے
میں ریکو یتاں پائیاں وے

آنے والی کے قدم رکے تھے، یوں جیسے کچھ یاد آ گیا ہو، بڑا گہرا سا وار، کسی کی یاد کا وار۔
اس نے نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے دباتے ضبط کرنے کی کوشش کی تھی، ایک ہاتھ سے سن گلاسز اتار کر کوٹ کی جیب میں ڈالتے دوسرے ہاتھ سے اس نے بھوری آنکھوں میں آنے والے آنسوؤں کی نمی پوچھی تھی۔
''بی بی جی!''
''بیٹھیے، بس ابھی چائے دیتا ہوں۔'' شکور نے کچھ ہی فاصلے پہ کھڑی اس پری زار کو کہا تھا۔
بادامی رنگ کے کپوں میں چائے انڈیلتے اس لڑکی نے شنگرفی لبوں سے پھول جھاڑے۔
''انکل جی دو کپ بنائیے گا۔'' شکور نے حیرانگی سے پلٹ کر اس کی کار کی جانب دیکھا وہ بھی اس کی قسمت کی طرح خالی تھی، باہر سے چمکتی ہوئی، اندر سے تنہا۔
''دو کپ؟''
''آپ اکیلی آئی ہیں نا۔'' دل میں اٹھتی بات لبوں پر بھی آ ہی گئی تھی۔
''جی!'' مسحور کن لہجے میں جواب آیا۔
''میں گاڑی میں بیٹھی انتظار کر رہی ہوں، چائے گاڑی میں بھجوا دیجئے گا۔'' وہ ادب سے کہتی ہوئی، کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ دیے، میکانکی انداز میں کار کی جانب بڑھ گئی تھی۔
ڈھابے میں بیٹھے مبہوت زدہ مرد اس کے سحر سے نکلے تو سنبھل کر سیاسی کاموں پہ تبصرہ کرتے، ٹماٹر اور چلغوزوں کے بڑھتے ہوئے نرخ تک آ پہنچے، ہاں دل ابھی تک اس موی گڑیا کی طرف ہی اٹکا ہوا تھا، جو دھند میں گاڑی کی جانب بڑھی تھی۔
شیشے پہ سردیوں کی نم رات کے آنسوؤں نے بوندیں گرا رکھی تھیں، وہ والدین کی اکلوتی، خاندان بھر کی لاڈلی، بڑی بڑی پلکوں اور موٹی موٹی آنکھوں والی، اسمارا قدرے آگے ہوئی انگشت شہادت سے گاڑی کے نم شیشے پہ یکسر کھینچی، ایک طرف سے پھر دوسری طرف سے۔
ڈھابے کا مالک شکور گاڑی پہ بنے دل کو دیکھا تو بلا اختیار قہقہہ مار کر چائے پیتے مردوں

سے مخاطب ہوا۔

"نئی نسل ہے نا نئے نئے کام کرتی ہے، دیوانوں جیسے۔"

وہ شروع ہوا تو کئی آوازیں، ڈھنگ ڈھنگ کے لہجوں میں ڈوب کر اس کانچ سی لڑکی کے لئے اٹھنے لگیں۔

"امیر باپ کی بیٹی ہے، کچھ تو انوکھا کرے گی نا۔" اخبار چہرے سے ہٹا کر چالیس سالہ شخص نے اپنا حصہ ڈالا تھا۔

شکور دو کپ چائے کے لے کر اسمارا کے قریب گیا چائے دی ہی تھی کہ اس کم گو کے سرخ کٹاؤ دار لب ایک دفعہ پھر کھلے تھے۔

"تکلیف کے لئے معذرت چاہتی ہوں اصل میں وہاں مرد ہی مرد تھے اس لئے یہاں منگوالی۔" وہ چائے لیتے ہوئے وضاحت دے رہی تھی۔

"نہیں بی بی جی، ایسی کوئی بات نہیں۔" شکور سخت شرمندہ ہوا کہ کہیں ڈھابے کے مردوں کی رنگ برنگ بولیاں اس نے بھی تو نہیں سن لیں۔

"چائے پی لوں تو پیسے دے دوں گی۔" اسمارا نے ایک کپ ڈیش بورڈ اور دوسرا اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا۔

شکور ڈھابے کی طرف واپس چل دیا تو اس دیوانی لڑکی نے دونوں کپ اٹھا کر پرچ میں رکھے اور پرچ اٹھا کر گاڑی کے شیشے کے قریب، ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی لمبے اور سلکی بالوں کو سکارف میں لپیٹنے والی اسمارا شاید دل دیکھ رہی تھی نم آلود، قطرہ قطرہ بوند کی صورت بہتا بالکل اس کے اندر کی حالت واضح کرتا۔

"چائے تو پلا دو یار۔" چائے کے دو کپ ایک ساتھ رکھ کر گاڑی کے شیشے پر بنے دل کو دیکھتے اس کے کانوں میں شاہ زین کی کھنکتی آواز سنائی دی تھی۔

"نہیں شاہ زین، چائے اتنی نہیں پیتے، معدہ خراب کرتی ہے۔" فکر انگیز آواز اس کی اپنی تھی۔

"چلو پھر یہی سہی۔" وہ اسے اپنے بازوؤں میں لے کر اس کے دائیں گال پر بوسہ دینے جھکا تھا۔

"شاہ زین پیچھے ہٹیں۔" اسمارا حیاء سے سرخ ہو کر شرماتی ہوئی اس کی بانہوں میں چھپ گئی تھی۔

"یار پیچھے ہی تو نہیں ہٹ سکتا، اتنا آگے آ چکا ہوں۔" اس کی آواز پر اسمارا نے بھیگی پلکیں اوپر اٹھائیں تھیں، وہ اس کے پاس نہیں تھا۔

میرا اور تمہارا
دونوں کا چائے کا کپ
اٹھاؤ تو سہی

"دیکھتے ہیں تم جلدی پیتی ہو یا میں؟"

بلیک پینٹ اور وائٹ ٹی شرٹ پر بلیک جیکٹ پہنے شاہ زین گاڑی کے اندر پرچ میں دو کپ رکھے اسے کہنی مار کر اکسانے لگا، وہ جانتا تھا اسمارا چائے شوق سے نہیں پیتی تھی۔

"اگر میں نے پی لی تو؟" بلیک گولڈن ریشمی فراک پہنے کانوں میں گولڈن جھمکے سجائے اسمارا شاہ زین کی گالوں پر پیار سے چٹکی بھر کر بولی تھی۔

"تو تمہیں گلاب کے تازہ گجرے لے کر دوں گا، بلیومی۔" شاہ زین نے محبت پاش نظروں سے سیاہ ریشمی لباس سے نظر آتی اس کی دودھیا بانہوں کو دیکھا تھا۔

"اور اگر میں پی گیا پہلے تو؟" وہ شرارتی انداز میں بولا تھا۔

"تو تمہیں......" وہ اسمارا کے گلابی گالوں کی طرف دیکھنے لگا خاصے معنی خیز انداز سے۔

"آرام سے شاہ زین۔" اسمارا غصے سے بولی۔

"آپ کو صرف انہی کاموں سے غرض ہے کوئی محبت نہیں ہے مجھ سے۔" وہ سخت رنجیدہ ہو گئی تھی۔

"تم میری پہلی اور آخری محبت ہی نہیں، میری شریک حیات بھی ہو، نکاح تو ہو ہی چکا ہے ناں خیر رخصتی بھی ہو ہی جانی ہے۔" شاہ زین اس کے اس رویے پر بہت حیران ہوا تھا اور پریشان بھی۔

"اس طرح کی چھچھوری حرکتیں مجھے بالکل بھی نہیں اچھی لگتیں۔" اسمارا زہر کی طرح کڑوی ہو گئی تھی۔

"اسمارا...... دیکھو پلیز۔" شاہ زین نے مسکرا کر موضوع کو سلجھانے کی کوشش ہی کی تھی کہ وہ پھنکار کر بولی۔

"شاہ زین، اس طرح کے کام نہ کرنے سے آپ مر نہیں جائیں گے صبر کریں۔"

"میں مر ہی جاؤں گا، اسمارا، تمہارے بغیر۔" شاہ زین اس کے ان الفاظوں پر دھیمے لہجے میں بولا تھا، اتنی بڑی بات کہی تھی اسمارا نے اسے، وہ بھی کتنی بدتمیزی سے، وہ بس اسے دیکھتا رہ گیا، کیا خوب کہا ہے کسی نے کہ محبوب بہت مغرور ہوتے ہیں اور بہت بے نیاز بھی۔

☆☆☆

گھر کے تمام افراد کو الائچی والی خوشبودار چائے سرو کر کے اسمارا ابھی بیٹھی ہی تھی کہ شاہ زین اپنے روم سے نکل کر چلا آیا۔

"محترمہ ایک کپ ادھر بھی۔"

سفید شلوار قمیض کے ساتھ سیاہ کوٹ پہنے وہ نظر لگ جانے کی حد تک حسین نظر آ رہا تھا۔

"چائے کچن میں پڑی ہوئی ہے، میں لے آتی ہوں۔" سفید کڑھائی والے کرتے کے ساتھ ہم رنگ کیپری اور ملٹی کلر کے ریشمی آنچل میں وہ کسی پری سے کم نظر نہیں آ رہی تھی۔

وہ جیسے ہی کچن کی طرف گئی شاہ زین بھی پیچھے گیا تھا، لونگ روم میں خوش گپیاں کرتے افراد خانہ شاہ زین کی محبت پر بہت خوش نظر آ رہے تھے، کئی خواتین تو اسمارا پہ رشک کرتی تھیں کہ ایسا محبت کرنے والا ہم سفر کاش انہیں بھی مل جاتا، وہ اسمارا کا تایا زاد کزن تھا نکاح ہوئے دو ماہ گزر چکے تھے، اسمارا کو لے کر وہ ماڈل ٹاؤن کے عالیشان بنگلے میں شفٹ جانا چاہتا تھا، بس تھوڑا وقت ہی رہ گیا تھا۔

"اسمارا، لو میں چائے لینے خود ہی چلا آیا ہوں۔" شاہ زین نے اس کا ملٹی کلر دوپٹہ پکڑ لیا جانے کیوں چھونے کا دل کر رہا تھا۔

"دیکھ نہیں رہے، میں چائے ڈال رہی ہوں۔" اسمارا نے برنر پہ پڑی کیتل خالی کرتے جھنجھلاہٹ سے جواب دیا تھا۔

"دوپٹہ چھوڑیں شاہ زین۔" اسمارا کو اس کی بچوں والی یہ حرکتیں بہت بری لگتی تھیں۔

"نہیں چھوڑتا۔" شاہ زین اپنے چہرے پہ دوپٹے کو پھیرتے شرارتی انداز میں بولا تھا۔

"شرم کریں شاہ زین، بچوں جیسی کرتیں نہ کیا کریں۔" اسمارا، شاہ زین کو چائے کا کپ تھماتے سنجیدگی سے بولی۔

"میں بچوں جیسی حرکتیں نہیں کرتا اسمارا، میں تمہارا دل لگاتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ زندگی کے پل پل کو گزاریں اس انداز سے کہ جیسے جینا چاہیے۔" وہ چائے کا کپ پکڑے کچن میں پڑے اسٹول پر بیٹھتے ہوئے خاصے دانشورانہ انداز

سے کہہ رہا تھا۔
"سنو اسمارا۔" وہ جو کچن کا پھیلاؤ اسمیٹ کر جانے لگی تھی رک گئی۔
"زندگی بار بار نہیں ملتی اس کی قدر کرتے ہیں، جینے کو بوجھ نہیں بناتے، کمبل میں لیٹ کر ناول پڑھنے، اسٹڈی روم میں جا کر ہر وقت کتابوں میں گھسے رہنے سے تھوڑا سا وقت نکال کر اپنی حقیقی زندگی میں رنگ بھرا کرو، وہی باتیں وہی کام جو میرے کرنے پہ ناراضگی کا سبب بنتے ہیں ان باتوں کو ناولز میں پڑھ کر خوش ہوتی ہو۔" شاہ زین کے فلسفیانہ انداز پہ پیچ و تاب کھاتی وہ وہاں سے کھسکنے والی تھی کہ اس نے انوکھی خواہش کر کے روک لیا پھر سے۔
"اسمارا میرے ساتھ چائے پیو۔"
"کیوں شاہ زین۔" وہ منہ بنا کر بولی۔
"مجھے نہیں پسند چائے۔"
"ارے ایسا نہیں کہتے یہ اشرف المشروبات ہے۔" شاہ زین اٹھا، دو تین گھونٹ لئے اور بولا۔
"دیکھو میں تمہیں چائے بنا کر پلاتا ہوں آج۔"
"پی لو، میری خاطر۔" شاہ زین نے اپنا بھاری مردانہ ہاتھ اس کے مومی ہاتھ پہ رکھ کر التجاء کی تھی۔
"آج اگر خود پلا رہا ہوں نا، تو پی لو، ورنہ ڈھونڈتی رہ جاؤ گی میری چائے بھی اور چاہ بھی۔" اس کی بات میں اتنا اثر تھا کہ اسمارا کو بیٹھنا پڑا۔
"آپ بہت عجیب ہیں ویسے۔" چائے کا سپ لیتے اس نے صاف گوئی سے کہا۔
"مجھے تم خود سے بھی زیادہ عجیب لگتی ہو۔" شاہ زین نے ترکی بہ ترکی جواب دیا تھا۔
"وہ کیسے؟" اسمارا نے آوارہ لٹوں کو کانوں کے پیچھے اڑستے ابرو اچکائے۔
"ایک طرف تو تم لڑکیاں عمر جہانگیر کی موت پر دو دن کا کھانا چھوڑ دیتی ہو اور ایک طرف حال یہ ہے کہ جو تمہارے لئے اتنی محنت کرتا ہے کہ اپنا نام تک ساتھ لگا دیتا ہے اس کے لئے دو بول بھی نہیں ہوتے تمہارے پاس۔" وہ بھی انسان تھا آخر، آج شکوہ کر ہی دیا تھا اس نے۔
"محبت ہے تو بس پھر ہے نا، دل میں، اس طرح بار بار کہنے کی کیا تک بنتی ہے۔" اسمارا نے کپ سے آخری گھونٹ لیا تھا۔
"محبت محبوبہ سے اظہار مانگتی ہے میری جان، اظہار نہ ہو تو محبت روٹھنے لگتی ہے۔" شاہ زین نے چائے ختم کر کے کچن سے باہر نکلتی اسمارا کی طرف جملہ اچھالا تھا۔
"ایک طرف اتنی شدت اور دوسری طرف اتنی ہی ٹھنڈک۔" وہ اب محبت کرتے کرتے تھکنے لگ گیا تھا۔

☆☆☆

رخصتی ہونے میں فقط پندرہ بیس دن رہ گئے تھے مگر اسمارا کی پارٹنرز کالج کے دور کی لڑکیوں سے فون پر ہونے والی لمبی لمبی کالز نت نئے ناولز اور مووی ٹائم ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے، سخت سردیاں تھیں۔
اسمارا لائم کلر کی لانگ شرٹ پہ پنک جرسی کے ساتھ بلیو جینز پہنے لیپ ٹاپ کھولے ای میلز چیک کر رہی تھی۔
"ہائے اسمارا ڈیئر۔" آفس سے سیدھا وہ اسے کمرے تک آیا تھا اور آتے ہی اپنے ٹھنڈے برف ہاتھوں سے اس کے گلابی نرم و نازک گال چھوئے تھے۔

"اف شاہ زین اتنے ٹھنڈے ہاتھ۔" وہ کرنٹ کھا کر دو فٹ دور جا پڑی۔
"میں کیسے سرد ہاتھوں سے تمہارے گلا چھوتا تھا، دسمبر میں تمہیں میری شرارت یاد آئے گی۔" بجائے شرمندہ ہونے کے اس نے ہنس کر اسمارا کو نثر میں شعر سنایا تھا۔
اسمارا نہیں جانتی تھی کہ وہ شاہ زین کی آخری شرارت تھی، وہ شعر آخری تھا، اگر اسے علم میں ہوتا کہ، شام کو اس کی خواہش پر سخت دھند میں کے ایف سی سے پیزا لانے کے لئے سلور سوک میں نکلا شاہ زین حادثے میں جاں بحق ہو جائے گا تو وہ اسے کبھی نہ بھیجتی اس کے لئے چائے بناتی، اس کے ساتھ رہتی، مگر نہیں وہ یہ سب نہیں کر پائی۔
شاہ زین ٹھیک کہتا تھا، اسمارا ہمارا معاشرتی المیہ یہی ہے کہ ہم قدر شناس نہیں ہیں ہمیں بے قدروں کی قدر ہے اور قدر کرنے والوں کی بے قدری کرتے ہیں ہم، اسے اب سمجھ آئی تھی، وہ صحیح کہتا تھا، جو بھی کہتا تھا۔

☆☆☆

شاہ زین کو اس دنیا سے گئے تین برس بیت چکے تھے مگر ابھی بھی اس کی یادیں اسمارا کے دل میں زندہ تھیں وہ گیا تھا تو اسے پتا چلا تھا کہ شاہ زین کے ساتھ کتنی رونق تھی اب اس سے ساتھ چائے پینے کی فرمائش کوئی نہیں کرتا تھا، نہ ہی کسی کو اس کی شاہ زین کی طرح فکر ہوتی تھی والدین موجود تھے مگر شاہ زین کہاں تھا؟ کہیں نہیں۔
اس رات آفس سے واپسی پر وہ ڈھابے میں چلی آئی تھی، سوچتی تھی اب وہ ویسے جئے گی جیسے شاہ زین اسے جیتے دیکھنا چاہتا تھا۔
سخت سردی، دھند، جدائی، کرب انگیز لمحات، شاہ زین کی یادیں، آج اگر خود پلا رہا ہوں نا، تو پی لو، ورنہ ڈھونڈتی رہ جاؤ گی میری چائے بھی اور چاہ بھی، اسمارا کے کانوں میں سیسہ انڈیلا تھا کسی نے جیسے۔
وہ گاڑی کے نم آلودہ شیشے کو دیکھتی رہی، بہت ہمت کر کے اس نے کپ پکڑا تھا۔
"میری خاطر پی لو۔" شاہ زین کی گونجتی آواز نے ضبط توڑ دیا تھا، اسمارا نے پرچ سے دوسرا کپ بھی اٹھا لیا۔
پہلے ایک سے چند گھونٹ بھرے، پھر دوسرے سے، اس کے نام کے ساتھ لگا شاہ زین کا نام بھی جدا ہو گیا تھا اب وہ پھر سے اسمارا شاہد بن چکی تھی۔
گھر والے کب تک جوان بیٹی گھر بٹھائے رکھتے اسے بھی نہ چاہتے ہوئے بھی ہاں کرنی پڑی تھی، کچھ ہی عرصے بعد شادی تھی۔
"شاہ زین۔"
"میں تمہارے ٹھنڈے ہاتھوں کا انتظار کر رہی ہوں لگاتے کیوں نہیں۔" اسمارا نے چائے کے کپ خالی کر کے واپس رکھ دیئے تھے پر... میں۔
"تمہاری شرارت کو اس وقت میں بہت مس کر رہی ہوں۔" شکور کو پیسے اور کپ دینے کے بعد وہ اپنے سرد ہاتھوں کو گالوں سے لگا... بڑے جذب سے شعر پڑھنے لگی۔
میں کیسے سرد ہاتھوں سے تمہارے گال چھوتا... دسمبر میں تمہیں میری شرارت یاد آئے...
اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ریلا بہہ... تھا، دسمبر، ٹھنڈ، شرارت، مگر شاہ زین وہ کہیں... نہیں تھا، چائے پینے شرارت کرنے، دو... پکڑنے بھی نہیں آتا تھا اور نہ ہی وہ آ سکتا تھا۔

☆☆☆

لائی عہد نو نوید مسرت

نصیحہ آصف خان

کتاب بند کیے وہ صوفے سے ٹیک لگائے چونک سی گئی۔

حالانکہ اسے پتہ تھا کہ حمزہ نے آنا ہے، اور وہی آیا ہوگا، دروازے پر لگے لاک کی مخصوص آواز پر وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی، لاؤنج کا دروازہ کھول کر آہستگی سے وہ اندر آ گیا۔

قدرے میلی جینز پر بادامی رنگ کی شرٹ اور سلیٹی رنگ کی جرسی، وہ کس حد تک گرد آلود تھی، بکھرے بال سخت سردی میں بھی اس کے سر پہ کوئی چیز نہ تھی نہ گرم ٹوپی، نہ مفلر، اس پر بھی وہ دلکش لگ رہا تھا، اس کی فسوں خیز بھوری گہری آنکھیں کوئی فسانہ سنائی دیتی تھیں، یہ صغبہ کا خیال تھا، صغبہ دل ہی دل میں اسے سراہا اور وال کلاک کی طرف دیکھا جو پونے گیارہ بجا رہا تھا رات کے، خود صغبہ کا نیند اور تھکن سے برا حال تھا مگر اسے حمزہ کے لئے انتظار میں جاگنا تھا، وہ اٹھ کھڑی ہوئی، حمزہ بھی چلتا ہوا آگے بڑھا اور اس کے مقابل آ گیا۔

''ہاں...... آج بھی دیر سے آیا ہوں...... یہی کہو گی ناں۔'' وہ تلخی سے بولا۔

''میں کھانا گرم کر کے لاتی ہوں۔'' وہ بولتے ہوئے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کچن کی طرف جانے لگی، تو وہ بھی پیچھے آ گیا۔

''کس نے کہا تم میری خدمت کرو، میرے لئے جاگو، اپنی نیندیں حرام کرو، کھا لوں گا کھانا، جاؤ تم۔'' ابھی تک اس کا لہجہ کڑواہٹ لئے ہوئے تھا۔

''تائی اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، انہوں نے کہا تھا اور مجھے کوئی شوق نہیں تمہاری خدمت کرنے کا۔'' مائیکرو ویو میں کھانا گرم کرنے کو رکھا اور دو بدو بولی، روٹیوں والا ہاٹ پاٹ بھی میز پر رکھا اور باورچی خانے سے باہر آنے لگی۔

''سنو۔'' اب کے حمزہ کی آواز میں نرماہٹ تھی، وہ پلٹی اور بولی۔

''کیا ہے؟'' صغبہ کے تیور بھی بگڑے ہوئے تھے۔

''شکریہ اس خدمت اور زحمت کا۔'' ہاتھ دھوتے ہوئے وہ مسکرا کر بولا تو صغبہ اونہہ کرتی باہر آ گئی، کتابیں اٹھائیں اور اپنے کمرے کی طرف آ گئی، نائٹ بلب جلا کر بستر پر گہری نیند کی وادی میں اتر گئی۔

☆☆☆

غفور تایا کا مزاج آج پھر گرم اور خراب تھا، صبح ہی صبح وہ تائی کی کلاس لے رہے تھے، نکما، آوارہ، ہڈ حرام، کام کا نہ کاج کا، دشمن اناج کا، وہ ناشتے پر کھا کم اور بول زیادہ رہے تھے۔

''کر تو رہا ہے کوشش، نہ ملے نوکری تو کیا کرے۔'' تائی کی آواز میں بیزاری تھی، وہ سر دباتے ہوئے اکتا کر بولیں، روز کا یہی معمول بنتا جا رہا تھا صبغہ نے جلدی سے اپنا ناشتہ شروع کیا، بس نہ نکل جائے کہیں، وہ تیزی دکھا رہی تھی، اسے یوں دیکھ کر تایا جی محبت سے بولے۔

''بیٹا آرام سے تسلی سے کھاؤ۔'' ان کے انداز میں واضح تبدیلی آ گئی۔

''جی۔'' صغبہ بس یہی بولی اور چائے کے گھونٹ بھرنے لگی۔

راحیل بھی اسی دوران آ گیا، اس نے صرف چائے اور رسک لئے، صغبہ اس کے ساتھ ہی فائل اور بیگ اٹھا کر باہر آ گئی، دونوں کی بسیں ایک ہی روٹ پر آتی تھیں، یوں آج بھی دونوں اپنی اپنی بس میں بیٹھ کر منزل کی طرف رواں دواں ہو گئے راحیل فرسٹ ائیر، جبکہ صبغہ بی ایس سی فائنل ائیر میں تھی، سیٹ پر بیٹھ کر وہ مسلسل حمزہ کے بارے میں سوچ رہی تھی گی۔

☆☆☆

غفور اور شکور دو ہی بھائی تھے، دونوں کی آپس میں بے حد محبت تھی، شکور بڑے بھائی غفور کا دل سے احترام کرتا تھا، اسی طرح بڑے بھائی بھی اسے دل و جان سے محبت کرتے تھے، ایک بڑا شوہر تھا مشترکہ، دونوں اسی پر بیٹھتے تھے۔

غفور کے دو بیٹے تھے، حمزہ اور راحیل، اس طرح شکور اور نادیہ کی بیٹی صبغہ تھی، نادیہ اور ثمینہ کی خوب دوستی ہو گئی، نادیہ مزاج کی بہت اچھی تھی جب نادیہ بیاہ کر آئی تو صرف حمزہ تھا، جو بچی کا دیوانہ تھا، گھر میں سکون کا دور، دورہ تھا شادی کے دو سال بعد صبغہ اس دنیا میں آئی تو گویا صبغہ سب کی جان بن گئی، غفور تایا اس پر دل و جان سے فدا تھے، جتنی دیر گھر میں رہتے، صبغہ ان کی گود میں رہتی۔

مگر یہ سکون، قسمت کو نہ بھا رہا تھا، جبھی تو ایک دن نادیہ اور شکور نادیہ کے قریبی عزیز کی شادی میں شرکت کرنے گئے، واپسی پر ان کا جان لیوا حادثہ ہو گیا، شومئی قسمت صبغہ ثمینہ کے پاس گھر تھی، ثمینہ کی گود میں اس وقت ایک ماہ کا راحیل تھا اور صبغہ چار سال کی تھی جب یہ سانحہ ہوا گھر پہ گویا قیامت ٹوٹ پڑی، دو جوان محبت کرنے والے بچھڑ گئے ان سے صبغہ کو سنبھالنا بے حد مشکل تھا، ثمینہ نے اس پر ماتا کے خزانے لٹا دیے، وقت کا کیا ہے وہ کب رکا ہے، آنسوؤں کا خراج وصول کر کے آگے بڑھتا گیا، صبغہ، شعور میں آئی تو حقیقت سے آشنا ہوئی، اس کے دل پر گہرے زخم کندہ تھے، بہت حساس ہو گئی تھی، حالانکہ گھر میں سب اس سے پیار کرتے، اس کی دلجوئی کرتے، مگر والدین کی کمی چین نہ لینے دیتی اس نے خود کو پڑھائی میں مصروف کیا اور اچھی پوزیشن سے دسویں جماعت پاس کر لی، حمزہ بی بی اے کر رہا تھا، راحیل کلاس ششم میں تھا۔

☆☆☆

حمزہ کو نہیں معلوم کب صبغہ خاموشی سے اس کے دل پہ حکمرانی کرنے لگی تھی، مگر وہ اس کے سامنے بالکل انجان بن جاتا، خود صبغہ نے بھی کبھی اسے اس نگاہ سے نہ دیکھا تھا، ہاں یہ ضرور تھا کہ اسے اپنا یہ ضدی اکھڑ، کزن پسند تھا غفور اور ثمینہ کی دلی خواہش تھی کہ صبغہ ان کی بہو بنے، مگر اس کا ذکر انہوں نے ابھی بچوں کے سامنے نہ کیا تھا، کہ ان کی بڑھائی متاثر نہ ہو، اب جبکہ وقت کافی آگے نکل آیا تھا، حمزہ ایم بی اے کر کے فارغ تھا، سارا دن یونہی گھوم گھام کے گزار دیتا، تو غفور تایا کا پارہ اونچا رہنا لازمی تھا، گھر میں بظاہر سکون تھا، چین تھا، مگر اس امن و سکون میں اچھل اس وقت مچی، جب ثمینہ کے بھائی شریف اور بھابھی صالحہ اپنے ہونہار بیٹے ڈاکٹر وجاہت کا رشتہ لے کر چلے آئے، ثمینہ حیران رہ گئیں، خود غفور بھی دم بخود رہ گئے۔

''کیوں بھئی صبغہ کی بات کہیں طے تو نہیں کر دی۔'' صالحہ رسانیت سے بولیں۔

''نہیں نہیں بھابھی ابھی تو وہ پڑھ رہی ہے۔'' ثمینہ قدرے بوکھلا کر بولیں، غفور سے بھی یکدم کوئی جواب نہ بن پا رہا تھا۔

''ٹھیک ہے آپ سوچ لیں، پھر مطلع کر دیں۔'' شریف بھائی نے ان کی مشکل آسان کر دی اور چائے پی کر رخصت ہو گئے۔

ان کے جانے کے بعد صحیح معنوں میں دونوں پریشان ہو گئے، ڈاکٹر وجاہت ایک قابل اور وجیہہ نوجوان تھا، رشتہ بہترین تھا، ان کی جو دلی خواہش تھی، حمزہ اور صبغہ اس سے بے خبر تھے۔

حمزہ جب اس آنے والے رشتے سے باخبر ہوا تو گویا دل کسی نے مٹھی میں لے کر مسل دیا، متاع جان لٹنے کے خوف سے ماں کے سامنے جا کر گڑگڑایا۔

''صبغہ اس کے سوا کسی کی نہیں ہو سکتی۔''

''تو حمزہ کی بھی یہی خواہش ہے۔'' ثمینہ سوچ میں پڑ گئیں، پھر توقف کے بعد بولیں۔

''ابھی ہم سوچ رہے ہیں، فیصلہ تمہارے ابو نے کرنا ہے اور تم سے وہ پہلے ہی ناراض ہیں، کئی ماہ تم نے نوکری کی تلاش میں ضائع کر دیئے ہیں، اب ان کی صحت اچھی نہیں رہتی، وہ کب تک اکیلے کام کریں گے۔'' ثمینہ دکھی دل سے بولیں۔

''راحیل جاتا تو ہے، پھر اسے شوق بھی ہے، اب میں اتنا پڑھ کر دکانداری کروں گا؟'' ماں کی باتوں کے جواب میں وہ فقط یہی کر سکا۔

''کر تو رہا ہوں کوشش۔'' وہ مایوس سا بولا۔

''اچھا بیٹا اللہ بہتر کرے گا۔'' وہ اس کے سر پہ ہاتھ پھیر کر دعائیں دینے لگیں۔

☆☆☆

''ہرگز نہیں میں اس بڈھ حرام، نکھٹو اور غیر ذمہ دار انسان کو صبغہ دے کر اس کی زندگی تباہ نہیں کر سکتا، ڈاکٹر وجاہت اس سے ہزار درجے بہتر ہے، سوچا تو یہی تھا کہ اسے اپنے پاس اپنے ہی گھر میں رکھوں گا، مگر اب حمزہ کے اطوار اور انداز دیکھ کر مجھے اپنا فیصلہ تبدیل کرنا پڑ رہا ہے، میں اس یتیم بچی کی بدعائیں نہیں لے سکتا، باپ بن کر پالا ہے تو باپ بن کر ہی رخصت کروں گا۔'' غفور تایا کا لہجہ سختی اور حتمی تھا۔

ثمینہ نے انہیں قائل کرنے کا حد درجہ کوشش کی مگر بے سود، سوائے آنسو بہانے کے کیا کر سکتی تھیں۔

نوکری تھی کہ حمزہ سے روٹھی محبوبہ کی طرح خفا خفا سی تھی، کئی جگہ اپلائی کیا ہوا تھا، مگر ابھی تک نتیجہ صفر تھا، گھر کا ماحول الگ پریشان کن تھا، ماں سے ضرورت کے لئے رقم مانگتے پر اب شرم آنے لگی تھی۔

سارا دن خوار ہوتا رہتا، چند ہزار کی پرائیویٹ معمولی نوکری اسے پسند نہ تھی، اس رات بھی وہ تھکا ہارا آیا تو صبغہ اس کے انتظار میں جاگ رہی تھی، ثمینہ اسے کچھ نہ کہتی تھیں، مگر فشار خوں بلند ہوتا تو وہ دوائی کھا کر سو جاتیں لامحالہ صبغہ کو حمزہ کے لئے جاگنا پڑتا، راحیل سٹور سے آ کر کھانا کھا کر سو جاتا۔

ابھی بھی لاک کھول کر وہ آ گیا، صبغہ کی سرخ پڑی بڑی آنکھیں، غبار آلود سی حمزہ اسے دیکھے گیا، گویا تھکن اڑن چھو ہو گئی تھی۔

صبغہ گھبرا سی گئی، ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ وہ اسے پلکیں جھکائے بنا بے خودی سے تکے جا رہا تھا، صبغہ اٹھنے لگی تو حمزہ نے اسے اشارے سے بیٹھنے کو کہا۔

وہ بے حد الجھا ہوا لگ رہا تھا، صبغہ ناسمجھی کی کیفیت میں بیٹھ گئی۔

''بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں مگر کہہ نہیں پا رہا، تمی داماں ہوں ناں، کسی فقیر کے خالی کاسے کی طرح۔'' وہ بے ربط سا ہو کر بولا، صبغہ سر جھکا کر رہ گئی۔

''صبغہ پلیز تم پلیز، تم ڈاکٹر وجاہت کے پروپوزل کے لئے انکار کر دو۔'' صبغہ کے چودہ طبق اس کی بات پر روشن ہو گئے۔

''کون ڈاکٹر وجاہت؟'' وہ حیرانگی سے سوالیہ انداز میں بولی۔

''صالحہ خالہ کا بیٹا، جس کا رشتہ آیا ہوا ہے آج کل، لگتا ہے امی نے تم سے بات نہیں کی ابھی تک، مگر ابو دل سے اس رشتے کو قبول کر چکے

ہیں تم کیا کہو گی؟ پلیز تم انکار کر دینا۔" وہ ملتجیانہ انداز میں التجا کر رہا تھا۔

"کیوں کیوں کروں انکار۔" صغبہ نا سمجھی سے بولی اب کی بار۔

"میں ہوں ناں، میں نظر نہیں آتا تمہیں، میری آنکھوں میں تم خود کو نہیں دیکھ پائی ہو، میں ہی شادی کروں گا تم سے۔" حمزہ کے انداز میں عجب دھونس تھی۔

"محبت کرتا ہوں تم سے، بہت زیادہ، تمہارے سوا کوئی نہیں دل میں، مگر اب تک یہ سب کہنے کا موقع نہیں ملا، نہ کبھی ملا تو میں یہی گمان رکھتا تھا کہ ابو امی ہم دونوں کو ایک کر دیں گے، پر اب جب یہ نئی افتاد پڑی ہے تو میری جان ہی نکل گئی، میں نے سوچا ہی نہیں تھا کہ کوئی اور بھی اس طرح، ہم دونوں کے بیچ آ سکتا ہے۔" وہ بالوں میں تشویش سے ہاتھ پھیرتے لاؤنج میں اِدھر سے اُدھر پریشانی کے عالم میں آنے جانے لگا۔

صغبہ سر جھکائے انگلیاں مروڑ رہی تھی، کچھ سمجھ نہ آیا کہ حمزہ نے آج کیا، کیا کہہ دیا تھا، وہ بھی اندر سے لرز رہی تھی، یکدم وہ پلٹا اور پھر اس کے پاس نرمی سے آ کر بولا، صغبہ گھبرا سی گئی۔

"میری بات سمجھنے کی کوشش کرو، مل جائے گی نوکری، میں کون سا ابھی شادی کر رہا ہوں، بس تھوڑے دن اور ٹھہر جائیں ابو، اللہ مالک ہے ناں، میں ناامید نہیں ہوں صغبہ۔"

"تم...... تم...... کچھ...... کہو ناں۔" وہ جلد بازی اختیار کیے ہوئے تھا۔

"مجھے نہیں پتہ، جو کرنا ہے تایا ابو نے کرنا ہے، وہی میرے بڑے ہیں میں کیا کہوں۔" صغبہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

اس کا اپنا دل مسلسل حمزہ کا ساتھ مانگ رہا تھا، اس گھر اور مکینوں کو چھوڑنے کا تصور ہی سوہان روح تھا۔

"تو گویا تم راضی ہو اس رشتے پر۔" وہ اس بار درشتی سے بولا، تو صغبہ خاموش رہی، اسے تایا ابو کی عزت رکھنی تھی، بھلے دل کچھ بھی کہتا رہے۔

"یاد رکھنا تم صرف میری ہو، ورنہ میں، میں نہیں رہ پاؤں گا تم بن۔" شدت جذبات سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"میں کھانا لاتی ہوں۔" صغبہ یکدم اٹھی اور بولی۔

"بھاڑ میں گیا کھانا، یہاں جان پر بنی ہے اور تمہیں کھانے کی پڑی ہے۔" وہ تلملا کر بولا، پھر اس کے قریب آ کر سختی سے بولا۔

"یاد رکھنا ایک بات، تم نے میرے سوا ہر کسی کے لئے انکار کرنا ہے، میں نے وارننگ دے دی ہے، ورنہ میں اپنی جان دے دوں گا، جاؤ اب کھانا گرم کرو۔" جذباتی انداز میں اسے حکم دیتا وہ بولا، تو صغبہ کچن کی طرف بھاگی، حمزہ سے اسے خوف سا آنے لگا تھا۔

☆☆☆

حمزہ نے اپنے جذبے کیا عیاں کیے، صغبہ کے لئے سوچ کا در کھل گیا۔

"تایا ابا نے آخر کیوں ڈاکٹر وجاہت کے لئے ہامی بھری۔" وہ دکھ سے سوچنے لگی۔

"کیا میں بوجھ ہوں ان پر۔" اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

"میں کبھی اس گھر سے جدا ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔" سوچوں کے تانے بانے میں الجھی اس نے دوپہر کا کھانا بھی نہ کھایا، کہا کہ طبیعت خراب ہے، شام تک اپنے کمرے میں بند رہی، مضمحل سوچوں کا شکار، الجھی الجھی اداس سی، کہ ثمینہ تائی خود اس کے پاس چلی آئی، اس کی

اتری صورت اور بکھرے بال دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔

"کیا ہوا بیٹا، طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟" وہ تشویش سے بولتی اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر پریشان ہو گئیں، جو بری طرح تپ رہی تھی، فرط غم سے صغبہ کی آنکھیں نم ہو گئیں اور وہ ان سے لپٹ کر زار و قطار رو پڑی، ثمینہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، جانے کیا معاملہ ہے، آج تک کبھی ایسا نہ ہوا تھا، وہ اداس بھی ہوتی تو ثمینہ کی جان پہ بن آتی، کجا وہ رو رہی تھی اور ثمینہ الگ اس صورت حال پر ہراساں تھیں۔

"کیا ہوا، بتاؤ تو بیٹا۔" وہ اس کے لرزتے وجود کو خود میں سمو کر اضطراب سے بولیں، صغبہ سسکیاں لے رہی تھی۔

"مجھے نہیں جانا کہیں بھی، آپ کو چھوڑ کر، کہیں نہیں، کسی کے ساتھ نہیں جانا، نہیں کرنی مجھے کسی بھی ڈاکٹر سے شادی۔" وہ بے ربط سسکیاں لیتی، ہچکیاں بھرتی اپنا مدعا بیان کر گئی، تو ثمینہ حیران رہ گئیں اور اس کا متورم چہرہ ہاتھوں میں لے کر ٹھنڈی سانس بھر کے بولیں۔

"کس نے کہا تم سے۔" ان کی آواز بہت پست تھی۔

"بس مجھے پتہ چل گیا ہے، تایا ابو کو میں بوجھ لگتی ہوں ناں، تبھی وہ مجھے نکالنا چاہتے ہیں۔" اس بار اس کی معصومیت پر ثمینہ کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

"ارے تم تو ہمارے گھر کی رونق ہو، چاندنی ہو، روشنی ہو، وہ بھلا ایسا کیوں سوچیں گے، میں کرتی ہوں بات تمہارے تایا ابو سے؟ یہ کوئی وجہ ہے بھلا رونے کی۔" وہ اس کا ماتھا چوم کر بولیں۔

"تم فکر نہ کرو سب ٹھیک ہو جائے گا، اب آؤ کھانا کھا لو۔" وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

"مجھے ذرا بھی بھوک نہیں ہے، بس چائے پیوں گی۔" صغبہ قدرے اطمینان سے بولی۔

"ہرگز نہیں آ جاؤ، ہاتھ منہ دھو کے، آج قیمہ مٹر، سادہ چاول اور تمہاری پسند کے کباب بھی ہیں۔" انہوں نے ممتا سے بھرپور انداز میں کہا تو صغبہ مسکراتے ہوئے اٹھنے لگی۔

"جی میں آتی ہوں تائی اماں۔" جبکہ ثمینہ بہت کچھ سوچتے ہوئے کمرے سے باہر چلی آئیں۔

☆☆☆

حسب عادت حمزہ غائب تھا، تایا ابا کا موڈ اسی بات پر پھر خراب تھا، صغبہ خاموشی سے سلام کر کے بیٹھ گئی، راحیل کھانا کھا رہا تھا۔

"بیٹا کب شروع ہو رہے ہیں تمہارے پیپرز؟" تایا ابا نے اس سے پوچھا۔

"جی وہ دو ماہ تک۔" صغبہ نے آہستہ سے کہا۔

اسی دوران دروازے پر دستک ہوئی، راحیل گیا، تو حمزہ اس کے ہمراہ تھا اس نے حسب عادت مشترکہ سلام کیا۔

"آؤ بیٹا جلدی سے ہاتھ، دھو کے آ جاؤ اور کھانا کھاؤ۔" ثمینہ نے حمزہ کو دیکھتے ہی کہا، جو صبح سے نکلا تھا، لباس اور بال قدرے گرد آلود تھے۔

"جی امی۔" وہ ہاتھ دھونے چلا گیا۔

تایا جی کی آنکھوں میں پھر قہر اترنے لگا تھا، کہ ثمینہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں انہیں خاموش رہنے کو کہا۔

حمزہ آیا اور کھانا کھانے لگا، کہ تایا جی اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے۔

"چائے کمرے میں بھجوا دینا۔" یہ کہہ کر وہ چلتے بنے۔

حمزہ کے اندر سے ایک گہرا سانس برآمد ہوا، وہ کبھی بھی ایک بھرپور نگاہ صغیہ پر ڈال لیتا، شمینہ اس کی چوری پکڑ چکی تھیں۔

راحیل کھانا کھا کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

''میں چائے بناتی ہوں تایا جی کے لئے۔'' صغیہ نے کہا اور پکن کی سمت جانے لگی۔

''ایک کپ مجھ غریب کا بھی بنا دینا۔'' پیچھے سے حمزہ کی آواز آئی تو اس نے ہلا دیا۔

☆☆☆

غفور تایا کی طبیعت دو دن سے خراب تھی، سٹور پر بیٹھنے والا لڑکا مستقل وہیں تھا، راحیل بھی زیادہ وقت وہیں گزارتا تھا، اسے اتنا تجربہ نہ تھا، حساب کتاب تجمی لڑکا، زبیر رکھے ہوئے تھا، مگر غفور مطمئن نہ ہو پا رہے تھے، فشار خون بلند ہو رہا تھا، جو مسلسل خسارے کا اشارہ تھا۔

''آپ، ہم کر رہے ہیں۔'' شمینہ انہیں قائل کرتیں، مگر وہ دو اور دو چار کے چکروں سے نکل ہی نہ پا رہے تھے، یہی وجہ ان کی تکلیف میں اضافے کا سبب تھی۔

''میں حمزہ سے کہوں گی کل جائے سٹور پر، جب تک آپ کی طبیعت سنبھل نہیں جاتی دونوں جائیں گے، راحیل امتحان دے کر فارغ ہی ہے، اچھا ہے گھومنے پھرنے سے کہ وہ کام کرے، کچھ سیکھے لے۔'' شمینہ نے کہا تو انہیں خاصی دھارس ملی، اپنی تکلیف کی وجہ سے وہ ڈاکٹر وجاہت کو فراموش کر چکے تھے، مگر اسی شام شریف اور صالحہ آ گئے، بظاہر وہ غفور تایا کی طبیعت پوچھنے آئے تھے، مگر در پردہ مقصد وہی تھا، کہ اب جواب لے کر جائیں گے، صغیہ کو خاص طور پر صالحہ نے بلوایا، گھلتے ہوئے گلابی سوٹ، میں وہ بے حد پیاری لگ رہی تھی، صالحہ اسے پاس بٹھا کر خوب بلائیں لیتی رہیں، جبکہ صغیہ کے اندر اہال اٹھ رہے تھے، اس کے چہرے کے بگڑتے زاویے شمینہ کو واضح دکھائی دے رہے تھے، مگر وہ ضبط سے کام لے رہی تھی، شمینہ اس کی اندرونی کیفیت سے بخوبی آگاہ تھیں۔

''کیوں آئے تھے ماموں، ممانی۔'' رات وہ ماں سے الجھ پڑا۔

''تمہارے ابو کی طبیعت کا پوچھنے آئے تھے، کیا اب ان کا داخلہ بند کر دوں؟'' شمینہ الٹا اسے ڈانٹ کر پوچھنے لگیں۔

''ویسے ہزار مرتبہ آئیں مگر صغیہ کے لئے نہیں۔'' وہ قدرے ناراض ہو کر بولا۔

''تم کھانا کھاؤ اور راحیل سٹور پر جا رہے ہیں، راحیل کا ارادہ مستقل اور مستقبل میں آپ کے ساتھ سٹور پر بیٹھنے کا ہے، پڑھائی اس سے ٹھیک سے ہو رہی نہیں رہی ابھی حمزہ ساتھ ہے مگر اس کا ارادہ نوکری کرنے کا ہے اور.....'' وہ رکیں۔

''اور..... کیا؟'' غفور چائے کا گھونٹ بھر کر بولے، سوالیہ انداز تھا۔

''اور یہ کہ حمزہ، صغیہ سے شادی کرنا چاہتا ہے اور صغیہ نے جو کہا وہ میں آپ کو بتا چکی ہوں، وہ ہمیں چھوڑ کر کہیں نہیں جانا چاہتی اور میں کب اسے خود سے جدا کر سکتی ہوں۔'' شمینہ کی آواز بھرا گئی، وہ خاموش ہو گئیں، غفور تایا نے چپ چاپ اس کی باتیں سنیں، پھر اک سرد آہ بھری۔

''تمہاری سب باتیں اپنی جگہ درست ہیں، مگر تم خود سوچو، حمزہ کب کمانے میں سنجیدہ ہوا ہے، بچی کو سکھ دے سکے گا کیا؟'' اب وہ ان سے سوال کر رہے تھے، شمینہ ماں تھیں اور بیٹے کو بکھرتا نہیں دیکھ سکتی تھیں۔

''اللہ بہتر کرے گا انشاء اللہ، آپ اس کے لئے دل سے دعا کیا کریں، پیار سے بات کیا کریں، وہ پوری کوشش کر رہا ہے، نا امید نہیں ہے، شریف بھائی اور بھابھی اس دن اشارہ دے گئے ہیں، انہیں کیا کہوں۔'' شمینہ پریشانی سے بولیں۔

''نہیں ابھی ٹالتی رہو، جب تک حمزہ سنجیدہ نہیں ہوتا۔'' وہ اپنی بات پر اڑے ہوئے تھے، مہنگائی کے اس دور میں وہ اور کیا کہتے۔

''آپ کو اپنے بیٹے پر اعتماد نہیں۔'' شمینہ دکھ سے بولیں۔

''تو کیا اب میں صغیہ کو دکھی کر دوں، جانتے بوجھتے اسے کنویں میں دھکیل دوں، پر اعتبار کر کے، تاکہ صغیہ ساری عمر ہمیں بددعائیں دیتی رہے اسے کہو پہلے ڈھنگ کا کام کرے، کمائے پھر ہم سوچیں گے۔'' شمینہ چپ رہ گئیں، شوہر کی باتیں بھی کسی حد تک درست تھیں، وہ اچھی امیدوں کے پنپنے دیکھنے کے لئے بستر پر آ گئیں اور آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

''یہ کیا امی، بھیا سارا دن موبائل پر لگے رہتے ہیں، یا ان کے دوست آتے جاتے ہیں میں اور زبیر ہی سب کو دیکھتے ہیں، ایک نائم میں چھ سات گاہک آ جاتے ہیں مگر وہ تو جیسے سمجھتے ہی نہیں، لگے رہتے ہیں گپیں مارنے، یا پھر رات کو پیسے گننے بیٹھ جاتے ہیں۔'' راحیل چار دنوں بعد پھٹ پڑا۔

''اچھا بس میں کروں گی بات اس سے، تم بس اپنا کام کرو۔'' شمینہ نے مجبی ختم کرنے کے لئے اسے چپ کرایا، شکر تھا کہ غفور تایا تک بات نہ پہنچی تھی۔

صبح ناشتے پر حمزہ آیا تو نکھرا نکھرا، نیوی بلیو

پینٹ اور آف وہائٹ شرٹ میں وجیہہ لگ رہا تھا، جیسے کسی آفس کا منیجر ہو۔

''کل سے تمہارے ابو بھی جائیں گے، اب وہ کافی بہتر ہیں۔'' ثمینہ نے کہا اور حمزہ کو بغور دیکھا، جس کا رنگ ذرا سا فق ہوا۔

''ٹھیک۔'' وہ فقط یہی بولا۔

''مگر تم نے ابھی وہیں ان کے ساتھ کام کرنا ہے۔'' ثمینہ نے اسے تنبیہ کی۔

''امی آج تو میں نہیں جاؤں گا، ایک دوست نے جاب کا بتایا ہے، وہاں سے جلدی فراغت مل گئی تو آجاؤں گا، آپ کے راحیل کے پاس۔'' وہ راحیل پر طنز کرتا ہوا بولا، تو راحیل تلملایا مگر خاموش رہا۔

''ٹھیک ہے پر وقت ضائع مت کرنا۔'' ثمینہ نے سخت سے لہجے کا تو اس نے سر ہلایا، انتہائی کی غیر ذمہ دار لگا انہیں اس وقت، ثمینہ یہی سوچ کر رہ گئیں۔

فائل ہاتھ میں لئے وہ بائیک پر راحیل کو بٹھا کر چل دیا، راحیل کو سٹور پر چھوڑ کر وہ اٹلس انٹر پرائزز کے آفس کی جانب رواں دواں ہو گیا، پھر دوستوں کے ساتھ وقت پاس کر کے گھر آ گیا، سٹور ذہن سے نکل گیا یکسر۔

غفور تایا کے ساتھ ساتھ اب ثمینہ کو بھی اس کی حرکتوں پر طیش آنے لگا تھا، صفیہ آج کل امتحان دے کر فارغ تھی، مختلف ترکیبیں آزماتی، مزے کے کھانے بناتی، ثمینہ نے اسے سلائی کٹائی میں بھی ماہر کر دیا تھا۔

وہ سب حالات دیکھ رہی تھی، کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے، یہ تو حقیقت تھی کہ سوائے حمزہ کے دل میں کسی کا گزر ناممکن تھا۔

ثمینہ نے بالا ہی بالا بھائی، بھابھی سے معذرت کر لی، یوں معاملہ ختم ہو گیا اس کا ذکر انہوں نے کسی سے نہ کیا تھا، وہ اللہ سے اچھی امید رکھے ہوئے تھیں مگر ایسا نہ ہوا۔

اگلا دن حسب معمول تھا، غفور، حمزہ اور راحیل سٹور پر چلے گئے آج گاہکوں کا خوب رش تھا، تینوں ہی مصروف تھے، کہ حمزہ کے دو دوست آ گئے، وہ پچھلے ایک گھنٹے سے ان کے ساتھ قہقہے لگا رہا تھا، ان کا فشار خون بلند ہونے لگا، راحیل اور زبیر ہی لگے ہوئے تھے اور وہ لاپرواہی کا مسلسل مظاہرہ کر رہا تھا، خود غرض اور غیر ذمہ دار۔

جب ان کی برداشت کی حد ختم ہو گئی تو وہ اپنی کرنی پر آ گئے، اور اسے دوستوں کے نرغے سے پکارا۔

''ادھر آؤ، اور نکل جاؤ یہاں سے۔'' وہ انتہائی غصے میں تھے۔

''تم انتہائی غیر ذمہ دار اور خود غرض انسان ہو۔'' غفور اس کے دوستوں کے سامنے بے بھاؤ کی سنا رہے تھے، حمزہ ذلت و شرم کے گڑھے میں دھنستا جا رہا تھا، مگر غفور کو اس کی کوئی پروا نہ تھی، وہ تو اپنی بھڑاس نکال رہے تھے، زبیر کی دبی دبی ہنسی، حمزہ کو طیش دلا رہی تھی، والد محترم کا انداز ہو گیا تھا کہ وہ کس بے دلی سے روزانہ آیا کرتا تھا، اس پر ایک عصیلی نگاہ ڈال، اور اسے جانے کو کہا، حمزہ کو بھی تپ چڑھ گئی، بجائے یہ کہ معذرت کرتا، تیزی سے اٹھا اور سٹور سے باہر آ گیا، دماغ کھول رہا تھا۔

''میری بھی کوئی عزت ہے نہیں، سب کے سامنے مجھے بے عزت کر کے رکھ دیا۔'' بجائے اپنی غلطی تسلیم کرنے کے وہ باپ کو ہی قصوروار ٹھہرا رہا تھا، گھر آتے ہی ماں کے سامنے پھٹ پڑا۔

صفیہ جو دوپہر کا کھانا بنا رہی تھی، حمزہ نے آ کر واویلا مچایا تو وہ دل تھام کر رہ گئی اور ثمینہ سر

تھامے بیٹھ گئیں۔

پھر جو رات کو غفور تایا نے اس کی گھر میں کلاس لی وہ الگ، گھر کی فضا مکدر ہو گئی تھی، ایک دم سناٹا، سبھی کو حمزہ قصوروار لگا۔

☆☆☆

''اب وہ بچہ نہیں ہے، آپ نے بھی تو سب کے سامنے اسے بے عزت کر کے رکھ دیا، غیر لوگوں کو تو چکنا چاہیے ہوتا ہے، آپ ہی کچھ خیال کر لیتے۔'' ثمینہ شوہر کے سامنے بیٹے کی حمایتی بن گئی تھیں۔

''ٹھیک ہے اسے کہہ دو مت آئے سٹور پر، بیٹھا رہے مفت کی روٹیاں توڑتا رہے اور ہاں میں صفیہ کے لئے کچھ اور اچھا سوچ رہا ہوں، اسے کہو خاطر جمع رکھے۔'' وہ حتمی انداز میں بولے تو ثمینہ کا دل دہل گیا، وہ غصے میں اسی طرح اٹل فیصلے کرتے تھے، اس رات وہ حمزہ کو جا کر سمجھانے لگیں کہ باپ سے معافی مانگے جا کر، ان کا دل اپنی جانب سے صاف کرے، خدمت کرے، ان کی تب ہی وہ اس کی بات مانیں گے، باپ کی دعائیں تو کامیابی ہو گی، جھکے میں ہی، عاجزی میں ہی کامیابی ہے، کئی دنوں سے دونوں نے ایک دوسرے سے بات نہ کی تھی، نہ آمنے سامنے آئے وہ حمزہ کو ہی سمجھا سکی تھیں، جو حمزہ کی سمجھ میں آ گیا۔

وہ ان کے ساتھ غفور تایا کے پاس چلا آیا، نادم نادم، شرمندہ سا جا کر ان سے معافی طلب کی تو ان کا دل پسیج گیا، آخر بیٹا تھا جو ان تھا اس طرح بچوں کی طرح سب کے سامنے اسے برا بھلا کہنا غلط تھا، وہ بھی سمجھ گئے۔

☆☆☆

شکر ہے مزاجوں میں تبدیلی آئی تو فضا بھی نکھر سی گئی، اب تینوں صبح اکٹھے جاتے اور شام تک واپسی ہوتی۔

کہ چند دنوں بعد ماہ رمضان اپنے فیوض و برکات کی برسات کرنے ان کی زندگیوں میں آ گیا، روح پرور ماحول بن گیا تھا، عبادات کا موسم بہار دل و جاں پہ آن وارد ہوا، سکون و اطمینان قلب میں جاگزین بن ہو گیا، سٹور پر کام بھی بڑھ گیا تھا، روزہ، تھکن، عبادات، مگر ہر کام مکمل بخش طریقے سے ہو رہا تھا، اس رحمت بھرے مہینے میں غفور اب بے حد مطمئن تھے۔

حمزہ گھر آتا تو صفیہ دیکھ کر جیسے تازہ دم ہو جاتا، وہ روزانہ افطار و سحر میں نت نئی چیزیں بناتی، کبھی دہی بھلکیاں، کبھی کپوڑے، طرح طرح کے سموسے، دہی بھلے، کباب، نوڈلز، روزانہ کی بنیاد پر مختلف روح بخش مشروبات، ثمینہ کی مددگار بنتی تو انہیں بہت پیار آتا اس پر، آج بھی اس نے کھجی میٹھی چاٹ بنائی تھی، حمزہ کچن میں آیا تو وہ گارنش کر رہی تھی، جبکہ وہ اسے بغور دیکھے جا رہا تھا، سفید اور سرخ رنگ کے لباس میں وہ مگراب کی ادھ کھلی کلی لگ رہی تھی۔

''کیا ہے؟'' مسلسل گھورنے سے وہ تنگ آ کر بولی۔

شکر تھا کہ ثمینہ اور غفور تلاوت و تسبیح میں مشغول تھے اور راحیل نہار ہا تھا۔

''اپنی مسز دیکھ رہا ہوں، تمہیں کیا مسئلہ ہے۔'' وہ مچھی ڈھٹائی سے بولا۔

''اونہہ، منہ دھو کر رکھو۔'' وہ باؤل میز پر رکھتے ہوئے اسے چڑانے لگی۔

''نہا کر آیا ہوں، تم منہ دھونے کی بات کرتی ہو۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

اس وقت واقعی وہ نکھرا نکھرا لگ رہا تھا، اپنا اپنا سا، صفیہ دل سے مسکرا دی۔

آج بیسواں روزہ تھا، باقی دنوں کی نسبت

اک ذراسی بھول

نائلہ بھٹی

موسم خاصا گرم تھا، صبح سے ہی سورج کی تپش میں اضافہ ہو گیا تھا، دن گیارہ بجے کے قریب ڈاک آئی ثمینہ نے وصول کی، حمزہ کے نام تھی، سو انہوں نے حمزہ کے کمرے میں رکھ دی۔

حمزہ نے لفافہ کھولا تو زندگی کی سب سے بڑی خوشخبری اس کی منتظر تھی، اس کا اپائنٹمنٹ لیٹر تھا، شاندار نوکری کی نوید تھی، وہ غفور تایا کے پاس آیا اور ان سے لپٹ گیا، ثمینہ نے اس کا ماتھا چوما اور سجدہ تشکر بجالائیں۔

''رمضان المبارک میں دعائیں قبول ہوتی ہیں اور پھر ابو آپ نے میرے لئے دعائیں امی نے کیں، سب نے کیں، یہ اس کا انعام ہے۔'' حمزہ کی آواز گلوگیر ہو گئی۔

آنے والے دنوں میں خوشگوار فضا قائم ہو گئی، عید کی تیاریاں، خوشیاں الگ اور حمزہ کی نوکری کی خوشی الگ۔

☆☆☆

آج انتیسواں روزہ تھا، کل متوقع عید تھی، سبھی کو شدت سے انتظار تھا، روزہ افطار کرنے اور نماز ادا کرنے کے بعد صغبہ چھت پر آ گئی کہ وہ بھی چاند کا دیدار کر سکے، دل میں عجب سرخوشی سر اٹھا رہی تھی۔

کہ چند منٹوں بعد چاند چاند کا شور بلند ہو گیا، آتش بازی باجے پٹاخے شور اک خوشگوار ہنگامہ برپا ہو گیا، صغبہ کی آنکھیں تشکر سے نم ہو گئیں۔

''چاند مبارک ہو۔'' یکدم اپنے پیچھے اسے حمزہ کی آواز آئی، تو صغبہ نے رخ موڑا اور پلکیں جھکا کر بولی۔

''تمہیں بھی مبارک ہو۔'' تب وہ اس کے عین سامنے آ گیا۔

''تو میرا چاند میں تیری چاندنی۔'' وہ گنگناتا تو صغبہ دل سے مسکرا دی۔

''چوڑیاں پہننے چلو گی ناں۔'' وہ لگاوٹ سے پوچھنے لگا۔

''تایا جی نے اجازت دے دی تو۔'' وہ خاموشی سے بولی۔

''ارے بھابھی جان، اجازت ہی اجازت ہے۔'' راحیل بھی کود پڑا۔

''ارے یہ آپی سے بھابھی کا کیا چکر ہے؟'' حمزہ ہنستے ہوئے بولا۔

''ابھی کان لگا کر سن کر آ رہا ہوں امی ابو آپ کی بہت جلد شادی کرنے والے ہیں باندھ رہے ہیں آپ کو حسین بندھن میں۔'' راحیل شرارتی انداز میں بولے جا رہا تھا، صغبہ کو از حد شرم آنے لگی تھی، حمزہ بھی تو بے باک نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔

''بس اب آپ دونوں آ جائیں، اپنے اپنے چاند تو آپ نے دیکھ لئے ہیں، ہمیں بھوک لگی ہے، آج بھابھی جان نے خاص کھانا بنایا ہے۔'' راحیل کی شرارتیں ختم نہ ہو رہی تھیں، راحیل ہنستا کودتا نیچے کو دوڑا، تو حمزہ اور صغبہ کی بھی ہنسی نکل گئی۔

دونوں سیڑھیاں اترنے لگے تب حمزہ کو محسوس ہوا کہ یہ سب باپ کی دعاؤں کا ثمر ہے اور باپ کی دعا اولاد کے حق میں کبھی رد نہیں ہوتی، یہ عید گزری عیدوں کی نسبت بہت سے زیادہ خوشگوار اور دل آویز تھی۔

☆☆☆

"ارے زونا جلدی کرو باہر خالہ بی کب سے چائے کی انتظار میں بیٹھی ہیں اور کتنی دیر لگے گی۔" ماہین نے آتے ہی بلند آواز میں دریافت کیا تھا۔

"کیوں خالہ بی کو کون سے اجلاس میں جانا ہے جو انہیں اتنی جلدی پڑی ہے۔" وہ بھی زونائشہ تھی سیدھا جواب دینا تو اس کے بھی مزاج کے خلاف تھا اور وہ بھی ایسے حالات میں جب خالہ بی کی تشریف آوری ہوئی ہو ان کی آمد سے تو وہ ہمیشہ چڑ ہی جایا کرتی تھی۔

"ارے اولڑ کیوں اندر کھڑی کیا کر رہی ہو اب آ بھی چکو۔" باہر سے اماں بیگم کی گمبھیر آواز گونجی تھی۔

"جی۔" دونوں ایک ساتھ ہی چونکی، ٹرے میں چائے کے کپ اور بسکٹ کی پلیٹ سیٹ کر کے ماہین نے زونا کی طرف بڑھائی۔

"یہ لو جلدی سے لے جاؤ ورنہ اماں کا پارہ ہائی ہو جائے گا۔" ساتھ ہی اماں بیگم کے سخت مزاج سے آگاہ کر دیا۔

"اف۔" وہ لمبی آہ بھر کے ماہین کو گھورنے لگی۔

"دل تو کر رہا ہے کہ خالہ بی کی چائے میں کچھ ملا ہی دوں میرے علاوہ تو جیسے دنیا کی باقی ساری لڑکیاں انہیں نظر ہی نہیں آتی جو ہر وقت میرے لئے اوٹ پٹانگ آڑے ٹیڑھے رشتے لے ک آجاتی ہیں۔" زونا نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"بری بات زونا تم اچھی طرح جانتی ہو اماں کو، یاد ہے تمہیں میری دفعہ کیسے ہر وقت خالہ بی صبح شام نئے نئے چہروں کے ساتھ برآمد ہوا کرتی تھیں، تب مجھے بھی بہت کوفت ہوتی، بہت غصہ آتا تھا ان پر، مگر سچ بات تو یہ ہے کہ اگر میں آج اتنی خوش اور مطمئن زندگی گزار رہی ہوں تو صرف خالہ بی کی وجہ سے اگر یہ ارسل کا پرپوزل نہ لاتی تو شاید آج حالات کچھ اور ہوتے اور تم خواہ مخواہ پریشان مت ہو اماں جب تک ساری تسلی نہیں کر لیتی تب تک کوئی فیصلہ نہیں کریں گی اور پھر تمہاری مرضی جانے بغیر تو کوئی فیصلہ نہیں کریں گی نا اچھا تم نے بھی مجھے کن باتوں میں الجھا دیا یہ لو چائے لے جاؤ ورنہ ٹھنڈی ہو جائے گی، چلو شاباش۔" ماہین نے بہن کو تسلی دی تو وہ بھی منہ بسورتے ہوئے کچن سے نکل گئی۔

☆☆☆

"اس لفافے میں کیا ہے۔" اماں بیگم نے خاکی رنگ کے لفافے کے اندر پڑی فوٹو کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اے بہن اس کو تو تم رہنے ہی دو یہ تم لوگوں کی پہنچ سے بہت دور ہیں۔"

"ہیں کیا کہہ رہی ہے رفعت نا مطلب کیا ہے تیرا۔" ذکیہ بیگم کے سنجیدہ لہجے پر رفعت بیگم نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"ارے آپا چھوڑو نا تم تو خفا ہو گئی اچھا یہ دیکھو تو کتنا اچھا لڑکا ہے۔" انہوں نے ایک فوٹو اٹھا کر اماں بیگم کی طرف بڑھائی۔

"السلام علیکم خالہ بی کیسی ہیں آپ۔" اس نے رسماً اماں کے ڈر سے پھیکی سی مسکان ہونٹوں پر سجاتے ہوئے کہا۔

"وعلیکم السلام جیتی رہو زونائشہ کیسی ہو تم بیٹا۔" خالہ بی نے بڑی نرمی اور خوش دلی سے پوچھا۔

"جی میں ٹھیک ہوں یہ چائے۔" رفعت کا زونائشہ کی طرف دھیان گیا تو ذکیہ بیگم نے بھی موقع سے خوب فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً اس لفافے کو کھول ڈالا اور پھر ساری تصویریں تخت پر ہی بکھر گئی، زونائشہ تو چائے دے کر واپس جا چکی تھی اور ان بکھری پڑی تصویروں میں سے ایک پر اماں کی نظر کیا پڑی بلکہ وہ تو ان کے دل کو ٹھاہ کر کے لگی۔

"ارے واہ یہ تو میری زونائشہ کے ساتھ خوب جچے گا، ایکدم چاند سورج کی جوڑی لگے گی، بس بھئی رفعت مجھے تو اپنی زونائشہ کے لئے یہی لڑکا چاہیے۔" ذکیہ بیگم نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"ہاں پر یہ لوگ تو کافی امیر ہیں۔"

"تو پھر کیا ہوا ہم لوگ بھی کسی سے مانگ کر نہیں کھاتے، ارے اللہ کا دیا سب کچھ تو ہے کس چیز کی کمی ہے، ہمارے گھر میں، تین دکانیں ہیں اپنی اور بس اب فضول میں کچھ مت سوچ ایسا کر ان لوگوں سے مل کر بات کر۔"

"اچھا اچھا ٹھیک ہے میں کرتی ہوں بات۔" اماں کو تسلی دی اور چائے پینے میں لگ گئی اور پھر کچھ دیر بعد ہی چلی گئی۔

پھر اگلی ہی شام فون پر خالہ بی نے اماں کو بتایا کہ وہ لوگ زونائشہ کو دیکھنے کے لئے آنا چاہتے ہیں تو اماں بیگم نے بھی اسے اگلی شام کا بول دیا۔

یوں دن بھر مہمانوں کے آنے کا انتظار ہوتا رہا، سب کاموں سے فارغ ہو کر اماں نے زونائشہ کو تیار ہونے بھیج دیا اب وہ پچھلے دو گھنٹوں سے کمرے میں بیٹھی نا جانے کیا کر رہی تھی کہ مجبوراً انہیں ماہین کو بلانا پڑا۔

"ماہین ادھر تو آؤ۔" اور ماہین ذکیہ بیگم کچن میں کھڑی کھیر میں مسلسل چمچ ہلاتے ہوئے بولی۔

"جی اماں کیا ہوا۔" ماہین دوسرے ہی لمحے بوتل کے جن کی طرح حاضر ہوئی۔

"ارے جا کر زونائشہ کو دیکھو تیار ہوئی کے نہیں پچھلے دو گھنٹوں سے اللہ جانے کون سا وظیفہ پڑھ رہی ہے حد ہوتی ہے بھائی کاہلی سستی کی صبح سے بول بول کے تھک گئی ہوں مگر مجال ہے جو اس کے کان پر جوں تک رینگی ہو۔" ذکیہ بیگم اپنی بیٹی کی اس حرکت پر کافی نالاں نظر آ رہی تھیں۔

"جی اماں میں پتا کرتی ہوں آپ بے فکر ہو جائیں۔" وہ کہہ کر جانے لگی تھی کہ اس کے بڑھتے قدم ایک بار پھر سے رک گئے۔

"ہاں اور یہ ارسل کیوں نہیں آیا اسے بتایا تو تھا نا تم نے گھر کا بڑا داماد ہے آخر کو اسے بھی تو ہونا چاہیے یہاں پر، فون کر کے ذرا پتا تو کر۔" اماں کو ایک اور فکر ستانے لگی۔

"جی میں کرتی ہوں۔" وہ سر ہلاتی ہوئی وہاں سے چل دی۔

"یہ کیا زونائشہ تم ابھی تک تیار نہیں ہوئی وہ لوگ پہنچنے ہی والے ہوں گے۔" ماہین نے بہن کو سادہ سے حلیے میں لاپرواہی سے بیڈ پر لیٹے دیکھ کر حیران ہوئی، لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"زونا آخر ہوا کیا ہے کیوں منہ پھلائے بیٹھی ہو کچھ بولو تو آخر بات کیا ہے کیوں پریشان کر رہی ہو۔"

"ماہین مجھے شادی نہیں کرنی۔" وہ ایکدم جیسے ترش لہجے میں بولی۔

"کیا...... زونا یہ کیا کہہ رہی ہو تم دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا اور...... اور شادی نہ کرنے کی وجہ بھی تو ہونی چاہیے کیا...... کہا تم کسی کو پسند کرتی ہو دیکھو اگر کوئی ایسی بات ہے تو مجھے صاف صاف بتا دو۔" ماہین کا لہجہ اسے ایکدم سے حیران کر گیا، وہ گڑبڑا سی گئی۔

"ن...... نہیں تو ایسی تو کوئی بات نہیں، بس میں نے کہہ دیا نا کہ مجھے شادی نہیں کرنی۔" وہ نظریں چراتے ہوئے سنجیدگی سے بولی۔

"بوجھ بن گئی ہوں نا اماں کے سر پر اس لئے اتارنا چاہتیں ہیں اپنے سر سے۔"

"غلط بات ہے زونائشہ ایسا نہیں کہتے بیٹیاں ماں باپ کے سر پر بوجھ نہیں بلکہ بیٹیاں تو ماں باپ کا مان ہوتی ہیں اور پھر یہ روایت تو ازل سے جاری ہے بیٹیوں کو چاہے جتنے سال بھی گھر بیٹھا لو ہر ایک نے ایک دن ان کا فرض ادا کرنا ہی ہوتا ہے اور اماں بابا تو بس یہ چاہتے ہیں کہ اپنے جیتے جی اپنی پیاری بیٹی کو کسی محفوظ ہاتھوں میں سونپ جائیں جوان کی بیٹی کو تحفظ اور عزت دے سکے۔"

"اور محبت....." بے اختیار ہی زونائشہ کے لبوں سے نکلا تھا۔

"ہاں اور محبت بھی زونائشہ شاید تم اس بات کو نہیں مانو لیکن مگر سچ تو یہ ہے کہ نکاح کے دو بول میں اللہ نے بڑی طاقت رکھی ہے خدا خود سے دو دلوں میں ڈال دیتا ہے اور تم دیکھنا کہ۔" زونائشہ نے اسے ٹوک دیا۔

"یہ سب تو ٹھیک ہے ماہین پر میں ابھی میفلی طور پر تیار نہیں ہوں شادی کے لئے۔" اس نے ہٹ دھرمی سے کہا تو وہ اس کے نئے عذر پر اس کا منہ دیکھ کر رہ گئی۔

"زونائشہ آہستہ بولو، اگر اماں نے سن لیا تو، دیکھو زونائشہ میری جان ابھی شادی کا کون کہہ رہا ہے ابھی تو صرف وہ لوگ دیکھنے کے لئے آرہے ہیں اور کیا پتا پھر لوگ کیسے ہونگے شادی تو بعد کی بات ہے تم ابھی سے یہ ساری باتیں سوچ کر کیوں خود کو ہلکان کر رہی ہو چلو میری پیاری بہن جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

زونائشہ کو کیسے منانا ہے وہ اچھی طرح سے جانتی تھی اس لئے غصے اور زور زبردستی کی بجائے اس نے نہایت نرمی سے اسے سمجھانا چاہا، جواباً وہ خاموش ہو گئی تھی۔

"اب تم جلدی سے تیار ہو جاؤ میں ذرا ارسل کو فون کر کے پوچھوں کہ وہ کہاں رہ گئے ہیں۔" وہ کہتے ہوئے وہاں سے نکل رہی تھی جب کچھ یاد آنے پر بولی۔

"اور ہاں دیکھو نیچے سب مہمانوں سے اچھے سے ملنا اور بات کرنا او کے۔" جاتے ہوئے بھی وہ اسے نصیحت کرنا نہیں بھولی تھی۔

"ہوں۔" ماہین نے بہن کو اطمینان دلایا تو وہ قدرے پرسکون ہوئی۔

☆☆☆

رسمی دعا سلام کے بعد مختلف قسم کے لوازمات سے میز بھری تھی کچھ چیزیں گھر پر تیار کی گئی تھیں اور کچھ بازار سے ریڈی میڈ منگوائی تھیں۔

"ارے یہ کیا بہن آپ نے تو کچھ لیا ہی نہیں یہ کیک تو آپ نے کھایا ہی نہیں۔" ذکیہ بیگم نے لڑکے کی ماں سے کہا۔

"جی ضرور کیک بھی کھا لیں گے پر پہلے آپ ہماری بیٹی کو تو بلوائیں۔" وہ محبت سے بولیں۔

"جی جی ضرور۔" ذکیہ بیگم نے کہتے ہوئے ماہین کو اشارہ کیا جو مسکراتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

کچھ ہی دیر میں زونائشہ کو لے آئی گھبرائی ہوئی شرمائی ہوئی زونائشہ لڑکے والوں کو پہلی ہی نظر میں پسند آگئی تھی۔

"ارے یہاں میرے پاس بیٹھو۔" لڑکے کی ماں نے کہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ اس کی پیشانی کو چوما تھا، اس کا مطلب صاف تھا کہ ان لوگوں کو زونائشہ پسند ہے ذکیہ بیگم بھی پہلے سے مطمئن نظر آرہی تھیں ان لوگوں نے نا صرف

رشتے کے لئے ہاں کر دی بلکہ اگلے ہفتے منگنی کی تاریخ بھی رکھ دی تھی، اماں بابا تو اچانک اتنے اچھے پرپوزل پر حیران رہ گئے سب اس کی خوش قسمتی پر رشک کر رہے تھے، پر ایک زونائشہ تھی جسے خود سے بدقسمت کوئی دوسرا نظر ہی نہیں آرہا تھا۔

"ماہین تم نے تو کہا تھا کہ وہ لوگ دیکھنے کے لئے آرہے ہیں پر انہوں نے تو رشتے کے لئے ہاں کر دی اور تم جانتی ہو اگلے ہفتے منگنی کے ساتھ ساتھ شادی کی بھی ڈیٹ فکس کرنے والے ہیں میں نے کہا تھا نا تم سے کہ مجھے ابھی ان سب معاملوں میں مت الجھاؤ مگر۔" وہ بولتے ہوئے رکی۔

"مگر یہاں تو ہر کسی کو صرف اپنی پڑی ہے میری کسی کو کوئی پرواہ نہیں۔"

رات کو فرصت ملتے ہی ماہین نے اسے فون کیا تھا تو آگے سے جیسے وہ بھری بیٹھی تھی۔

"دیکھو زونائشہ اماں مجھے بابا ارسل ہم سب کو تمہاری بہت فکر ہے اور ہم سب تمہیں خوش دیکھنا چاہتے ہیں تم کیوں ضد کر رہی ہو، آج سے پہلے تو تم نے ایسا کبھی نہیں کہا کیوں پریشان کر رہی ہو سب کو۔" زونائشہ کی باتیں سن کر ماہین کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنا ہی سر پیٹ ڈالے، اتنے کم وقت میں اسے کیسے اور کن الفاظ میں سمجھائے جو کچھ بھی سننے اور سمجھنے کے موڈ میں ہرگز بھی نہیں تھی۔

"جو ہونا تھا وہ تو گیا نا اب بلاوجہ ضد یا غصے کرنے کا کیا فائدہ کیوں خود کو اذیت دے رہی ہو اور ہمیں بھی پریشان کر رہی ہو۔" وہ ایک بار پھر نرم لہجے میں گویا ہوئی۔

"دیکھو زونائشہ شاہ زین بہت اچھا لڑکا ہے اور اس نے خود خالہ سے تمہارے لئے کہا ہے اور تم دیکھنا بہت خوش رہو گی اس کے ساتھ۔"

"جب مجھے شادی کرنی ہی نہیں تو..... اور ویسے بھی وہ کون ہے کیسا ہے مجھے نہیں جاننا اس کے بارے میں کچھ بھی اور..... اور تم میری بہن ہو کہ اس کی بجائے میرا ساتھ دو اس اجنبی انجان شخص کی حمایت کر رہی ہو۔" زونائشہ اسے نوک کر طنزیہ لہجے میں بولی۔

"تم غلط سوچ رہی ہو زونا میں اس کی سائیڈ نہیں لے رہی بس اتنا کہنا چاہ رہی ہوں کہ اب جو کچھ بھی ہو رہا ہے اسے اپنا مقدر کا لکھا سمجھ کر چپ ہو جاؤ کیوں خود کو سب کی نظروں میں گرانا چاہتی ہو دیکھو پچھلے دو سالوں سے تم نے نا جانے کتنے رشتے ریجیکٹ کیے ہیں، اماں بابا نے تمہیں کچھ نہیں کہا اور اب جبکہ وہ لوگ تمہیں پسند یدگی کے طور پر نگن پہنا گئے ہیں اور اگلے ہفتے شادی کی تاریخ رکھنے والے ہیں تم خود سوچو جب انہیں یہ بات پتا چلے گی کہ ان کی اپنی بیٹی ان کی عزت کو داؤ پر لگائے بیٹھی ہے تو کتنا دکھی ہونگے وہ پلیز زونا میری بات مان لو اور اس رشتہ کو دل سے قبول کر لو اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔" وہ کہہ کر فون کاٹ چکی تھی ادھر وہ بیٹھی سوچوں میں گم تھی بجائے اس کے کہ وہ ماہین کی باتوں میں چھپی گہرائی کو سمجھتی مگر اس پر تو بالکل الٹ ہی اثر ہوا۔

دن گزر رہے تھے اور پھر منگنی بھی ہو گئی اور ساتھ ساتھ شادی کی ڈیٹ بھی فکس ہو گئی اگلے مہینے کی پندرہ تاریخ وہ ان دنوں بالکل چپ سی ہو گئی بنا کسی ہنگامے یا شور شرابے کے وہ سب کام کر رہی تھی جو اس کی عادت اور مزاج کے خلاف تھا، ماہین دیکھ کر قدرے مطمئن ہوئی تھی کہ شاید اس پر اس کی باتوں کا اثر ہوا ہے پر زونائشہ ہی کیا جس پر کسی چیز کا اثر ہو جائے زونائشہ کے دل و دماغ میں کیا چل رہا تھا، اس تک رسائی حاصل

کرنا تو ماہین کے لئے ناممکن ہی تھا کیوں کہ وہ اپنا ہر قول و فعل سب سے پوشیدہ رکھتی تھی۔

☆☆☆

''اتنے دنوں بعد فون کیا پتا ہے میں کتنا مس کر رہا تھا تمہیں مجھے لگا شاید مجھے بھول گئی ہو۔'' اس کی رسیلی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

''ایسے ہو سکتا ہے کہ میں تمہیں بھول جاؤ۔'' وہ ترنت بولی۔

''تو پھر آج مجھ سے ملنے آ جاؤ نا قسم سے جان تمہیں دیکھنے کے لئے میری آنکھیں ترس گئی ہیں۔'' اس کا لہجہ محبت سے لبریز تھا وہ کچھ دیر تو بول ہی نہ پائی وہ ہمیشہ اسے ایسے ہی محبت بھرے جملے سناتا تو سن سی ہو جاتی کہ کئی اسے اتنی محبت کر سکتا ہے۔

''کیا ہوا تم کچھ بول کیوں نہیں رہی۔'' اس کی آواز ایک بار پھر سے ابھری۔

''کا...... کاشان میں تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔'' وہ جیسے کچھ یاد آنے پر بولی۔

''ہاں بولو جان کاشان۔'' وہ ایکدم سے چہکا۔

''میرے گھر والے میری شادی کر رہے ہیں۔''

''کیا......؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے زونائش میرا کیا ہو گا آئی مین ہماری محبت۔'' اس کے لہجے میں تلخی واضح تھی۔

''اس لئے کہہ رہی تھی کہ اپنے گھر والوں کو رشتہ لینے کے لئے بھیج دو، پر تم پر تو میری کسی بات کا اثر ہی کب ہوتا ہے اب کیا ہو گا، کاشان ابھی بھی وقت ہے کاشان اپنی امی کو میرے گھر بھیج دو باقی میں سب سنبھال لوں گی۔''

''زونائشہ میں تمہیں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ جب تک مجھے اچھی سی جاب نہیں مل جاتی اور میری بہنوں کی شادی نہیں ہو جاتی تب تک امی میرے لئے راضی نہیں ہونگی تم میری پرابلم سمجھنے کی کوشش کرو۔''

''کیا سمجھنے کی کوشش کرو ہاں کاشان کیا سمجھنے کی کوشش کروں اور اگر اتنا ہی ڈر تھا تو یہ سب مجھ سے محبت کرنے سے پہلے سوچ لیتے، تم جانتے ہو کاشان میں...... میں تم سے...... محبت کرتی ہوں نہیں رہ سکتی تمہارے بغیر۔'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی۔

''میں کب رہ سکتا ہوں تمہارے بغیر۔'' دوسری طرف وہ بھی تڑپ کر بولا، اب وہ فون پر اس کے تاثرات کو تو دیکھ نہیں سکتی تھی مگر اپنے لئے اس کی محبت محسوس کر رہی تھی۔

''اب تو صرف ایک ہی راستہ ہے ہمارے پاس۔'' وہ سب بھلا کر خوشگواری سے گویا ہوا۔

''کیا؟''

''ہم کوٹ میرج کر لیتے ہیں۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

''کیا...... کورٹ میرج کاشان یہ تم کیا کہہ رہے ہو ایسا نہیں ہو سکتا۔'' وہ ایک لمحے میں کچھ بھی سوچے بغیر انکار کر گئی تو دوسری طرف کاشان اس کے صاف انکار پر جیسے چونکا۔

''تو بس پھر ٹھیک ہے تم مجھے بھول جاؤ۔'' اس کی اگلی بات سن کر وہ ٹھٹکی۔

''کاشان پلیز ایسے مت کہو تم اپنے گھر میں بات کرو ابھی منانے کی کوشش کرو۔''

''زونائشہ تمہیں کیا لگتا ہے کہ میں نے ان سے بات نہیں کی بہت بار کوشش کر چکا ہوں پر سچ تو یہ ہے کہ کوئی کسی کا نہیں یہاں جو کرنا ہے خود کرنا ہے ورنہ بیٹھے رہو امی تو ویسے بھی میری شادی اپنی بہن کی بیٹی سے کروانا چاہتی ہیں۔'' وہ کب راضی ہو گئیں۔

''کوٹ میرج کے علاوہ ہمارے پاس دوسرا کوئی راستہ نہیں۔'' وہ جیسے ہر سوال کا جواب لئے بیٹھا تھا۔

''مگر کاشان، اماں بابا...... اور...... اور لوگ کیا کہیں گے۔'' وہ کسی طور مطمئن نہیں ہو رہی تھی۔

''ارے بھول جاؤ سب کچھ دیکھنا ہماری شادی کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا اور رہا سوال گھر والوں کی ناراضگی کا تو ہم ان سے معافی مانگ لیں گے اور تمہاری خاطر میں ان کے پاؤں پکڑنے کو بھی تیار ہوں، کیا بھروسہ نہیں ہے میری محبت پر۔'' وہ اسے یقین دلاتے ہوئے بولا۔

''مگر کاشان؟''

''دیکھو زونائشہ محبت ہوتی ہے یا پھر نہیں ہوتی کیوں کہ محبت میں اگر مگر جیسا کچھ نہیں ہوتا میں تمہیں فورس نہیں کروں گا، تم اچھی طرح سوچ لو میں تمہاری فون کال کا انتظار کروں بائے۔'' وہ کہتا ہوا فون رکھ گیا۔

وہ انہی سوچوں میں غرق تھی کہ اچانک باہر سے آنے والی آوازوں سے چونکی اس کی سوچ کے عین مطابق ہوا تھا وہ آوازیں ان کے ساتھ والے گھر سے برآمد ہوئی تھیں وہ شاید باہر جانے کے ارادے سے اپنا دوپٹہ شانوں پر پھیلا رہتے ہوئے راہداری کی طرف بڑھ رہی تھی کہ پیچھے آنے والی اماں کی آواز سے اس کے بڑھتے ہوئے قدم تھم گئے۔

''کہاں جا رہی ہو۔'' ان کی گمبھیر آواز ابھری تھی۔

''اماں وہ...... میں فرزانہ...... باجی۔'' وہ کچھ بولتے ہوئے رکی۔

''کوئی ضرورت نہیں وہاں جانے کی ارے کہیں ایسا نہ ہو اس کا بد دماغ شوہر خواہ مخواہ میں کوئی چیز تیرے سر میں بھی دے مارے، پھر نبھاتی رہنا اپنی ہمدردیاں ارے ایسے شوہر کو تو بندہ پولیس کے حوالے کر دے نکما کہیں کا بیوی بیچاری سارا سارا دن محنت کرتی ہے لوگوں کے کپڑے سلائی کرتی ہے اور یہ کم بخت مارا اس کی محنت سے کمایا ہوا پیسہ جوئے اور شراب میں اڑا دیتا ہے ارے میں پوچھتی ہوں فرزانہ کو کیا آفت آن پڑی تھی جو اس نامراد سے بھاگ کر شادی کر لی نا جانے کیا نظر آ رہا اسے اس نشئی میں جو یوں اپنا گھر بار چھوڑ کر کے اس کے ساتھ یہاں خوار ہو رہی ہے تین بچے ہو گئے پر یہ تنویر ہے کہ ذلیل انسان سدھرنے کا نام ہی نہیں لے رہا یہی حال ہوتا ہے گھر سے بھاگی ہوئی لڑکیوں کا، ارے جو اپنے ماں باپ کی عزتوں کو یوں سر عام نیلام کرتی ہیں نا کبھی خوش نہیں رہتی۔'' اماں لمبی سانس خارج کرتے ہوئے خاموش ہوئی، اماں نے تو گویا ان کا پچھلا سارا احوال ایک ہی جھٹکے میں بیان کر ڈالا، وہ کچھ بولنے کا ارادہ ترک کر کے کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

کچھ ثانیے بعد گہری خاموشی چھا گئی تھی اور یہ خاموشی شاید اس لئے تھی کہ تنویر گھر سے باہر جا چکا تھا۔

☆☆☆

شام میں ٹھنڈے گھنے سائے لہرا رہے تھے کیاریوں میں لگے پھول موتیے گلاب کے پھولوں سے اٹھتی ہوئی بھینی بھینی سی خوشبو بہت بھلی لگ رہی تھی ہلکی آنچ پر رکھے بڑے پتیلے کے ڈھکن کو ہٹایا تھا تو بریانی کی خوشبو نے سارے ماحول کو مہکا دیا۔

پتھر کی شفاف بھاری پلیٹ کو تسلی سے بھری لی اور اسے ڈھانپ کر دوپٹہ درست کرتے ہوئے

باہر کی راہ لی تھی، اسے آتے دیکھ کر اماں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا جس کا مطلب وہ سمجھ چکی تھی۔

"اماں میں ذرا فرزانہ باجی کو یہ بریانی دے آؤں۔"

"اچھا اچھا ٹھیک ہے پر ذرا جلدی واپس آ جانا۔" ذکیہ بیگم جانتی تھی کہ وہ ان کے کہنے سے کہاں رکنے والی ہے یہ تو اس کی عادت تھی گھر جب کچھ پکاتی سب سے پہلے ڈش ڈونگے بھر کے فرزانہ کو دے آتی، اگر ذکیہ بیگم کچھ کہتی تو اس کا ہمیشہ ایک ہی جواب آتا۔

"اماں ہی سب تو ان کے نصیب کا ہے جو میں انہیں دے آتی ہوں اب اچھا تھوڑی لگتا ہے کہ ہم لوگ یہاں بیٹھ کر پیٹ بھر کے مزے مزے کے کھانے کھائیں اور بچے بیچارے بھوکے بیٹھے ہوں، آپ تو جانتی ہیں نا تنویر کو اور پھر ان سب میں ان معصوم بچوں کا کیا قصور ہے، ان کے حالات سے تو اچھی طرح واقف ہیں آپ۔" اور اس کی یہی باتیں ایک دن اس کے بابا نے سنی تو کہنے لگے۔

"خدا تم جیسی بیٹیاں سب کو دے میری بیٹی تو میرا مان ہے۔" حاجی صاحب نے پیار سے اسے خود سے لگا لیا تھا۔

"ارے بھائی آ رہی ہوں، ذرا صبر تو کر لو اب جو کون سا دروازے کے ساتھ جڑی بیٹھی ہوں جو پہلی بیل پر ہی دروازہ کھول دوں۔" فقاہت سے بولتی ہوئی فرزانہ نے گیٹ کی طرف جاتے ہوئے کہا پر دروازہ کھولتے ہی اس کا سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا، دروازے پر زونا نشہ کھڑی تھی ہنس مکھ نٹ کھٹ سی ٹک سک سے تیار رہنے والی اس کے سامنے فرزانہ کو اپنا آپ نہایت ہی کم تر محسوس ہو رہا تھا جس کی اپنی حالت اجڑی اجڑی سی پٹی پٹی بکھیرائے بال جو شاید تھوڑی دیر پہلے آنے والی آوازوں کی عکاسی کر رہے تھے۔

"ارے یہاں کیوں کھڑی ہو گئی اندر آؤ نا زونا نشہ۔" اس نے ہلکا سا مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"وہ تنویر بھائی؟"

"نہیں وہ گھر پر نہیں ہے تم آؤ نا۔" وہ اس کی جھجک محسوس کر گئی تھی جبھی سے ٹوک دیا اور زونا نشہ تو اس کی حالت دیکھ کر پونچکارہ گئی تھی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو زونا۔" وہ بھی ماہین کی طرح اسے زونا ہی کہا کرتی تھی۔

"آپ تنویر بھائی کو کچھ کہتی کیوں نہیں وہ اتنا برا سلوک کرتے ہیں آپ کے ساتھ اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود بھی آپ ان کے ساتھ کیوں رہ رہی ہیں آپ، آپ واپس اپنے گھر کیوں نہیں چلی جاتیں۔" نا جانے وہ کیا کہنے والی تھی کہ یکبارگی ہی رک گئی۔

"کیونکہ خود فرزانہ اور تنویر کی شادی بھی تو لو میرج کا ہی نتیجہ تھی۔"

فرزانہ تو کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر کہنے لگی۔

"گھر کون سے گھر زونا وہ گھر جو سات سال پہلے اس شخص کے بھروسہ اور محبت کی خاطر چھوڑ کر چلی آئی تھی جسے آج نہ تو میری پرواہ ہے اور نہ ہی اپنے بچوں کی کوئی فکر میرے ساتھ جو کچھ بھی ہو رہا ہے نا یہ میری سزا ہے میری اک ذرا سی بھول نے ہی مجھے آج اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے ساری بھول ساری غلطی میری تھی جو میں اس کی باتوں میں آ گئی اور اس سے پیار کر بیٹھی۔" وہ بہت دکھی لگ رہی تھی۔

"کیا لو میرج کرنے والی سب لڑکیوں کا یہی حال ہونا ہے۔" بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا تھا۔

"یہ تو میں نہیں جانتی زونا ہاں پر اتنا ضرور جان چکی ہوں کہ جو بیٹیاں اپنے ماں باپ کی محبتوں اور عزتوں کا پاس نہیں رکھتیں وہ میری طرح کبھی خوش نہیں رہتیں اور ویسے بھی والدین کو دکھی کر کے کون خوش رہ سکا ہے، بتا ہے زونا میرے ماں باپ تنویر کے رشتے پر راضی نہیں تھے وہ مجھے قدم قدم پر سمجھاتے رہے پر مجھ پر تو جیسے ان کی باتوں کا اثر ہی کب ہو رہا تھا میں تو پیار کے نشے میں اس قدر اندھی ہو چکی تھی کہ مجھے کچھ بھی دیکھائی ہی نہیں دے رہا تھا میں نے انہیں منانے کی بہت کوشش کی مگر وہ نہیں مانے اور انہوں نے میری شادی امی کے پھپھو کے بیٹے سے طے کر دی، بہت اچھے لوگ تھے لڑکا انجینئر تھا پڑھا لکھا خوش حال گھرانہ تھا پر میری ہی عقل شاید گھاس چرنے چلی گئی تھی جو میں نے فون کر کے اسے ساری بات بتا دی اور پھر بھاگ کر شادی کر لی۔" وہ چند لمحے رکی اور لمبی آہ بھرنے کے بعد کہنے لگی۔

"جانتی ہو زونا جس شخص کی محبت میں نے اتنا سب کیا وہ آج کیا کہتا ہے..... وہ..... وہ مجھے ہوس کی پجارن بولتا ہے میری محبت کو وہ ہوس کہتا ہے اور کہتا ہے کہ اسے میری شکل سے نفرت ہے میں اسے اچھی نہیں لگتی اسے مجھ سے یا بچوں سے کوئی دلچسپی نہیں اس لئے وہ دوسری شادی کرنا چاہتا ہے جبکہ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی، میں سب کچھ برداشت کر سکتی ہوں پر اسے کسی اور کا ہوتا نہیں دیکھ سکتی ہوں کہ وہ صرف میرا شوہر ہی نہیں بلکہ میرے بچوں کا باپ بھی ہے وہ جیسا بھی ہے، ہے تو میرا شوہر ہی نا نا جانے کب اسے احساس ہو گا اگر بچے نہ ہوتے تو شاید اب تک کوئی سخت فیصلہ کر چکی ہوتی مگر اب میں مجبور ہوں بے بس ہو چکی ہوں۔" اس کی آنکھوں میں آنسو کی روانی بڑھ گئی تھی۔

"پلیز فرزانہ باجی آپ مت روئے دیکھئے گا ایک دن تنویر بھائی کو اپنی کی گئی غلطیوں کا احساس ضرور ہو گا بہت جلد انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ اسے تسلی دلاسے دے کر گھر چلی آئی تھی مگر خود کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی، کہ کیا کرے کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

"کیا کا شان....." کچھ سوچتے ہوئے اس کا وجود لرز سا گیا تھا۔

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا جو کچھ فرزانہ باجی کے ساتھ ہوا ناممکن وہ میرے ساتھ ایسے نہیں کر سکتا کیونکہ کا شان مجھ سے محبت کرتا ہے بے پناہ محبت۔" اس کے آگے وہ کچھ بھی سوچ نہیں پائی تھی اور خود کو دلاسا دینے لگی۔

وہ اس سے ہمیشہ ایسے محبت پیار کے دعوے کرتا تھا وہی زندگی گزارنے ساتھ جینے مرنے کے اور ستارے توڑ لانے کی باتیں صدیاں بیت گئیں زمانے بدل گئے رسموں رواج اور اس جدید ترین ٹیکنالوجی کے دور میں نہیں بدل پائے تو ان عورتوں نے اپنے دل کی حالت وہ سب کچھ بھول جایا کرتی تھی اس کا دل و دماغ تو ساتویں آسمان پر اڑنے لگتا تھا شاید بھول گئی تھی کہ اونچی اڑان بھرنے والے اکثر منہ کے بل گرتے ہیں پیار اندھا ہوتا ہے سچ کہتے ہیں لوگ اس عشق محبت نے تو اچھے اچھوں کی عقل پر پردہ ڈالا اور یہ تو پھر بھی زونا نشہ بی بی جیسی اک عام سی لڑکی تھی محبت انسان کو صرف اندھا ہی نہیں بلکہ خود غرض و بے بس اور کمزور بھی کر دیتی ہے اور وہ محبت میں اتنی خود غرض ہو جائے گی کہ اسے اپنے آس پاس کے رشتے ان کا پیار کو نظر انداز کر دے گی جانتی

تھی کہ گھر والے اس کی ایک نہیں سنیں گے کیونکہ کاشان کے پاس نہ تو اچھی جاب تھی پھر وہ تو کسی دوسرے شہر سے آیا تھا یہاں کام کے لئے اور اپنے ایک دوست کے اپارٹمنٹ میں رہ رہا تھا اس نے سرسری سا جائزہ لیا گھر میں شادی کی تیاریاں زور شور سے کی جا رہی تھیں اور ایسے حالات میں کسی سے بھی کاشان کا ذکر کرنا بڑی حماقت ہی تھی کافی دیر وہ اپنی سوچوں سے الجھتی رہی پھر تھک ہار کر آرام کرنے کی غرض سے لیٹ گئی۔

☆☆☆

شادی میں چند دن ہی باقی تھے اس لئے وہ آج کاشان سے فائنل کورٹ میرج کی بات کرنے آئی تھی بہت سوچ سمجھ لینے کے بعد اسے یہی لگا تھا کہ وہ کاشان کے بغیر نہیں رہ سکتی، گاڑی ایک جھٹکے سے بلڈنگ کے سامنے رکی تھی اور اس کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹا تھا نیچے اتر کر ٹیکسی والے کو پیسے دینے کے بعد وہ تقریباً اپنے وجود کو گھسیٹتی ہوئی بلڈنگ تک آئی تھی لفٹ تو حسب معمول ہمیشہ سے ہی خراب تھی ساری بلڈنگ تو ناقص اور سستے فلیٹس سے پر تھی، اگر کوئی ایک آدھ چیز خراب ہو جاتی تو مہینوں ٹھیک ہونے کا نام نہ لیتی، پانچویں فلور تک سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے اسے لگ رہا تھا جیسے صدیوں کا فاصلہ طے کر آئی ہے، کاشان کے اپارٹمنٹ کے سامنے رک کر اس نے ناک کرنے کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا تھا کہ اچانک اسے رک جانا پڑا ایسا غیر ارادی طور پر ہوا تھا مگر دوسرے ہی لمحے اندر سے برآمد ہونے والی بھاری آواز نے اسے ساکت کر دیا۔

''ارے یار تو شادی کیوں نہیں کر لیتا۔'' اندر سے مردانہ آواز واضح طور پر آئی تھی۔

''کیوں بھائی یہ آج بیٹھے بٹھائے تمہیں میری شادی کا دورہ کیسے پڑ گیا۔'' اب کاشان نے جواب دیا۔

''وہ اس لئے کہ تجھے روز روز کے فون کالز کے جھنجھٹ سے چھٹکارا بھی مل جائے گا اور پھر تم آرام سے جتنی چاہیں باتیں کرنا بنا کسی روک ٹوک کے ارے باتوں سے یاد آیا زونائشہ کے بارے میں کیا خیال ہے تیرا۔'' اب کے وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

''کوئی خیال نہیں۔'' اس کے نہایت لاپرواہی سے کہنے پر وہ چونکا۔

''کیا...... کیا مطلب ارے پچھلے ایک سال سے تو اس سے اتنا اٹیچ ہو گیا ہے مجھے لگا تو سچ مچ سیریس ہے ویسے بھی زونائشہ اچھی لڑکی ہے یار اس میں حرج ہی کیا ہے۔'' وہ اپنے لفظوں پر زور دے کر بولا۔

''اچھی لڑکی۔'' ان دو لفظوں کو خاصا لمبا کھینچتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا گیا تھا۔

''ارے یار تو نا بہت سیدھا اور معصوم ہے یہ اگر اتنی اچھی ہوتی تو مجھ سے دوستی کیوں کرتی اور ویسے بھی زونائشہ جیسی لڑکیاں نا صرف ٹائم پاس کرنے کے لئے ہوتی ہیں مستقل طور پر سر پہ سجانے کے لئے نہیں اور میں بے وقوف تھوڑی ہوں جو اس سے شادی کر لوں شادی تو وہی کروں گا جہاں اماں کہیں گی۔'' وہ بڑے آرام سے کہہ گیا تھا۔

باہر کھڑی زونائشہ کو لگا کہ جیسے وہ ذلت کی انتہاہ گہرائیوں میں دھنستی جا رہی ہے۔

''ویٹ از ناٹ فیئر یار یاد ہے تو نے خود ہی اسے دوستی کی پیشکش کی تھی۔'' اور اب وہ اسے مزید کچھ یاد دلانے جا رہا تھا جب ہی اس نے ٹوک دیا۔

''ہاں تو کی تھی مگر وہ انکار بھی تو کر سکتی تھی میری تھوڑی سی کوشش کے بعد جو لڑکی مجھ سے

بات کرنے اور ملنے کے لئے راضی ہو گئی اس کا بھروسہ کیسے کر لوں اب اگر میں اسے بھاگ کر شادی کے لئے کہوں گا تو وہ اپنا گھر اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر بھاگ آئے گی۔''

''اب یہ تو زیادتی ہے دیکھو زونائشہ جیسی پڑھی لکھی خوبصورت با کردار لڑکی تجھے ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے گی۔''

''ارے اس طرح کی با کردار لڑکیوں سے تو شہر بھرا پڑا ہے تو کہہ کر تو دیکھ ایک کی جگہ دس دس نکل آئیں گی ویسے میری سمجھ میں تو یہ نہیں آتا کہ کیا لڑکیوں میں عزت نفس حیاء یا عقل کی کوئی چیز نہیں ہوتی اور جو لڑکیاں اپنے ماں باپ کی عزت کو داؤ پر لگا سکتی ہیں سوچ کل کو کسی دوسرے کے لئے کیا نہیں کر سکتی خیر زونائشہ مجھے اچھی لگی تھی اور اگر وہ مجھ سے فون پر بات نہ کرتی تو......؟''

''تو......''

''تو پھر کچھ سوچا جا سکتا تھا مگر اب نہیں اور تمہاری اطلاع کے لئے بتا دوں زونائشہ بی بی کی شادی ہو رہی ہے بتایا تھا اس نے مجھے، اچھا ہے جان چھوٹ جائے گی فری میں اتنے جھوٹ بولنے پڑتے تھے، پیچھے ہی پڑ گئی تھی میری جان چھڑوانا مشکل ہو گیا تھا میرا کہ۔'' اسی لمحے سیل فون نے اسے مزید بولنے سے روک دیا۔

''زارا۔'' وہ زیر لب مسکرایا تھا۔

''زارا اب یہ کون ہے۔'' وہ حیران ہوا تھا۔

''ارے بھائی زونائشہ کی تو شادی ہو رہی ہے تو میں نے سوچا کیوں نا اسی خوشی میں کوئی نئی مچھلی پھنسا لی جائے خود ہی مجھ سے بات کرنے کے لئے تڑپ رہی تھی تو مجھے بھی اس بیچاری پر رحم آ گیا، اچھا چپ ہو جا بات تو کرنے دے کہتی کیا ہے۔'' اس نے شاید موبائل اسپیکر پر لگایا تھا۔

''ہیلو سویٹ ہارٹ کیسی ہو، پتا ہے کب سے تمہیں ہی یاد کر رہا تھا تمہاری آواز سننے کے لئے ترس گیا تھا۔''

''کیا اتنی محبت کرتے ہو مجھ سے۔'' دوسری طرف سے نسوانی آواز برآمد ہوئی۔

''ہاں یقین نہیں آتا تو آزما کر دیکھ لو ٹرسٹ می آج سے پہلے میرا دل اتنی شدت سے کبھی کسی کے لئے نہیں دھڑکا تمہارے لئے میرے دل میں کتنی محبت ہے اس کا تم اندازہ نہیں لگا سکتی۔'' وہی شہد ٹپکاتا ہوا لہجہ تھا۔

باہر کھڑی زونائشہ حیدر کا اپنی ہی ٹانگوں پر کھڑے رہنا محال ہو رہا تھا اگر وہ بروقت دیوار کو نہ تھامتی تو شاید وہیں ڈھے جاتی مزید کچھ سننے کی ہمت اس میں نہیں تھی، اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ اندر بیٹھا شخص کیسے اس کی ذات اس کے کردار کی کس طرح دھجیاں بکھیر گیا تھا وہ جسے اپنی محبت پر اتنا مان تھا اور جس کے بھروسے پر سب چھوڑ کر آئی تھی اب خود اپنی ہی نظروں میں گرتی چلی جا رہی تھی، محبت کی باتیں کرنے والا اسے ساتویں آسمان پر بیٹھانے والے نے ہی آج اسے زمین پر اوندھے منہ گرایا تھا وہ کس خوش فہمی میں یہاں چلی آئی تھی زونائشہ کے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے، اپنی ذات پر اپنے کردار پر اٹھتی انگلی پر زندگی میں پہلی بار اس نے کاشان سے دوستی کی تھی یہ سوچ کر کے آئندہ اس رشتے کو مضبوط بندھن میں بندھ جائے گا مگر جو کچھ بھی ہوا تھا اس کی سوچ کے مترادف ہوا تھا وہ سب تو سراب تھا اور سراب کے پیچھے بھاگنے سے کچھ ہاتھ نہیں آتا یہ قدرت کا شاید معجزہ ہی تھا یا پھر اس کے والدین کے نیک اعمال جو کاشان کی اصلیت اس پر کھل گئی۔

''اب آنسو بہانے یا پچھتانے سے کچھ

حاصل نہیں ہوگا زونائشہ ابھی بھی وقت ہے لوٹ چلو واپس اپنے گھر اپنے ماں باپ کے پاس وہ تم سے بہت محبت کرتے ہیں جو بنا کسی لالچ غرض کے تمہیں چاہتے ہیں تم سے بے لوث اور خالص محبت کرتے ہیں۔" اس کے اندر سے آواز آئی تھی ایکبار تو دل نے چاہا کہ اندر جائے اس دھوکے باز دوغلے انسان کا گریبان پکڑ کر اس سے پوچھے کہ اس نے ایسا کیوں کیا اور ساتھ ہی اس کا چہرہ تھپڑوں سے سرخ کر دے ساری بلڈنگ والوں کے سامنے اس کی حقیقت اس کی اصلیت کو کھول کے رکھ دے۔

مگر پھر دماغ نے ٹوکا تھا اب ان سب باتوں کا کیا فائدہ کیونکہ غلطی تو اس کی اپنی تھی بھول گئی تھی کہ کاشان جیسے لوگ کبھی کسی ایک کا ہو کہ نہیں رہ سکتے جس شخص کے لئے وہ انتہائی قدم اٹھا رہی ہے اپنے ماں باپ کی عزت کو مٹی میں ملانے چلی ہے وہ، وہ تو اس کے بھروسے اس کی محبت کے قابل ہی نہیں تھا، کاشان کی ان باتوں سے ایک بات تو کلیئر ہو چکی تھی اور وہ یہ کہ زونائشہ کو کورٹ میرج والی بات محض اس نے اپنی جانِ چھڑوانے کے لئے کہی تھی اسے یہی لگا تھا کہ وہ پیچھے ہٹ جائے گی مگر اسے کیا خبر تھی کہ وہ پاگل لڑکی وہ اس کے کہے جھوٹ کو سچ سمجھ کر ہی آج اس کی دہلیز پر کھڑی ہے جس کے سارے وہم وگمان دور ہو چکے تھے آخر تھی تو حوا کی بیٹی ہی نا بے وقوف، خوش فہم چار لفظوں کی مار محبت کے نشے میں شادی کا وعدہ کرنے والے کو آج اپنا آپ سونپے جا رہی تھی گھر سے باہر قدم نکالتے سمے اسے ایک بار بھی نہ سوچا کہ وہ ایک مرد ہے اگر جو مکر گیا تو کیا کرے۔گی کہاں جائے گی؟

کچھ سوچتے ہوۓ اس نے کلائی پر بندھی واچ پر وقت دیکھا تو اسے معلوم ہوا کہ گھر سے نکلے اسے دو گھنٹے گزر چکے ہیں اس لئے وہ مزید دیر نہیں کرنا چاہتی تھی اس نے اپنے آنسو پونچھے اور واپسی کے لئے قدم بڑھا دیے تھے۔

☆☆☆

گھر کے مین گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے برآمدے تک آئی تھی اس وقت وہ کسی کے بھی سامنے آنا نہیں چاہتی تھی مگر گھر آتے ہی پہلا سامنا اماں سے ہوا۔

"یہ صبح صبح بنا بتائے کہاں چلی گئی تھیں تم۔"

اب وہ اس سے جواب طلب تھیں۔

"اماں وہ...... وہ میں...... میں زلف کے گھر گئی تھی اس نے فون کر کے بلوایا تھا کچھ ضروری کام تھا تو۔" اس کے آگے وہ کچھ نہ بول پائی اور نظریں چرا گئی وہ زونائشہ حیدر جو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیتی تھی آج سب کچھ بھول گئی اس کی اک ذرا سی بھول نے اسے آج کیسا سبق دیا تھا۔

"ارے لڑکی اگلے ہفتے تمہاری شادی ہے خدا جانے کب عقل آئے گی تمہیں اب اگر زلف کا فون آئے تو کہنا کہ خود آ کے مل لے ان دنوں میں لڑکیوں کا گھر سے اکیلے باہر نکلنا بدشگونی ہوتا ہے۔"

"جی۔" وہ کہہ کر رکی نہیں تھی اپنے کمرے میں آ کر اس کا ضبط ایک بار پھر جواب دے گیا اور کتنی ہی دیر وہ روتی رہی مگر رونا صرف آج کے لئے تھا اب اسے اپنے ماضی کو بھول کر اپنے آنے والے کل کو بہتر بنانے کے بارے میں سوچنا تھا جو غلطی وہ ایک بار کر چکی ہے اسے دوبارہ نہیں دوہرائے گی اور اس رشتے کو دل سے قبول کرنے کا عزم کیا تھا اس لئے اپنا سم کارڈ کو توڑ موڑ کر باسکٹ میں پھینک دی، کیونکہ زندگی کی نئی شروعات وہ پوری ایمانداری سے کرنا چاہتی تھی۔

ان دنوں وہ بالکل چپ سی ہو گئی ہاں البتہ اس نے نماز باقاعدگی سے شروع کر دی وہ اپنی اس اک ذرا سی بھول کے لئے اپنے رب سے شرمندہ تھی اور معافی کی طلبگار تھی۔

مہندی کی شام ہی اس کا نکاح شاہ زین سے ہوا تھا اور ابھی کچھ دیر پہلے ہی اسے اسٹیج پر لا کر بیٹھا گیا تھا ڈیپ ریڈ اور بوتل گرین شرارے میں وہ نظر لگ جانے کی حد تک خوبصورت لگ رہی تھی مگر اس کی حد سے بڑھی ہوئی سنجیدگی حیران کر رہی تھی سب کو وہ اس روپ میں بھی قیامت ڈھا رہی تھی، اس کے برابر میں آف وائٹ کلر کی شیروانی میں بیٹھا شاہ زین بھی کوہ قاف کے کسی شہزادے سے کم نہیں لگ رہا تھا اس کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی دلکش سی مسکراہٹ مسمرائز کرنے کو کافی تھی، دوستوں کی چھیڑ چھاڑ اور جملے بازی پر فقط وہ مسکرائے جا رہا تھا، پر زونائشہ نے ایک بار بھی نظر اٹھا کر اسے نہیں دیکھا تھا۔

"ارے واہ زین بھائی کتنے اچھے لگ رہے ہیں کیا شاندار پرسنیلٹی ہے ان کی۔"

"ہوں سچ مچ چاند سورج کی جوڑی لگ رہی ہے۔" کسی اور نے بھی لقمہ دیا تھا اور ساتھ کسی بات پر شاہ زین نے زوردار قہقہہ لگایا تھا جبھی زونائشہ نے چونک کر اسے دیکھا تو کچھ پل کے لئے ساکت سی ہو گئی اور کسی ٹرانس کی کیفیت میں ایک ٹک اسے دیکھے گی تو شاہ زین کی ہنسی کو بریک لگ گیا۔

اس کے ساتھ بیٹھا شخص مردانہ وجاہت کا شاہکار لگ رہا تھا زونائشہ کے دل نے بڑی زور سے دہائی دی تھی یہ وہی شخص تھا جس کی تصویر تک دیکھنا زونائشہ نے گوارا نہیں کی تھی مگر اب اس کی ایک جھلک دیکھنے کے بعد خود ہی اپنا دل ہار بیٹھی تھی۔

"کیا ہوا، ایسے کیا دیکھ رہی ہو محترمہ نظروں سے قتل کرنے کا ارادہ ہے کیا۔" وہ مسکراہٹ دباتا ہوا نہایت دھیمے مگر شرارتی لہجے میں گویا ہوا آواز اتنی دھیمی تھی کہ مشکل سے ہی زونائشہ کو سنائی دی تھی تو دوسرے ہی لمحے جیسے وہ ہوش میں آئی اس کے چہرے سے نظریں ہٹا کر اب اس کی تشکر بھری نظریں فلک کی جانب اٹھی تھی۔

"کیونکہ اللہ نے اسے اس کی اک ذرا سی بھول کے لئے نا صرف معاف کر دیا تھا بلکہ شاہ زین جیسے ہیرے سے نواز کر اس کے سب گلے شکوے بھی دور کیے تھے۔" وہ دل ہی دل میں اپنے رب کی شکر گزار ہوئی تھی اور پرسکون سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آن ٹھہری تھی اور ساتھ ہی ایک بار پھر اس کی نظریں اس کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

کیا خبر تھی کہ ہمیں محبت ہو جائے گی
ہم کو تو بس اس کا مسکرانا اچھا لگا تھا

☆☆☆

مشہور مزاح نگار ابنِ انشاء
کے سفر نامے
قیمت
شائع ہو گئی ہے۔
نگری نگری پھرا مسافر
قریبی بک سٹال سے خریدیں
یا ہم سے طلب فرمائیں
لاہور اکیڈمی ۲۰۵ سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور

حاصل مطالعہ

تحریم محمود

پروردگار

عربی کیا ایک حکایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین گئے تو انہیں بخار نے آ لیا اور اس کے بعد بھوک ستانے لگی، حضرت موسیٰ نے دعا کی۔

''اے میرے رب! میں مسافر ہوں، مریض بھی ہوں اور میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔'' اللہ جل شانہ نے فرمایا۔

''اے موسیٰ! کیا تو جانتا ہے کہ غریب کون ہوتا ہے؟ مریض کون ہوتا ہے اور بغیر مال والا کون ہوتا ہے؟'' حضرت موسیٰ نے فرمایا۔

''ارے رب! مجھے اس کا علم نہیں۔'' اللہ نے فرمایا۔

''غریب وہ ہے جس کا میری طرح حبیب نہ ہو اور مریض وہ ہے جس کا میری طرح کا طبیب نہ ہو اور بغیر مال والا وہ ہے جس کا میری طرح کا کارساز نہ ہو۔''

رابعہ علی، فیصل آباد

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کھانا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

O حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات تک آپ کے اہل وعیال نے مسلسل دو دن بھی جو کی روٹی سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ (شمائل ترمذی)

(یعنی مجبوروں سے اگر چہ اس کی نوبت آ گئی ہو لیکن روٹی سے کبھی یہ نوبت نہیں آئی کہ مسلسل دو دن ملی ہو)

O کبھی کبھی گیہوں کی روٹی بھی تناول فرمائی ہے۔ (خصائل نبوی)

O سہیل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ سے کسی نے پوچھا کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی سفید میدہ کی روٹی بھی کھائی ہے۔'' انہوں نے جواب دیا کہ ''آپ کے سامنے آخر عمر تک میدہ آیا بھی نہ ہوگا۔'' (بخاری شمائل ترمذی)

O حضرت انس رضی اللہ سے روایت ہے کہ ''حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی میز پر کھانا تناول نہیں فرمایا، نہ چھوٹی طشتریوں میں کھایا نہ آپ کے لئے کبھی چپاتی پکائی گئی، آپ کھانا چمڑے کے دستر خوان پر تناول فرماتے تھے۔'' (شمائل ترمذی)

شازیہ رفیق، اسلام پورہ لاہور

ماں کا مقام

حضرت موسیٰ علیہ السلام وہ جلیل القدر پیغمبر تھے جن کو خدائے بزرگ و برتر نے پیغمبری اور کلام کے لئے منتخب فرمایا اور معجزات عطا کیے، جب آپ کوہ طور پر اللہ تعالیٰ سے کلام کے لئے جاتے تو ان کی سلامتی کی دعا ان کی ماں کے مقدس لبوں پر ہوتی، والدہ محترمہ کے انتقال کے بعد جب آپ ایک مرتبہ کوہ طور پر اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے جا رہے تھے تو غیب سے آواز آئی۔

''اے موسیٰ! سنبھل کے اب تمہارے لئے دعا کرنے والے لب خاموش ہیں۔''

طاہرہ آصف، ساہیوال

باتوں سے خوشبو آئے

O اپنا ادب کروانے کے لئے دوسروں کا ادب کرو تمہارا احترام خود بخود کیا جائے گا۔

O کسی کا راز تلاش نہ کرو اگر معلوم ہو جائے، تو فاش نہ کرو۔

O دین پر عمل تبھی ہو سکتا ہے جب دل میں سلف صالحین کی محبت اور عظمت ہو۔

O معاف کرنا سب سے زیادہ اسے زیب دیتا ہے، جو سزا دینے پر قادر ہو۔

O تھوڑا دینے پر مت شرماؤ کیونکہ خالہ ہاتھ لوٹانا اس سے بھی گری ہوئی بات ہے۔

O جب عقل بڑھتی ہے تو باتیں کم ہو جاتی ہیں۔

عافیہ رحیم، سکھر

کرنیں

☆ دنیا کوئی ایسی بری جگہ بھی نہیں، ابھی پھول کھلنے بند نہیں ہوئے، صبح پورے دل سے ہوتی ہے اور روز سورج پورے یقین سے طلوع ہوتا ہے، خزاں آتی ہے اور رک کے بنا چلی جاتی ہے کہ بہار نے آنا اور ٹھہرنا ہوتا ہے۔

☆ بنانے والے نے لوگوں کو ستار کے تاروں جیسا بنایا ہے، بس آپ کو اتنا پتا ہونا چاہیے کہ کون سی تار کو چھیڑنا ہے پھر وہی آواز نکلے گی اور وہی دھن بجے گی جو آپ بجانا چاہیں گے۔

☆ مستنصر حسین تارڑ کہتے ہیں۔

ایک فائل دل کی بھی ہوتی ہے، جس میں ایک ہی نام ہوتا ہے، اگر ایک سے زیادہ ہوں تو وہ فائل، کتاب نہیں رہتی بلکہ انسائیکلو پیڈیا بن جاتی ہے۔

ایک فائل خطوط، کارڈز، فون نمبرز کی بھی ہوتی ہے اسے بھی کبھار دیکھنا چاہیے، جو بھول گئے ہوں، انہیں یاد کر لینا چاہیے۔

واجدہ امیر، حیدر آباد

سلطنت کی قیمت

ایک مرتبہ ہارون الرشید عباسی نے پینے کے لئے پانی مانگا، مجلس میں اس وقت مشہور عالم، زاہد ابن سماک بھی موجود تھے، پانی آ گیا اور ہارون الرشید پینے ہی کو تھا کہ ابن سماک نے کہا۔

''ذرا ٹھہر جائیے اگر آپ سے یہ پانی روک لیا جائے تو اسے حاصل کرنے کے لئے آپ کیا خرچ کر سکیں گے۔'' ہارون نے جواب دیا۔

''پیاس کو بجھانے کے لئے اگر ایک پیالہ نصف سلطنت کے عوض بھی ملے تو میں یہ قیمت دینے کو تیار ہوں۔'' پھر جب ہارون نے پانی پی لیا تو ابن سماک بولے۔

''امیر المومنین! اگر یہ پانی جو آپ نے پیا ہے جسم کے اندر رک جائے اور باہر خارج نہ ہو سکے تو اسے نکلوانے کے لئے آپ کیا خرچ کر سکیں گے؟'' ہارون نے کہا کہ ''ایسی صورت میں ساری سلطنت دے ڈالوں گا۔''

ابن سماک نے فرمایا۔

''یہ ساری سلطنت جو ایک چلو بھر پانی کے عوض دی جا سکتی ہے، اس پر اتنا اترانا اور غرور و تکبر میں انجام کو بھول جانا کہاں کی عقلمندی ہے، خدا کا خوف کیجئے اور اس کی مخلوق کے ساتھ نیک سلوک کو ہرگز فراموش نہ کیجئے۔'' ہارون الرشید پر اس نصیحت کا بہت اثر ہوا اور وہ دیر تک گردن جھکائے روتے رہے۔

☆☆☆

ام خدیجہ ---- پشاور

مجھے چھوڑ دے مرے حال پر تیرا کیا بھروسا ہے چارہ گر
یہ تیری نوازشیں مختصر میرا درد اور بڑھا نہ دیں

.....

میرے موسم گزر گئے اور یار اب آئے
دکھوں نے چاٹ لیا ہمیں اور غم گسار اب آئے
یہ وقت تو اسے رونے کا نہیں ہے لیکن
میں کیا کروں میرے سوگوار اب آئے

.....

آسیب زدہ گھر کا میں وہ در ہوں محسن
دیمک کی طرح کھا گئی جسے دستک کی تمنا

میرے ہاتھوں کی لکیروں میں یہ عجیب عیب چھپا ہے
میں جس شخص کو چھولوں وہ مرا نہیں رہتا

ضم حمید ---- لاہور

نہیں ہم کو شکایت اب کسی سے
بس اپنے آپ سے روٹھے ہوئے ہیں
بظاہر خوشیاں لیکن سچ بتائیں
ہم اندر سے بہت ٹوٹے ہوئے ہیں

.....

جاگتے رہنے سے بھی کبھی رکتے ہیں بہتے آنسو
عمر بھر ہو گی یہ برسات چلو سو جائیں

.....

دل میں تھی ویرانی ہم بھی تھے خاموش بہت
تم آئے تو جان گئے ہم موتم کتنا پیارا ہے
باتوں باتوں میں آؤ اس شخص کی بات کریں
جس کی خاطر دنیا کا ہر دکھ ہمیں گوارا ہے

زویا ظفر ---- سکھر سندھ

کئی زمانے میں اپنی کڑی شکست کے بعد
خود اپنے ٹوٹے ہوئے بازوؤں میں قید رہا
وہ ایک چہرہ جو آنکھوں میں آ بسا تھا کبھی
تمام عمر مرے آنسوؤں میں قید رہا

.....

ہمارا کیا ہے ہم تو چراغ شب کی طرح
اگر جلے بھی تو بس اتنی روشنی ہو گی
کہ جیسے تند اندھیروں کی راہ میں جگنو
ذرا سی دیر کو چمکے چمک کے کھو جائے

.....

آج کی صبح مہ و سال کے آئینے میں
پھر ترے خون کی پوشاک پہن کر آئی
پھر دل و جاں میں ترے قرب کا موسم اترا
پھر ترے درد کی سوغات میسر آئی

سونیا رانی ---- جام پور

محسن جب بھی چوٹ نئی کھا لیتا ہوں
دل کو یاد آتے ہیں یار پرانے کیوں

.....

جو ہو سکے تو گریباں کے چاک سی لینا
وگرنہ تم بھی ہماری طرح سے جی لینا

.....

اس کی نفرت بھی محبت ہو گی
میرے بارے میں وہ سوچتے تو سہی
اس کے قدموں میں بچھا دوں آنکھیں
میری بستی سے وہ گزرے تو سہی

ناظمہ احمد ---- کوئٹہ کینٹ

وہ جنگل کے پھولوں پر کیوں مرتا ہے

اس کو اچھے لگتے ہیں ویرانے کیوں

.....

ہمارے گھر پہ گرتی بجلیوں کی کیا خبر محسن
کہ اس ملبے پہ اک تازہ مگر تعمیر ہونا ہے

.....

غموں سے یاری تھی ہمت بحال رکھتے تھے
ذرا ذرا سی کسک دل میں سنبھال رکھتے تھے
عجیب طرز کے شدت پسند تھے ہم بھی
خوشی خوشی میں کئی غم بھی پال رکھتے تھے

شازیہ علی ---- جہلم

جس کے لئے توڑ دیں ساری حدیں
آج اسی نے کہا اپنی حد میں رہو

.....

بارش کی طلب ہے تو سمندر کی طرف جا
یہ ابر تو صحراؤں میں برسا نہیں کرتے
پچھتاوے سے بڑھ کر کوئی آزار نہیں ہے
جب دل لگاتے ہیں تو رویا نہیں کرتے

.....

اک ہجر تھا جس میں بتا دی تمام عمر
اک پل تھا ہم نے جس کو زمانہ بنا دیا
اس درجہ صبر پر تو اسے بھی یقین نہ تھا
اس نے ریاضتوں کو بھی طعنہ بنا دیا

مدیحہ کرن ---- منڈی بہاؤالدین

کچھ غلط بھی تو نہیں تھا مرا تنہا ہونا
آتش و آب کا ممکن نہیں یکجا ہونا
جو برائی تھی مرے نام سے منسوب ہوئی
دوستو! کتنا برا تھا مرا اچھا ہونا

.....

رنج کتنا بھی کریں ان کا زمانے والے
جانے والے تو نہیں لوٹ کے آنے والے
کتنی بے کیف سی رہ جاتی ہے دل کی بستی
کتنے چپ چاپ چلے جاتے ہیں جانے والے

پھر سے ٹوٹے ہوئے پتوں کا سہارا لے کر
وحشت دل کسی جگنو سے ادھار لے کر
دشت دنیا میں امیدوں کا کنارہ لے کر
میں تمہیں یاد کروں اک عمر دوبارہ لے کر

نمرہ فاطمہ ---- میانوالی

آئی نہ کبھی تھی کبھی میرے لفظوں میں روشنی
اور مجھ سے یہ کمال تجھے دیکھ کر ہوا
پھر آ گئے میرا ماضی کریدنے
پھر مجھ سے اک سوال تجھے دیکھ کر ہوا

.....

جن کو پینے کا سلیقہ ہے وہ پیاسے ہیں قتیل
جتنے کم ظرف تھے اس دور میں مے خوار ہوئے

.....

میں اپنی زندگی کی آخری سیڑھی پہ بیٹھا ہوں
مجھے مہلت ذرا سی ہے کبھی ملنے چلے آؤ

رابعہ علی ---- فیصل آباد

خوبصورت ہیں آنکھیں تیری
رات کو جاگنا چھوڑ دے
خود بخود نیند آ جائے گی
تو مجھے سوچنا چھوڑ دے

.....

کچھ روز سے زنداں نظر آتی ہے یہ دنیا
اب کچھ تو یہاں اہل نظر ہو کے رہے گا
انسان سمٹتا ہی چلا جائے کہاں تک
لگتا ہے کہ دیوار میں در ہو کے رہے گا

.....

الزام کچھ تو گردش ایام کو بھی دے
اپنے ہر ایک غم کو غم یار مت بنا
ہر ایک کے لئے نہ کھلا رکھ اسے قتیل
یہ دل ہے ایک گھر اسے بازار مت بنا

☆☆☆

رابعہ علی ---- فیصل آباد

س: عین غین بھائی کیا آپ نے چھٹیوں کا کام مکمل کر لیا ہے؟ اگر نہیں تو فیصل آباد آ جائیں میں آپ کی مدد کر دوں گی؟

ج: اپنا کام تو دوسروں سے کرواتی ہو اور میری مدد کرنا چاہتی ہو حیرت ہے۔

س: عین غین بھائی ایمانداری سے بتایئے دن میں کتنی نمازیں باجماعت پڑھتے ہیں؟

ج: تم نے کیا صلوۃ کمیٹی جوائن کر لی ہے۔

س: عین غین بھائی سنا ہے کہ آپ کی منگیتر نے آپ کی تصویر دیکھ کر منگنی کی انگوٹھی واپس کر دی ہے؟

ج: انگوٹھی دیکھ کر واپس کی تھی ٹھیک کروانے کے لئے اور وہ انگوٹھی ٹھیک کروانے کے لئے ایسے غائب ہوئے کہ جیسے تمہارے سر سے سینگ۔

س: کریم لگانے کے ساتھ ساتھ گرلز کو کالج کے سامنے دھوپ میں کھڑے ہونے سے گریز کریں کیونکہ دوائی کے ساتھ پرہیز ضروری ہے ورنہ.....؟

ج: لگتا ہے کہ تجربہ بول رہا ہے۔

شازیہ رفیق ---- اسلام پورہ لاہور

س: حال کیسا ہے جناب کا؟

ج: کیا خیال ہے آپ کا۔

س: آخر بھینس کے آگے ہی بین کیوں بجائی جاتی ہے آپ کے آگے کیوں نہیں؟

ج: اس لئے کہ میں آپ جیسا رسپانس نہیں دے سکتا۔

س: اول فول کب بکا جاتا ہے؟

ج: جب انسان اپنے آپ سے باہر ہو۔

س: گھگھی کیوں بندھ گئی؟

ج: تمہیں دیکھ کر۔

س: کوئی اچھی سی دعا؟

ج: خوش رہو۔

طاہرہ آصف ---- ساہیوال

س: وہ چپکے سے پیچھے کھڑی ہو کر میری آنکھوں پر نرمی سے بڑے پیار سے ہاتھ رکھ کر بولی؟

ج: اٹھو جا کر برتن دھوؤ۔

س: ذرا جلدی سے یہ بتائیں کہ زندگی کا سب سے حسین سانحہ کیا ہے؟

ج: محبت۔

س: ہمیں دیکھتے ہی ان کا رنگ زردے کی طرح پیلا کیوں ہو جاتا ہے؟

ج: سمجھ جاتے ہیں کہ اب دو تین گھنٹے آپ کی سننی پڑے گی۔

س: ان سے مل کر ہم کچھ بدل سے گئے ہیں بھلا کن سے؟

ج: جو آپ سے برتن دھلواتے ہیں۔

س: درد میٹھا ہو تو رک رک کے کسک ہوتی ہے؟

ج: مٹھاس زیادہ ہو جاتی ہے نا اس لئے۔

عافیہ رحیم ---- سکھر

س: وہ کہتے ہیں، ''موقع محل دیکھ کر بات کیا کرو'' آخر وہ محل کہاں ہے جہاں موقع دیکھ کر بات کی جاتی ہے؟

ج: ان سے کہو نا کہ تمہیں ایک بار دکھلائیں، میرے ساتھ جاؤ گی تو ناراض ہو جائیں گے۔

س: کل لوگ تمہارے سامنے لال رنگ کا رومال کیوں لہرا رہے تھے؟

ج: تمہیں جو گزارنا تھا اس لئے سڑک پہ ٹریفک روک رہے تھے۔

س: مبارک ہو تم کو یہ شادی تمہاری سدا خوش رہوں یہ دعا ہے ہماری؟

ج: کون سی شادی۔

واجدہ امیر ---- حیدر آباد

س: کیا دنیا واقعی گول ہے؟

ج: کون کہتا ہے نہیں ہے۔

س: کچھ تو سوچو؟

ج: سوچ ہی تو رہا ہے۔

س: اپنی ہی کیوں ہانکتے ہو؟

ج: اور کیا تمہیں ہانکوں۔

س: لوگوں نے محبت کے نام کو بدنام کیوں کر رکھا ہے؟

ج: لوگوں نے محبت کے نام کو نہیں محبت کو بدنام کر رکھا ہے۔

س: آج کل لوگوں کی مسکراہٹ میں بھی طنز ہوتا ہے؟

ج: اسی کو طنزیہ مسکراہٹ کہتے ہیں۔

س: اس مطلب کی دنیا میں کوئی کسی کا نہیں؟

ج: مطلب کی دنیا سے باہر بھی جھانک کر دیکھو۔

سعدیہ سرور ---- ملتان

س: یوچھو تو میں کون ہوں؟

ج: نام سے صاف ظاہر ہے۔

س: دل کی دل میں ہی رہ جاتی ہے؟

ج: لیکن آنکھیں ظاہر کر دیتی ہیں۔

س: بتاؤ تو وہ کون ہے؟

ج: کس کے بارے میں پوچھ رہی ہو۔

س: یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے؟

ج: کوئی سگریٹ سے دل بہلا رہا ہوگا۔

س: چلے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے؟

ج: کون سے گلشن میں آؤں۔

س: آخری بار دیکھ لو مجھ کو؟

ج: ارادے نیک معلوم نہیں ہوتے۔

فاطمہ محمود ----

س: تمہیں میری حالت کی خبر نہیں کیا؟

ج: میں ڈاکٹر تو ہوں نہیں۔

س: یہ دامن چھڑا کر جانا تھا تو؟

ج: تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔

س: یہ محبت کا دستور نہیں ہے؟

ج: میں وہ نہیں ہوں جو تم سمجھتی ہو۔

س: یہ برسات کا موسم یہ رم جھم کا سماں یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا؟

ج: یہ برسات کا موسم یہ چھپتی ہوئی دھوپ اور بند ہوا۔

س: یہ دل بہتا ہی نہیں کسی پل؟

ج: ایسے گندے موسم میں دل کیا بہلے گا۔

س: میں نے اسے پانے سے پہلے ہی کھو دیا؟

ج: اسی میں تمہاری بہتری ہے۔

☆☆☆

رنگ حنا

بلقیس بھٹی

علاج

میاں نفیس احمد ایک ماہر نفسیات کے پاس پہنچے اور بولے۔

”میں نے اپنے بزنس پارٹنر کو دھوکا دیا ہے جس کی وجہ سے میرا ضمیر مجھے مسلسل ملامت کر رہا ہے۔“

”اچھا اچھا۔“ ماہر نفسیات نے کہا۔

”تو آپ کی قوت ارادی کو مضبوط کر دوں تاکہ آپ اپنے بزنس پارٹنر سے معذرت کر سکیں اور غلطی کی تلافی۔“

”نہیں، نہیں۔“ میاں نفیس جلدی سے بولے۔

”میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ضمیر کو کمزور کر دیں۔“

عالیہ وقاص، بہاولنگر

مطلب

شوہر مطالعے میں مصروف تھا، بیوی آتے ہی کہنے لگی۔

”غضب خدا کا ایک شخص نے میری کار کو ٹکر ماری اور کار کا کچومر نکال کر رکھ دیا۔“

”لیکن ایسا شدید حادثہ کیسے ہوا؟ کیا دونوں کاریں بہت تیز تھیں؟“

”میری کار تو اس وقت ساٹھ کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار پر تھی۔“

”پھر دوسری کار بہت تیز رفتاری سے آ رہی ہو گی؟“

”اس کے بارے میں مجھے معلوم نہیں۔“ بیوی نے سوچتے ہوئے کہا۔

”کیونکہ جب ٹکر ہوئی تو اس میں کوئی نہ تھا اس کا مطلب یہی ہے کہ کار کھڑی تھی۔“

رابعہ سعید، لاہور

پہچان

”لیکن بیگم صاحبہ! جس کار نے ٹکر مار کر آپ کو نیچے گرایا تھا اس کا نمبر تو آپ نے ضرور دیکھا ہو گا۔“ بیگم صاحبہ سے سپاہی نے پوچھا۔

”نہیں، میں نے نمبر نہیں دیکھا۔“ بیگم صاحبہ نے سوچ کر جواب دیا۔

”ہاں البتہ اس کار میں ایک اسمارٹ سی عورت بیٹھی تھی، جو گلابی رنگ کے سوٹ میں ملبوس تھی اور کپڑا ساٹھ روپے میٹر والا تھا، اس کے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی تھی، جس میں نقلی ہیرا تھا، بالوں میں سونے کا کلپ تھا، جبکہ وہ مصنوعی پوستین کا کوٹ بھی پہنے ہوئے تھی۔“

عاصمہ رضوان، خانیوال

علاج

ایک صاحب کی بھینس بہت بیمار ہو گئی، انہوں نے اس کا تذکرہ اپنے دوست سے کیا دوست نے بھینس کے مرض کے بارے میں استفسار کیا اور کہا۔

”تم نے اسے دوائیں تو دی ہوں گی۔“ انہوں نے کہا۔

”ہاں مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔“ دوست نے کہا۔

”میرے پاس بھی ایک بھینس تھی اور اسے بھی تقریباً یہی مرض لاحق ہوا تھا، جو تمہاری بھینس کو ہے۔“

”اچھا پھر تم نے کیا کیا تھا۔“

”میں نے اسے کڑوا تیل پلایا تھا۔“

بھینس والے صاحب اپنے گھر آئے اور انہوں نے بھینس کو کڑوا تیل پلایا تھا۔

”مگر وہ تو تیل پیتے ہی مر گئی۔“ جواب میں ان کے دوست نے کہا۔

”میری بھینس بھی مر گئی تھی۔“

حنا خان، شجاع آباد

مزا

ایک روز صبح کے وقت کسی نے فائر ہاؤس کا دروازہ دھڑ دھڑایا اور زور زور سے چلایا۔

”آگ، آگ۔“ فائر بریگیڈ کے ارکان باہر دوڑے اور دیکھا کہ، ٹرک میں لدی ہوئی کار سے شعلے نکل رہے ہیں، جب آگ بجھا دی گئی تو عملے کے ایک رکن نے دوسرے سے کہا۔

”اب اس نوکری پر مزا آئے گا، لوگ آگ لگی چیزوں کو یہاں لانے لگے ہیں۔“

اُم خدیجہ، پشاور

ہے کون

خاتون نے فیصلہ کیا کہ وقت آ گیا ہے کہ اپنے چھوٹے بچے کو خلوت کے بارے میں آگاہ کیا جائے، اس روز جب وہ غسل خانے میں گئیں تو دروازے کو اندر سے بند کر لیا، جلدی یہ بچہ ماں کو آوازیں دیتا ہوا اندر آ گیا اور غسل خانے کا دروازہ کھٹکھٹانے لگا، ماں نے غسل خانے کے اندر سے چیخ کر کہا۔

”منے تم اندر نہیں آ سکتے، کیونکہ یہاں پر عورت ہے۔“ منے نے پیر پٹختے ہوئے پوچھا۔

”یہ عورت کون ہے؟“

صنم حمید، لاہور

بری عادت

”لیکن ڈارلنگ!“ شوہر نے بے بسی سے کہا۔

”اگر ہم نے نئی کار خرید لی تو اس کی قیمت کہاں سے ادا کریں گے؟“

”بس تم میں یہ بہت بری عادت ہے۔“ بیوی تنک کر بولی۔

”تم ایک وقت میں بہت سارے مسائل جمع کر لیتے ہو۔“

لاعلمی

ایک دوا فروش کہہ رہا تھا۔

”میری دوا کھانے سے عمر کافی بڑھ جائے گی، میری طرف دیکھیے میری عمر پانچ سو سال ہے، میں کتنا طاقتور اور صحت مند دکھائی دے رہا ہوں۔“

یہ سن کر لوگوں کو بڑا تعجب ہوا اور انہوں نے دوا فروش کے چیلے کو بلا کر پوچھا۔

”کیا ان کی عمر پانچ سو سال کی ہے؟“ یہ سن کر چیلے نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔

”مجھے معلوم نہیں کیونکہ میں ان کے ساتھ صرف دو سو سال سے ہوں۔“

اعلا نسل

ایک عورت کتا خریدنے گئی، فارم کا منیجر ایک کتا دکھاتے ہوئے کہنے لگا۔

”اس نسل کا یہی ایک کتا رہ گیا ہے اس لئے سستا مل جائے گا۔“ عورت نے کہا۔

”اس نسل کا کتا میرے شوہر کو پسند نہیں آئے گا۔“ منیجر نے کہا۔

”آپ خاوند کی پسند کی پروانہ کریں، آپ کو اس نسل کے خاوند تو کئی مل جائیں گے، لیکن اس نسل کا کتا نہیں ملے گا۔“

ناظمہ احمد، کوئٹہ کینٹ

میری ڈائری سے

صائمہ محمود

طاہرہ آصف: کی ڈائری سے ایک غزل
غضب کیا ترے وعدے پہ اعتبار کیا
تمام رات قیامت کا انتظار کیا
ہنسا ہنسا کے شب وصل اشک بار کیا
تسلیاں مجھے دے دے کے بے قرار کیا
تڑپ پھر اے دل ناداں کہ غیر کہتے ہیں
اخیر کچھ نہ بنی، صبر اختیار کیا
بنے گا مہر قیامت ایک خال سیاہ
جو چہرہ داغ سیہ رونے آشکار کیا

عافیہ رحیم: کی ڈائری سے ایک نظم
کھیل دھوپ چھاؤں کا
صحن صبح نو میں ہے
وہ قدیم راستے
شہر وہ خیال کے
حسن جن کا دور ہے
تھا سفر میں یارسا
ان کی ایک جھلک بھی ہے
سامنے کی دید میں
آج کے اقرار میں
آنے والے دور کے
خوش نما غبار ہیں
ان کی اک مہک بھی ہے
چاہتوں کے سال میں
حجلہ وصال سی
آج کی بہار میں

واجدہ امیر: کی ڈائری سے
کہنے کو میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں
امجد مگر وہ شخص مجھے بھولتا نہیں
ڈرتا ہوں آنکھ کھولوں تو منظر بدل نہ جائے
میں جاگ تو رہا ہوں مگر جاگتا نہیں
آشفتگی سے اس کی اسے بے وفا نہ جان
عادت کی بات اور ہے، دل کا برا نہیں
تنہا اداس چاند کو سمجھو نہ بے خبر
ہر بات سن رہا ہے مگر بولتا نہیں
خاموش رت جگوں کا دھواں تھا چہار سو
نکلا کب آفتاب، مجھے تو پتا نہیں
امجد وہ آنکھیں جھیل سی گہری تو ہیں مگر
ان میں کوئی بھی عکس میرے نام کا نہیں

فاطمہ محمود: کی ڈائری سے پروین شاکر کی نظم
چلو اس خواب کو ہم ترک کر دیں
اور آنکھوں کو یہ سمجھا دیں
کہ ہر تصویر میں ہلکا گلابی رنگ چاہنے سے نہیں
آتا
بہت سے نقش نقاش ازل ایسے بناتا ہے
کہ جن کا حاشیہ گہرا سیہ
اور نقش ہلکا سرمئی رہتا ہے
اور جن پر کسی بھی زاویے سے چاند اترے
یہ کبھی روشن نہیں ہوتے
خدا کچھ کام آدھی رات کو کرتا ہے
جب اس کے پیالے میں
سیاہی کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا
یہ خاکہ بھی
کسی ایسی ہی ساعت میں بنا ہوگا
ہماری آنکھ میں جو خواب اترا تھا
بہت خوش رنگ لگتا تھا
مگر اس کے دہکنے میں
کئی آنکھیں لہو ہوتیں
کتابوں اور پھولوں سے سجے جس گھر کے آنگن
میں
ہم اپنے آپ کو کھلتے ہوئے محسوس کرتے ہیں
وہاں اک اور گھر بنیاد سے یوں سر اٹھاتا ہے
کہ غم اندر سے ہل جاتے
مگر چپ چاپ رہتے تھے
یہ چپ دیمک کی صورت ہم کو اک دن چاٹ
جاتی
تمہارے دکھ سے میں واقف ہوں
اور اپنے مقدر کی لکیروں کی بھی محروم ہوں
ہمارے بس میں رنگوں کو چناؤ ہے
نہ خط کا
سو اس تصویر کو تحلیل کر دیں
ہم اپنا کینوس تبدیل کر دیں

عابدہ خان: کی ڈائری سے ایک غزل
وشت ہجراں میں سایہ نہ صدا تیرے بعد
کتنے تنہا ہیں ترے آبلہ پا ترے بعد
لب پہ اک حروف طلب نہ تھا نہ رہا تیرے بعد
دل میں تاثیر کی خواہش نہ دعا تیرے بعد
درد سینے میں ہوا نوحہ میرا تیرے بعد
دل کی دھڑکن ہے کہ ماتم کی صدا تیرے بعد
تجھ سے بچھڑا ہوں تو مرجھا کے ہوا برد ہوا
کون دیتا ہے مجھے کھلنے کی دعا تیرے بعد
ملنے والے کئی مفہوم پہن کر آئے
کوئی چہرہ بھی نہ آنکھوں نے پڑھا تیرے بعد
جان محسن مرا حاصل یہی مبہم سطریں
شعر کہنے کا ہنر بھول گیا تیرے بعد

زینب شیخ: کی ڈائری سے ایک نظم
"چلو یوں ہی سہی"
چلو یوں ہی سہی
ترک تعلق کر لیا تم نے
وگرنہ میں تمہارے ساتھ
کتنی دور تک چلتا
تم اک موج صبا رفتار
میں اک آبلہ پا تھا
کتنے بادل تمہارے ساتھ تھے
اور تشنگی میرا مقدر تھی
تمہیں اب اس سے کیا
میں دشت جاں میں
وحشتوں کے درمیاں
پھر کتنا تنہا ہوں
تم اپنے حلقہ احباب میں خوش ہو
سو خوش رہنا
مگر میں ڈرتا رہتا ہوں
کہ زخم شناسائی کی کسک
تم تک نہ جا پہنچے

عالیہ وقاص: کی ڈائری سے ایک غزل
ہر سمت لطافت ہی لطافت سی لگے ہے
تو ہے تو یہ دنیا مجھے جنت سی لگے ہے
کیا تجھ کو ضرورت کسی انداز و ادا کی
تو یوں ہی مجھے ایک قیامت سی لگے ہے
آنکھیں جو اٹھائے تو محبت کا گماں ہو
نظروں کو جھکائے تو شرارت سی لگے ہے
تیرے خدوخال میں مریم کا تقدس
آنکھوں کو جھکاؤں تو عبادت سی لگے ہے

☆☆☆

حنا کا دسترخوان

افراح طارق

عید الفطر پر میٹھے کا مطلب ہے شیر خورمہ لیکن اس بار ہم آپ کو سویوں کی بھی کئی ایک تراکیب بتا رہے ہیں جو نہ صرف مہمانوں کو بھائیں گی بلکہ گھر والے بھی آپ کی تعریف کریں گے یقین نہ آئے تو آزمالیں۔

شیر خورمہ

اشیاء

دودھ	دو لیٹر
سویاں	دو کھانے کے چمچ
چاول	ایک کھانے کا چمچ
گھی	دو کھانے کے چمچ
شکر	ایک کپ
بادام کٹے ہوئے	نصف کپ
پستے کٹے ہوئے	نصف کپ
چھوہارے ابال لیں	چار عدد
کدوکش ناریل	نصف کپ
سبز الائچی چھلی ہوئی	دس عدد
زعفران اور کیوڑہ	حسب ضرورت

ترکیب

سویوں کا چورا کر کے ذرا سے گھی میں فرائی کرلیں، باداموں کو بھی کاٹ کر تل کر الگ رکھ لیں، پستے کو بھی کاٹ لیں، ناریل کو بھی تل لیں، نکال کر الگ کرلیں، بھیگے ہوئے چاولوں کو پانی سے نکال کر اچھی طرح باریک پیس لیں، دودھ کو اتنا ابالیں کہ وہ گاڑھا ہو جائے، چولہے سے دودھ ہٹا کر ذرا ٹھنڈا ہونے دیں، دودھ نیم گرم ہو تو اس میں سویاں اور چاولوں کا آٹا ڈال کر نصف گھنٹے تک پکائیں، اس میں ابلے چھوہارے، سبز الائچی، تلا ناریل، بادام، پستہ اور شکر ڈال کر پکنے دیں، دس منٹ بعد زعفران اور کیوڑہ ملا لیں، چولہے سے ہٹا کر ٹھنڈا ہونے دیں، لذیذ شیر خورمہ تیار ہے۔

اسپیشل سویاں

اشیاء

سویاں	آدھا کپ چورا
کنڈینسڈ ملک	ایک ٹن
دودھ	تین کپ
تیل	دو کھانے کے چمچ
سبز الائچی	تین عدد چھلی ہوئی

ترکیب

تیل گرم کر کے اس میں سبز الائچی اور سویاں ڈال کر ایک منٹ تک تلیں، تمام اقسام کے دودھ ڈال کر اتنا پکائیں کہ سویاں گاڑھی ہو جائیں، چولہے سے ہٹا کر ٹھنڈا کرلیں، اسپیشل سویاں تیار ہیں۔

سویوں کی پڈنگ

اشیاء

پھیکا مکھن	چار کھانے کے چمچ
سویاں	دو کپ چورا کرلیں
گرم دودھ	آٹھ کپ
سبز الائچی	آدھا چائے کا چمچ

کشمش	دو چائے کے چمچ
بادام چھلے ہوئے	تین چائے کے چمچ
شکر	ایک کپ
پستہ ہوائیاں	دو چائے کے چمچ

ترکیب

دھیمی آنچ پر مکھن گرم کر کے چورا سویاں ڈال کر اتنا بھونیں کہ سنہری ہو جائیں، گرم دودھ ڈال کر ابال آنے دیں پھر بادام اور الائچی شامل کر دیں، آدھے گھنٹے تک پکنے دیں، اس دوران چمچہ مسلسل چلاتی رہیں، شکر بھی شامل کر دیں، مزید پانچ سے دس منٹ تک پکائیں، ڈش میں نکال کر ٹھنڈا کرلیں، کشمش اور پستہ چھڑک لیں، ٹھنڈا کر کے پیش کریں۔

سویوں کا مزعفر

اشیاء

سویاں	250 گرام
شکر	آدھا کلو
گھی	ایک کپ
دودھ	ایک کلو
سبز الائچی چھلی ہوئی	دس دانے
زعفران	آدھا چائے کا چمچ
پیلا رنگ	آدھا چائے کا چمچ
بادام، پستہ	حسب پسند
چاندی کے ورق	حسب خواہش

ترکیب

شکر میں ایک کپ پانی ملا کر شیرہ تیار کرلیں، اس میں پیلا رنگ ملا لیں، گھی میں سویاں ڈال دیں، سنہری ہو جائیں تو اس میں دودھ ملا کر دھیمی آنچ پر اتنا پکائیں کہ سارا دودھ سویوں میں جذب ہو جائے، اب سویوں میں پیلا شیرہ ڈال دیں، ساتھ ہی بادام اور پستہ ملا دیں، ورق لگا دیں، لذیذ مزعفر تیار ہے۔

بادامی سویاں

اشیاء

سویاں	250 گرام
گھی	250 گرام
بادام	250 گرام
شکر	750 گرام
کھویا	250 گرام
دودھ	ایک کلو
پیلا رنگ	آدھا چائے کا چمچ
بادام، پستہ	حسب پسند
زعفران	حسب ضرورت
کریم	نصف کپ
کیوڑہ	چند قطرے

ترکیب

گھی گرم کر کے چورا کی گئی سویاں دھیمی آنچ پر سنہری کرلیں، دس منٹ بعد خوشبو آنے لگے تو پہلے سے ابلا دودھ اس میں شامل کر کے پیلا رنگ پانی میں گھول لیں بھی ڈال دیں اور اتنا پکائیں کہ دودھ جذب ہو جائے اور سویاں گل جائیں، بادام پیس لیں، کھویا بھون کر سویوں میں ڈال کر بادام بھی ملا لیں، چینی میں ایک کپ پانی ملا کر شیرہ تیار کرلیں اور سویوں میں شامل کر کے پانچ منٹ کے لئے تیز اور پانچ منٹ کے لئے دھیمی آنچ میں سویاں پکائیں، کیوڑے میں زعفران گھول کر سویوں میں ڈال کر اتار لیں، لذیذ بادامی سویاں تیار ہیں۔

قیمے کے کٹلٹس

اشیاء

قیمہ	ایک کلو باریک

آلو ابلے ہوئے	ڈیڑھ کلو
انڈے	دو عدد
ہرا دھنیا کٹا ہوا باریک	ایک گڈی
ہری مرچ پسی ہوئی	ایک چائے کا چچ
پیاز آملیٹ کی طرح کٹی ہوئی بڑی ڈلی	
ڈبل روٹی کا چورا	ایک پیکٹ
نمک	حسب ذائقہ
تلنے کے لئے تیل	حسب ضرورت

ترکیب

سب سے پہلے آلو کو ابالیں، جب آلو اچھی طرح گل جائیں تو ان کا چھلکا اتار کر کانٹے کے ساتھ بھرتہ بنالیں، ایک دیگچی میں ایک کھانے کا چمچہ تیل ڈال کر قیمہ ڈال دیں، ساتھ سارا مسالا بھی ڈال دیں، جب قیمے کا پانی خشک ہو جائے تو تھوڑا سا بھون کر اتار لیں اور ٹھنڈا ہونے دیں، پھر تھوڑے سے آلو ہاتھ میں لے کر اس کو پھیلا لیں، اب اس میں تھوڑا تھوڑا قیمہ بھر کر کٹلٹس بنا لیں، انڈا لگا کر چورا لگالیں اور ہلکی آنچ پر فرائی کر لیں۔

چکن سموسہ

اشیاء

چکن کا قیمہ	آدھا کلو
ہرا مسالا	دو کھانے کے چچ
ادرک، لہسن، ہری مرچ کا پیسٹ	
دھنیا، پودینہ، ہری پیاز	دو کھانے کے چچ
گرم مسالا پاؤڈر	آدھا چائے کا چچہ
کوکنگ آئل	دو کپ فرائی کیلئے
لال مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چچ
نمک	حسب ضرورت
لیموں کا رس	ایک چائے کا چچ

ترکیب

قیمہ میں ہرا مسالا کا پیسٹ، لال مرچ، گرم مسالا، نمک ڈال کر پانی خشک ہونے تک پکائیں، ٹھنڈا ہونے کے بعد اس میں کٹا ہوا پودینہ، دھنیا، ہری پیاز، لیموں کا رس ایک چائے پھر ایک دیگچی میں ایک کھانے کا چمچہ تیل ڈال کر قیمہ ڈال دیں ساتھ میں نمک، ادرک، لہسن اور مرچ ڈال دیں، جب پانی خشک ہو جائے تو ہلکا سا بھون کر پیاز، ہری مرچ اور ہرا دھنیا ڈال دیں اوپر سے لیموں کا رس ڈال دیں پھر اچھی طرح مکس کر لیں ٹھنڈا ہونے دیں، اب آٹے کا چھوٹا سا پیڑا لے کر ہاتھ گیلا کر لیں پھر پیڑے، پھیلا کر تھوڑا سا قیمہ رکھ کر چاروں طرف سے بند کر دیں، ذرا سا دبا کر کچوری کی طرح پھیلا لیں، کڑاہی میں تیل گرم کریں جب خوب گرم ہو جائے تو آنچ ہلکی کر کے کچوریاں تلنا شروع کریں، جب تل جائیں تو نکال کر چھلنی میں اخبار بچھا کر اوپر رکھتی جائیں تا کہ تیل جذب ہو جائے گرم گرم املی کی چٹنی دہی کے رائتے کے ساتھ سرو کریں۔

☆☆☆

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

السلام و علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر خدمت ہیں، آپ سب کی صحت و سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ اللہ تعالیٰ وطن عزیز اور اس میں بسنے والوں کو اپنی حفظ و امان میں رکھے امین۔

مقصد تخلیق کائنات انسان ہے اور انسان کی تخلیق کا مقصد انسانیت کا شعور ہے، شعور احساس ہے، سماعت ہے، گفتگو ہے، گفتگو انسان کی، انسانیت کی پہچان ہے، الفاظ انسان کے اخلاق، اس کی تربیت، اس کے خاندان کی پہچان ہوتے ہیں۔

ہمارے الفاظ کسی کی زندگی لے سکتے ہیں اور کسی کو زندگی دے بھی سکتے ہیں، حوصلہ افزائی کا ایک لفظ کبھی کبھی پوری پوری زندگی بدل دیتا ہے اور کڑی تنقید کبھی کبھی زندگی سے دور بھی کر دیتی ہے۔

ایسے سخت الفاظ جو کسی کا دل توڑ دیں، اس کی ہمت پست کر دیں اس کو زندگی سے بیزار کر دیں تو اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے۔

ہم خواہ کتنے ہی بلند مقام پر کیوں نہ ہوں اگر ہماری زبان سے کسی کو ذرا سا بھی نقصان پہنچ جائے تو یہ ہمارے لئے عمر بھر کا خسارہ ہے۔

کوشش کیجئے کسی کے لئے اچھا نہیں کر سکتے تو اس کا برا بھی نہ سوچیں، ورنہ جان لیں کہ کسی بھی چیز کا سودا ادا کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

اپنا بہت سا خیال رکھئے گا اور ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں آپ کا خیال رکھتے ہیں۔

آیئے آپ کے خطوط کی محفل میں چلتے ہیں درود پاک، کلمہ طیبہ اور استغفار کا ورد کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ سب کو اپنی پناہ میں رکھے آمین۔

یہ پہلا خط ہمیں رابعہ نورین کا منڈی بہاؤدین سے موصول ہوا ہے وہ لکھتی ہیں۔

مارچ کا شمارہ سات کو ملا سرورق بہت پسند آیا اس مرتبہ سادہ مگر دل میں اترنے والا، حمد و نعت اور پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتوں سے مستفید ہوتے ہوئے انشاء جی کی محفل میں پہنچے اور ان سے اپنی عمر کو چھپاتے، سلسلے وار ناول ''امید صبح جمال'' کی دنیا میں پہنچے اور پھر جیسے اس کے فسوں میں کھو سے گئے بہت زبردست مریم اس ماہ کی قسط انتہائی شاندار رہی، اس میں بے حد اچھی اور معیاری شاعری پڑھنے کو ملی، نہ جانے کیوں معیز میں ہمیں ام مریم کے ایک پرانے ناول ''میرے ساحر سے کہو'' کے طارق کی جھلک نظر آئی، اگلی قسط کا شدت سے انتظار رہے گا، اب بات ہو جائے سدرۃ المنتہیٰ کے ناول ''عشق اسیر'' کی سدرۃ کی ہر تحریر ایک اچھوتے موضوع پر ہوتی ہے اس ناول میں بھی ایک منفرد موضوع کو سامنے لایا گیا، تمام کردار بہترین ہیں خصوصاً پربھات اور چیزل کے کردار نے اپنے سحر میں جکڑ رکھا ہے، حبیب شاہ کے کردار میں پراسراریت کا پہلو ہے دیکھیں گے آگے چل کر مصنفہ اس کے

کون سے راز سے پردہ اٹھاتیں ہیں۔

مریم ماہ منیر کا ناول ''ولی'' اپنے اختتام کو پہنچا، رزق حلال کو موضوع بنا کر مصنفہ نے لکھا اچھی کوشش کی، جبکہ ''فسون جب'' ریحانہ آفتاب کا ناول نے اپنی طرف متوجہ کیا خصوصاً ہیروئن کا نام بے حد پسند آیا، محبت کے موضوع پر لکھی گئی ریحانہ آفتاب کی تحریر بہترین تھی، ناولٹ میں ٹاپ پر نورین چوہان براجمان تھیں پہلی بار یہ نام نظر آیا ہے حنا میں، لیکن تحریر پڑھ کر کسی منجھی ہوئی مصنفہ کا گمان گزرا، ناولٹ ''سنو جیت ہو تم'' کے ٹائٹل نے متوجہ کیا ہی تھا تحریر نے بھی اپنے سحر میں جکڑ لیا ضامن کا کردار بے حد پسند آیا غصیلا مگر اپنے فیصلوں میں ڈٹ جانے والا، مرحا حیدر کے آگے ڈھال بننے والا بہت زبردست نورین چوہان امید ہے آگے چل کر حنا میں آپ کی مزید تحریریں پڑھنے کو ملیں گی، شفق افتخار کا ''اے عشق قضا نہ کرنا'' اپنے نام سمیت بہترین تحریر ہے، مگر تفصیلی تبصرہ انشاء اللہ مکمل پڑھ کر ہی لکھیں گے، ثوبیہ نورالعین کا ''سارے موسم دھیان میں رکھنا'' تحریر کی نسبت نام بہت زبردست تھا اچھوتا سا، ثوبیہ اسے اپنی پچھلی تحریروں کی نسبت یہ تحریر خاصی اچھی لکھی، یقیناً آگے چل کر آپ حنا کے لئے اچھا اضافہ ثابت ہوں گی، افسانوں میں ''محبت کا ستارہ'' ثناء کنول ''نظر انداز'' ام اقصیٰ اور ''ایک ملن کی شام'' غزالہ جلیل راؤ پسند آئے جبکہ عنبرین ابدال کے افسانے کا موضوع وہی پرانا تھا اس پر بہت کچھ لکھا گیا ہے، مستقل سلسلوں میں حاصل مطالعہ، رنگ حنا اور میری ڈائری بہترین تھے، دستر خوان ہمیشہ کی طرح چٹ پٹا اور فوزیہ آپی کی محفل ''کس قیامت کے یہ نامے'' ہمیشہ کی طرح فوزیہ آپی کی محبتوں کا مسکن نظر آیا۔

فوزیہ آپی میں پہلی مرتبہ اس محفل میں آئی ہوں امید ہے ضرور جگہ ملے گی۔

رابعہ نورین خوش آمدید، دل و جان سے اس محفل میں بس زندگی میں کبھی یقین کا دامن نہ چھوڑنا یونہی۔

مارچ کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ کی تعریف و تنقید پر سبھی مصنفین کی طرف سے شکریہ قبول کیجئے اور اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

عشاء بھٹی: ڈیرہ غازی خان سے لکھتی ہیں۔

ماہنامہ حنا اس بار آٹھ تاریخ کو ہاتھوں کی زینت بنا، سرورق پر ماڈل اتنی پیاری اور کیوٹ سی تھی کہ سیدھی دل میں اتری جا رہی تھی، میں نے جلدی سے موبائل نکالا اور اس کی تصویر موبائل کی گیلری میں قید کر لی۔

سب سے پہلے ''کچھ باتیں ہماریاں'' میں جا گھسی جہاں طاہر بھائی بالکل سردار انکل کا عکس لگ رہے تھے، ان کی بالکل ویسی سوچ ہے جیسی ان کی تھی، آپ نے اہم نکتہ اٹھایا میں آپ سے مکمل متفق ہوں، میں تو شروع سے آپ کی فیملی سے انسپائر ہوں آپ زندگی کو صحیح معنوں میں جینا سکھاتے ہیں، آپ کی تعریف سوچ کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے، ایک بات تو ہے جسے اللہ دینا چاہے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جسے اللہ روک دے اسے کوئی دے نہیں سکتا۔

حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول ﷺ سے مستفید ہو کر انشاء جی کی محفل میں پہنچے، سرسری سی نظر ڈالی انشا جی خواتین کی عمروں کا تذکرہ بڑے خوبصورت انداز میں کر رہے تھے، پھر جلدی سے افسانوں میں انٹری ماری وہاں اپنا افسانہ نہ پا کر منہ گول گپے کی طرح پھول گیا۔

افسانوں میں ''تربیت کا فرق'' عنبرین ابدال کی ایک سبق آموز کاوش تھی، ویری ویلڈن

عنبرین، ''محبت کا ستارہ'' ثناء کنول بھی اچھی رہیں ''ایک ملن کی شام'' غزالہ جلیل راؤ بھی اچھی رہی، سبھی اچھے افسانے تھے، ناولٹ میں ''اے عشق قضا نہ کرنا'' ویری نائس، نورین چوہان، ثوبیہ نورالعین کے بھی اچھے تھے، مکمل ناول میں ''ولی'' دی بیسٹ رہا، مریم ماہ منیر ویری ویلڈن، ریحانہ آفتاب کا ''فسوں حب'' بھی اچھا تھا، وہاں مجھے شاروں کا نام اور کام دونوں ہی پسند آئے، باقی تمام سلسلے ہمیشہ کی طرح لاجواب تھے، آپی میری ہارٹ فیورٹ فوزیہ غزل کہاں ہیں، پلیز ان کی بلائیں، کس قیامت کے یہ نامے میں فوزیہ آپی کی باتوں نے دل موہ لیا، خطوں میں آنسہ بھٹی کا تبصرہ پسند آیا، اس دعا کے ساتھ اب اجازت چاہوں گی، اللہ تعالیٰ ماہنامہ حنا کو دن دگنی رات چگنی ترقی عطا فرمائے آمین۔

عشاء بھٹی کیسی ہو چندا، مارچ کے شمارے کے لئے آپ کی پسندیدگی کا شکریہ آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے مصنفین تک پہنچائی جا رہی ہے، آپ کی تحریر بھی انشاء اللہ جلد شائع ہو گی، فوزیہ غزل دنیا کے میلے میں ایسی مصروف ہوئیں کہ کوشش کے باوجود بھی حنا کے لئے ٹائم نہیں نکال پائیں، آپ کے توسط سے ہم بھی ان کو آواز دے رہیں ہیں، فوزیہ جہاں بھی ہیں لوٹ آیئے، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

فائزہ جمشید: ٹوبہ ٹیک سنگھ سے لکھتی ہیں۔

مارچ کے شمارہ کا سرورق بہت اچھا لگا لگاتار دو تین ماہ دلہنوں کی تصویریں دیکھ دیکھ کر دل اکتا سا گیا تھا، لیکن آپی کیا ہی اچھا ہوتا جو آپ ماڈل کا تعارف بھی کروا دیتیں۔

ہمیشہ کی طرح سب سے پہلے سردار طاہر صاحب کی باتیں سنیں اس بار طاہر بھائی نے

شگفتہ شگفتہ رواں دواں

اردو کی آخری کتاب

طنز و مزاح

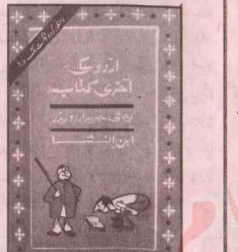

آج ہی اپنے قریبی بکسٹال یا براہ راست ہم سے طلب فرمائیں

لاہور اکیڈمی

پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون: 042-37321690 , 042-37310797

ہمارے دل کی بات کی یہ سچ ہے کہ میڈیا سنسنی پھیلاتا ہے چھوٹی سی بات کو یوں بڑھا چڑھا کر بیان کرتا ہے لگتا ہے جیسے قیامت سر پر کھڑی ہو، دور ہی کیوں جائیں آج کل حالات دیکھ لیں الحمدللہ پاکستان ابھی تک کرونا وائرس کی وبا سے کافی حد تک محفوظ ہے لیکن جونہی آپ ٹی وی اون کریں تو لگتا ہے پاکستان کا کوئی گھر ایسا نہیں بچا جہاں کرونا وائرس نے اٹیک نہ کیا ہو، خدا کی قسم اتنا مہلک تو وائرس نہیں ہوگا جتنا خوف اس کا میڈیا نے ہمارے دل و دماغ میں بسا دیا ہے، اللہ سب کو ہدایت دے۔

اسلامیات والا حصہ پڑھا اور دل و دماغ کو ایمان افروز باتوں سے منور کیا، پھر انشاء جی کے کالم میں پہنچے اور مسکراتے ہوئے وہاں سے نکل کر ام مریم کے سلسلے وار ناول ''امید صبح جمال'' کی طرف لپکے، واہ مریم جی کمال لکھا آپ نے لیکن ایک بات اس ماہ کی قسط پر سلمان کے کردار میں ہمیں رفعت سراج کے ایک ناول کے ہیرو ''پاشا'' کی جھلک نظر آئی والدہ کا کردار بھی پاشا کی والدہ جیسا آگے چل کر دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے، سدرۃ المنتہیٰ کا ناول ''عشق اسیر'' کی تو کیا ہی تعریف کریں بہت زبردست جا رہا ہے، سدرۃ اتنی اچھی تحریر لکھنے پر مبارک باد، مکمل ناول ''فسوں حب'' ریحانہ آفتاب کا پسند آیا شروع سے اینڈ تک مصنفہ کی گرفت ہر کردار پر مضبوط رہی ویلڈن ریحانہ جی اس کے برعکس مریم ماہ منیر کا ناول کا تیسرا اور آخری حصہ حسب توقع تھا یعنی شروع میں ہیرو بگڑا ہوا اور آخری میں ہیروئن سے متاثر ہو کر سیدھے راستے کا مسافر بن گیا، ناولٹ میں نورین چوہان کا نام اور تحریر نے چونکایا، اگر یہ مصنفہ کی پہلی تحریر تھی بے حد جاندار نورین اللہ کرے زور قلم اور زیادہ، شفق افتخار کا ناولٹ ''اے عشق قضا نہ کرنا'' بھی بہترین جا رہا ہے، مکمل پڑھ کر ہی اس پر تبصرہ بھی ملے گا آپ کو، ثوبیہ نورالعین کے ناولٹ کے ٹائٹل فوراً اپنی طرف متوجہ کیا، شاعرانہ نام تھا، ثوبیہ آپ نے بھی بہت اچھی کوشش کی یقیناً آپ آگے چل کر حنا کے لئے اچھا اضافہ ہوں گی، افسانے اس مرتبہ سبھی بہترین تھے، خصوصاً ثناء کنول اور غزالہ جلیل راؤ کا ''اک ملن کی شام'' بے حد پسند آیا۔

مستقل سلسلے میں حاصل مطالعہ میں سبھی دوستوں نے اچھا انتخاب بھیجا بیاض اور ڈائری کا انتخاب بھی پسند آیا، حنا کی محفل اور رنگ حنا نے اس ٹینشن زدہ ماحول میں لبوں پر مسکراہٹ سجا دی، آخر میں بات ہو جائے کس قیامت کے یہ نامے کی تو پیاری فوزیہ آپی آپ کی محبتوں کا جواب ہی نہیں ہر بندے کو یوں محبت دیتی ہیں جیسی اس سے بڑھ کر کوئی اور آپ کو عزیز ہی نہ ہو گا، بہت ساری دعائیں اور محبتیں آپ کے لئے آپی۔

فائدہ جمشید کدھر غائب تھیں آپ کافی عرصہ بعد اپنی اس محفل میں تشریف لائیں ہیں، مارچ کے شمارے کو پسند کرنے کے لئے بہت شکریہ، ہماری اور ہماری مصنفین کی کوشش ہوتی ہے کہ آپ کے فرصت کے ان لمحات کو جو آپ حنا کے ساتھ گزارتی ہیں خوشگوار بنا دیا جائے جب کبھی آپ سب ہماری کاوشوں کو سراہتی ہیں تو یقین جانیں ہماری خوشی کی انتہا نہیں رہتی، آپ ساتھیوں کی تعریف اور تنقید دونوں ہی ہمارے لئے اہم ہے، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

☆☆☆